معلم التقریر

المعروف بہ

مواعظ رضویہ

مصنف

مولانا نور محمد صاحب مدظلہ

چہارم

معلم التقریر

المعروف بہ

مواعظِ رضویہ

حصہ چہارم

مصنف

مولانا غوث محمد صاحب

KHWAJA BOOK DEPOT
419/2, Matia Mahal, Jama Masjid
Delhi-6 Mob: 9313086318, 9136455121
Email: khwajabd@gmail.com

خواجہ بک ڈپو
۴۱۹/۲، مٹیا محل جامع مسجد دہلی ۶

نام کتاب : مواعظِ رضویہ (حصہ چہارم)
نام مصنف : مولانا نور محمد قادری رضوی
تصحیح : محمد جہانگیر حسن
کمپوزنگ : صفدر علی
پہلی بار : اکتوبر ۲۰۰۵ء
اشاعت جدید : نومبر ۲۰۱۴ء
تعداد : ۱۱۰۰
قیمت :

ملنے کے پتے

☆ عرشی کتاب گھر، پتھر گٹی، حیدرآباد، (اے۔ پی۔)
☆ نورالدین کتب خانہ، کھجرانہ، اندور (ایم۔ پی)
☆ صوفی کتب خانہ، نزد موتی مسجد رائچور، کرناٹک
☆ عبدالرحمن کتب فروش، پچپڑوا بازار، بلرام پور (یو۔ پی)
☆ مکتبہ باغ فردوس، مبارک پور، اعظم گڑھ (یو۔ پی)

Name of Book: **Mawaaiz-e-Rizvia (Part IV)**
Auther : Maulana Noor Muhammed Qadri Rizvi
First Edition : October 2005
Second Edition: November 2014
Publisher : **Khwaja Book Depot**, 419/2, Matia Mahal, Jama Masjid
Delhi-6, Mob: 9313086318, 9136455121
E-mail: khwajabd@gmail.com
Price :

فہرست مضامین

پہلا وعظ

سیّدنا ابراہیم کی ولادت اور تبلیغ

أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ. بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ.
وَاتَّخَذَ اللّٰهُ إِبْرَاهِيْمَ خَلِيْلًا.

ترجمہ: اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو اپنا گہرا دوست بنایا۔

حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ولادت باسعادت شہر بابل میں نمرود مردود کے عہد سلطنت میں ہوئی۔ نمرود کی بادشاہی ساری دنیا پر تھی۔ مورخین نے لکھا ہے کہ چار ایسے بادشاہ گزرے ہیں جن کی بادشاہی ساری دنیا پر تھی۔ ان میں سے دو مومن اور دو کافر تھے۔ مومنوں میں ایک حضرت سکندر ذوالقرنین اور دوسرے حضرت سلیمان علیہ السلام تھے۔ کافروں میں ایک بخت نصر اور ایک نمرود تھا۔ اللہ تعالیٰ نے جب اسے ساری دنیا کی بادشاہی عطا فرمائی تو اُس نے بجائے شکر کے خدائی کا دعویٰ کیا اور لوگوں کو اپنی عبادت کی دعوت دی۔ جو لوگ اس کے پاس رہتے تھے وہ اس کی عبادت کرنے لگے اور جو دور دراز علاقوں میں رہتے تھے، ان کے واسطے اپنی صورت کے بت بنوائے اور ملک کے اطراف وجوانب میں بھیجے تاکہ جو لوگ میرے پاس حاضر نہیں ہوسکتے وہ میری صورت کے بتوں کی پرستش کریں، غرض کہ ساری دنیا میں لوگ نمرود کو خدا سمجھ کر اس کی پوجا کرنے میں مشغول ہوگئے، اور کوئی فرد ایسا نہ رہا جس کے دماغ میں خدائے حقیقی کا تصور باقی ہو۔ غیرت الٰہی جوش میں آئی اور اپنے خاص بندے کے بھیجنے کا انتظام فرمایا جو توحید الٰہی کی تبلیغ کرے اور باطل پرستی اور بت پرستی کا قلع قمع کرے۔ چنانچہ نمرود مردود نے ایک خواب دیکھا کہ ایک ستارہ طلوع ہوا ہے، جس کی روشنی کے سامنے آفتاب وماہتاب بالکل بے نور ہوگئے ہیں۔ اس سے نمرود بہت خوف زدہ ہوا، کاہنوں سے تعبیر دریافت کی۔ انھوں نے کہا: اس سال تیری قلمرو میں ایک فرزند پیدا ہوگا جو تیری زوال کا باعث ہوگا اور تیرے

دین والے اس کے ہاتھ سے ہلاک ہوں گے۔ یہ خبر سن کر نمرود بہت پریشان ہوا، اور یہ عام حکم دے دیا کہ جو بچہ پیدا ہو، وہ قتل کر ڈالا جائے۔ چنانچہ ایک لاکھ بچے بے گناہ قتل کردیے گئے اور ساتھ ہی یہ حکم بھی دیا کہ مرد، خواتین سے علیحدہ رہیں، کوئی مرد عورت کے پاس نہ جائے۔ اس کی نگہبانی کے لیے ایک محکمہ قائم کیا گیا۔ مگر تقدیرات الٰہیہ کو کون ٹال سکتا ہے۔ لِيَقْضِيَ اللّٰهُ أَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا. اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہو کر رہتا ہے۔

غرض کہ اتنے بڑے انتظام کے باوجود سیدنا ابراہیم علیہ السلام اپنی والدہ کے شکم اقدس میں جلوہ گر ہوگئے اور کاہنوں نے نمرود کو خبر دی کہ وہ بچہ حمل میں آگیا ہے لیکن چوں کہ حضرت کی والدہ ماجدہ کی عمر کم تھی، ان کا حمل کسی سے نہ پہچانا گیا۔ جب زمانۂ ولادت قریب ہوا، تو آپ کی والدہ ماجدہ اس تہہ خانے میں چلی گئیں جو آپ کے والد نے شہر سے دور کھود کر تیار کیا تھا۔ وہاں آپ کی ولادت باسعادت ہوئی، اور وہیں آپ رہے۔ پتھروں سے اس تہہ خانے کا دروازہ بند کردیا جاتا تھا۔ روزانہ والدہ صاحبہ تشریف لاتیں اور دودھ پلا جاتیں۔ جب آپ کے پاس آتیں تو دیکھتی تھیں کہ آپ اپنی انگشت چوس رہے ہیں۔

معارج النبوۃ میں ہے کہ آپ کی ایک انگشت سے پانی اور ایک سے دودھ اور ایک سے شہد خالص اور ایک سے گھی نکلتا تھا۔ (عرائس المجالس، صفحہ: 46)

آپ بہت جلد بڑھ رہے تھے۔ ایک ماہ میں اتنا بڑھتے تھے جتنا کہ دوسرے بچے ایک سال میں بڑھتے ہیں۔ اس میں اختلاف ہے کہ آپ تہہ خانے میں کتنے عرصے تک رہے۔ بعض کہتے ہیں سات سال، بعض کہتے ہیں تیرہ سال اور بعض کے نزدیک سترہ سال۔ لیکن یہ مسئلہ یقینی ہے کہ انبیا علیہم السلام ہر حال میں معصوم ہوتے ہیں اور وہ اپنی ابتدائی ہستی کے تمام اوقات وجود میں عارف باللہ ہوتے ہیں۔

ایک روز سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اپنی والدہ سے دریافت کیا کہ میرا رب (پالنے والا) کون ہے؟ انھوں نے کہا: میں! فرمایا: تمہارا رب کون ہے؟ انھوں نے کہا: تمہارے والد ماجد۔ فرمایا: ان کا رب کون ہے؟ والدہ نے فرمایا: خاموش رہو اور اپنے شوہر سے جا کر کہا کہ جس لڑکے کی نسبت یہ مشہور ہے کہ وہ زمین والوں کے دین کو بدل دے گا، وہ اپنا ہی فرزند ہے اور آپ کی

ساری گفتگو اپنے شوہر کو سنادی۔ جب آپ تہ خانے سے باہر تشریف لائے اور سورج غروب ہوا اور آسمان پر مشتری یا زہرہ ستارہ طلوع ہوا، تو قوم کے سامنے باطل پرستی اور توحید پر استدلال فرمایا۔ اس استدلال کو قرآن پاک میں یوں بیان کیا گیا ہے: فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ اللَّيْلُ رَاٰى كَوْكَبًا قَالَ هٰذَا رَبِّيْ فَلَمَّاۤ اَفَلَ قَالَ لَاۤ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ۔ (پارہ:7، آیت:76)

ترجمہ: پھر جب ان پر رات کا اندھیرا آیا، ایک تارہ مشتری یا زہرہ دیکھا، فرمایا کہ اسے میرا رب ٹھہراتے ہو۔ پھر جب وہ ڈوب گیا، تو فرمایا کہ مجھے ڈوبنے والے پسند نہیں۔

فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّيْ فَلَمَّاۤ اَفَلَ قَالَ لَىِٕنْ لَّمْ يَهْدِنِيْ رَبِّيْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّاۤلِّيْنَ۔ (پارہ:7، آیت:77)

ترجمہ: پھر جب چاند چمکتا دیکھا، بولے کہ اسے میرا رب بتاتے ہو۔ پھر جب وہ ڈوب گیا تو فرمایا کہ اگر میرا رب مجھے ہدایت نہ دیتا، تو میں بھی ان ہی گمراہوں میں ہوتا۔

فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّيْ هٰذَاۤ اَكْبَرُ فَلَمَّاۤ اَفَلَتْ قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّيْ بَرِيْۤءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ۔ (پارہ:7، آیت:78)

ترجمہ: پھر جب سورج جگمگاتا دیکھا تو بولے کہ اسے میرا رب کہتے ہو، یہ تو ان سب سے بڑا ہے۔ پھر جب وہ ڈوب گیا، تو فرمایا کہ اے میری قوم! میں بیزار ہوں ان چیزوں سے جنھیں تم شریک ٹھہراتے ہوئے۔

اور فرمایا: اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَاۤ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ۔ (پارہ:7، آیت:79)

ترجمہ: بے شک میں نے اپنا منھ اس کی طرف کیا ایک اسی کا ہو کر جس نے آسمان وزمین بنائے، اور میں مشرکوں میں نہیں۔

القصہ! سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے ثابت کردیا کہ ستاروں میں چھوٹے سے بڑے تک کوئی رب ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتا، ان کا معبود ہونا باطل محض ہے اور قوم جس شرک میں مبتلا ہے، آپ نے اس سے بیزاری کا اظہار کیا۔ آپ کا چچا آذر بت گر تھا۔ بت گری میں اپنا ثانی نہ رکھتا تھا اور اُس کے بنے ہوئے بت بازار میں بڑی قیمت پاتے تھے۔ آذر، حضرت ابراہیم علیہ

السلام کو بت دیتا تھا تاکہ اس کو بازار میں فروخت کر آئیں۔ آپ بت کو اپنے پیچھے کھینچتے ہوئے گلی کوچے اور بازار میں لے آتے اور فرماتے: مَنْ يَّشْتَرِيْ مَا لَا يَضُرُّ وَلَا يَنْفَعُ. یعنی اس بت کو کون خریدے گا جو نہ اسے ضرر دے اور نہ ہی نفع۔ کوئی شخص بھی آپ سے بت نہ خریدتا۔ راستے میں جب کوئی نہر آتی، تو بت کا سر پانی میں ڈبو کر فرماتے: اِشْرَبِيْ اِشْرَبِيْ. پی لو، پی لو۔ دیکھنے والے ان باتوں کو اقتضائے عمر سمجھ کر مسکراتے اور کچھ نہ کہتے۔ مگر حقیقت میں آپ کا یہ ایک اہم تبلیغی درس ہوتا تھا۔ جب بت کو واپس گھر لے آتے تو آذر پوچھتا کہ اسے فروخت نہیں کیا۔ فرماتے: چچا تمہارے بتوں کا بازار بہت کاسد اور بے رونق ہے، لوگ اسے نہیں خریدتے۔ آذر کہتا: شاید تو اس کی تعریف نہیں کرتا اور ہمارے شہر کے لوگ اس چیز کو نہیں خریدتے جس کی تعریف نہ کی جائے۔ آپ فرماتے: چچا میں ان کی تعریف کیسے کروں جو کانوں سے بہرے ہیں، کوئی بات نہیں سن سکتے، آنکھوں سے اندھے ہیں، کسی چیز کو دیکھ نہیں سکتے اور اتنے عاجز ہیں کہ اپنے آپ سے مکھی تک نہیں اڑا سکتے۔ پھر چچا کو خدا پرستی کی تبلیغ کرتے ہیں:

يٰۤاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِيْ عَنْكَ شَيْـًٔا.

ترجمہ: اے چچا! ایسے کو کیوں پوجتے ہو جو نہ سنتا ہے، نہ دیکھتا ہے اور نہ ہی تجھ سے کسی مصیبت کو دفع کرسکتا ہے۔

آذر لاجواب ہوگیا اور کہا کہ اے ابراہیم! اگر یہ بت تیری رسالت اور تیرے خدا کی وحدانیت کی گواہی دیں، تو میں تیرے ساتھ ایمان لے لاؤں گا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے، تو تمام بتوں سے یہ آواز آئی: لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اِبْرَاهِيْمُ خَلِيْلُ اللّٰهِ. آذر نے یہ معجزہ دیکھ کر کہا کہ اے ابراہیم! تو بڑا جادوگر ہے اور ایمان نہ لایا۔ (معارج النبوۃ، صفحہ:319)

اس قوم کا سال میں ایک عید کا دن ہوتا تھا۔ وہ عید کی صبح کو قسم قسم کے کھانے پکوا کر عمدہ عمدہ لباس لے کر بت خانے جاتے اور اپنے بتوں کے سامنے رکھتے اور ان کو سجدہ کرتے۔ پھر عید گاہ میں لہو ولعب میں مشغول رہتے تھے۔ واپسی کے وقت بت خانے میں جاتے اور وہ کھانا بطور تبرک کھاتے اور بتوں کی پوجا پاٹ کرکے واپس اپنے گھروں میں آجاتے، تو ان لوگوں نے کہا کہ کل ہماری عید ہے۔ آپ وہاں چلیں اور دیکھیں کہ ہمارے طریقے میں کیا کیا بہار ہے اور کیسے لطف

آتے ہیں؟ جب عید کا دن آیا تو آپ کو اُن لوگوں نے عید منانے کی دعوت دی۔ فَنَظَرَ نَظْرَةً فِي النُّجُومِ فَقَالَ: إِنِّي سَقِيمٌ. یعنی آپ نے اپنی نگاہ ستاروں کی طرف اٹھائی اور فرمایا کہ میں بیمار ہونے والا ہوں۔ اس وقت لوگ علم نجوم کے بڑے معتقد تھے،تو اُن لوگوں نے آپ کی اس حرکت سے سمجھا کہ حضرت ابراہیم نے ستاروں سے اپنے بیمار ہونے کا حال معلوم کرلیا ہے۔اب یہ کسی متعدی مرض میں مبتلا ہونے والے ہیں اور وہ متعدی مرض سے بہت ڈرتے تھے۔ فَتَوَلَّوْا عَنْهُ مُدْبِرِينَ. چنانچہ ان لوگوں نے آپ سے منھ پھیرلیا۔پھر باقی ماندہ اور کمزور لوگ جو آہستہ آہستہ جارہے تھے، انھیں دیکھ کر آپ نے فرمایا: تَاللَّهِ لَأَكِيدَنَّ أَصْنَامَكُمْ بَعْدَ أَنْ تُوَلُّوا مُدْبِرِينَ. (سورۂ انبیا:57) یعنی واللہ! میں تمہارے بتوں کا برا چاہوں گا جب تم ان سے پیٹھ پھیر کر چلے جاؤگے۔اس کو بعض لوگوں نے سن لیا تھا۔ (معارج النبوۃ،صفحہ:321)

چنانچہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دیکھا کہ بت خانہ لوگوں سے خالی ہو چکا ہے، بت خانے میں تشریف لے گئے۔دیکھا کہ بتوں کے آگے قسم قسم کے کھانے اور رنگارنگ شراب پڑے ہوئے ہیں۔یہ دیکھ کر فرمایا: مَا لَكُمْ لَا تَنْطِقُونَ. یعنی تمھیں کیا ہوا کہ بولتے نہیں؟

پھر آپ نے ایک کلہاڑی لی اور بتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کردیا،لیکن ایک بڑے بت کو چھوڑ دیا اور اس کے کندھے پر تبر رکھ دی،پھر بت خانے سے چلے آئے۔قرآن مجید نے اس واقعے کو یوں بیان فرمایا: فَجَعَلَهُمْ جُذَاذًا إِلَّا كَبِيرًا لَهُمْ لَعَلَّهُمْ إِلَيْهِ يَرْجِعُونَ. یعنی ایک بڑے بت کو چھوڑ کر باقی تمام بتوں کو چور چور کردیا،تاکہ وہ اس کی طرف لوٹیں تو دیکھیں۔جب لوگ اپنے کھیل تماشے سے فارغ ہوکر بت خانے میں واپس آئے تو دیکھا کہ بت پارہ پارہ ہیں،شور وفغاں بلند کیا: قَالُوا مَنْ فَعَلَ هَذَا بِآلِهَتِنَا إِنَّهُ لَمِنَ الظَّالِمِينَ. یعنی بولے کہ کس نے ہمارے خداؤں کے ساتھ یہ سلوک کیا ہے؟ بے شک وہ بڑا ظالم ہے۔ قَالُوا سَمِعْنَا فَتًى يَذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهُ إِبْرَاهِيمُ. یعنی ان میں کچھ بولے کہ ہم نے ایک جوان ابراہیم کو برا کہتے ہوئے سنا تھا،اس نے کہا تھا: تَاللَّهِ لَأَكِيدَنَّ أَصْنَامَكُمْ. یعنی میں تمہارے بتوں کا برا چاہوں گا۔جب یہ واقعہ نمرود مردود اور اشراف قوم تک پہنچا تو نمرود اور ارکان سلطنت نے کہا: فَأْتُوا بِهِ عَلَى أَعْيُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُونَ. یعنی اسے لوگوں کے سامنے لاؤ،شاید وہ گواہی دیں۔مطلب یہ تھا کہ شہادت قائم ہو تو آپ کے

درپے ہوں۔سپاہی گئے اور حضرت ابراہیم کو دربار نمرود میں لے آئے۔نمرود کے دربار کی حاضری کا طریقہ یہ تھا کہ جو شخص دربار میں حاضر ہوتا،سب سے پہلے نمرود کو سجدہ کرتا،پھر گفت وشنید ہوتی۔حضرت ابراہیم نے اس طریقے کی رعایت نہ کی اور نمرود ظالم وسرکش کے سامنے نہ جھکے،تو اس نے پوچھا: مجھے سجدہ کیوں نہیں کیا؟ آپ نے فرمایا: میں اپنے پروردگار کے علاوہ کسی کو سجدہ نہیں کرتا۔نمرود نے کہا: تیرا رب کون ہے؟ آپ نے فرمایا: رَبِّيَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ قَالَ أَنَا أُحْيِي وَأُمِيتُ. یعنی میرا رب وہ ہے جو جلاتا اور مارتا ہے۔نمرود بولا کہ میں بھی جلاتا اور مارتا ہوں۔ چنانچہ نمرود نے دو قیدیوں کو بلایا،ایک کو قتل کیا،دوسرے کو چھوڑ دیا اور کہنے لگا کہ دیکھ لو! میں بھی جلاتا اور مارتا ہوں۔وہ نادان یہ نہ سمجھا کہ احیا تو نئے سرے سے حیات دینا ہے نہ کہ حیات پہلی کو باقی رکھنا۔یہاں جس کو چھوڑا ہے وہ تو پہلے ہی سے زندہ ہے۔ایسا ہی مارنا کو نہ سمجھا کہ مارنا روح قبض کرنا ہے،بغیر قتل وغیرہ کے،اور جس کو اس نے قتل کیا روح کب قبض کیا،بلکہ روح قبض کرنے والا رب العالمین ہے۔تاہم نمرود کی یہ بات اذہان قاصرہ کو دھوکا دے سکتی تھی،اس لیے حضرت ابراہیم نے ایک اور حجت قائم فرمائی: قَالَ إِبْرَاهِيمُ فَإِنَّ اللَّهَ يَأْتِي بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَأْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ. یعنی حضرت ابراہیم نے فرمایا کہ اللہ وہ ہے جو مشرق سے سورج نکالتا ہے۔(اگر تو خدا ہے تو) سورج مغرب سے نکال دے۔یہ سن کر نمرود مبہوت رہ گیا۔ارشاد باری ہے فَبُهِتَ الَّذِي كَفَرَ. یعنی کافر کے ہوش اڑ گئے۔

روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل کو بھیج کر فرمایا کہ اگر وہ لعین کہے کہ سورج مشرق سے میں نکالتا ہوں تو مغرب سے نکال دے،تو اے جبرئیل! تم سورج کو مغرب سے نکال دینا،تاکہ میرے خلیل کی بات جھوٹی نہ ہو۔ (معارج النبوۃ،صفحہ:322)

جب وہ اس مناظرے میں فیل ہوگیا تو اصل بات کی طرف لوٹا اور کہا: أَأَنْتَ فَعَلْتَ هَذَا بِآلِهَتِنَا يَا إِبْرَاهِيمُ. اے ابراہیم! کیا ہمارے خداؤں کے ساتھ تم نے یہ سلوک کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: بَلْ فَعَلَهُ كَبِيرُهُمْ هَذَا. بلکہ ان کے اس بڑے نے کیا ہوگا۔(کیوں کہ کلہاڑی اسی کی گردن پر ہے،ممکن ہے اسے غصہ آگیا ہوگا کہ میری موجودگی میں تم چھوٹے بتوں کو کیوں پوجتے ہو؟) پھر فرمایا: فَاسْأَلُوهُمْ إِنْ كَانُوا يَنْطِقُونَ. ان سے ہی پوچھ لو اگر یہ بولتے ہیں،یعنی

یہ خود بتائیں کہ ان کے ساتھ یہ سلوک کس نے کیا ہے؟ مدعا یہ تھا کہ قوم غور کرے کہ جو بول نہیں سکتا، کچھ کر نہیں سکتا، وہ خدا کیسے ہو سکتا، اسی لیے بتوں کی خدائی کا اعتقاد باطل ہے۔ کیوں کہ یہ اتنے مجبور ہیں جو اپنے کندھوں سے کلہاڑی یا بسولہ نہیں ہٹا سکتے، پھر وہ اپنے پجاری کو کیسے بچا سکتے ہیں اور اس کے کیا کام آ سکتے ہیں؟

فَرَجَعُوْۤا اِلٰۤی اَنْفُسِهِمْ فَقَالُوْۤا اِنَّكُمْ اَنْتُمُ الظّٰلِمُوْنَ۔ پھر وہ لوگ اپنے نفس (کفر) کی طرف پلٹے اور کہا کہ بے شک تم ہی ظالم ہو۔ ثُمَّ نُكِسُوْا عَلٰی رُءُوْسِهِمْ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰۤؤُلَآءِ یَنْطِقُوْنَ۔ پھر ان کی عقل ماری گئی اور کلمہ حق سننے کے بعد بھی وہ کہنے لگے کہ تمھیں خوب معلوم ہے کہ وہ بولتے نہیں۔ یہ سن کر حضرت ابراہیم نے کہا: اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَنْفَعُكُمْ شَیْــٴًـا وَّلَا یَضُرُّكُمْ۔ اُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ۔ اللہ کے سوا ایسے کو پوجتے ہو جو نہ تمھیں نفع دے اور نہ نقصان پہنچائے۔ تف ہے تم پر اور ان بتوں پر جن کو اللہ کے سوا پوجتے ہوں۔ کیا تمھیں یہ سمجھ نہیں؟ (کہ بت پوجنے کے قابل نہیں)۔ جب نمرود اور اس کی قوم پر حجت تمام ہوگئی تو وہ لاجواب ہو گئے اور بڑے شرمندہ ہوئے، اور اپنی شرمندگی دور کرنے کے لیے آپس میں مشورہ کرنے لگے، پھر حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو قید کر دیا۔

***

دوسرا وعظ

سیدنا ابراہیم کو آگ میں ڈالا جانا

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔

قَالُوْا حَرِّقُوْهُ وَانْصُرُوْۤا اٰلِهَتَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِیْنَ۔ (پارہ:17)

ترجمہ: بولے کہ اس کو جلا دو اور اپنے خداؤں کی مدد کرو، اگر تمھیں کچھ کرنا ہے۔

جب حضرت ابراہیم کو قید کر دیا گیا تو نمرود نے ارکان سلطنت اور خواص بارگاہ کو بلایا اور آپ کے متعلق مشورہ کیا۔ مشورہ میں طے ہوا کہ آپ کو زندہ آگ میں ڈال کر جلا دیا جائے۔ اسی کو قرآن مجید میں یوں فرمایا گیا ہے: قَالُوْا حَرِّقُوْهُ وَانْصُرُوْۤا اٰلِهَتَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِیْنَ۔

یعنی بولے کہ ابراہیم کو جلا دو اور اپنے خداؤں کی مدد کرو، اگر تمھیں کچھ کرنا ہے۔

سبحان اللہ! مسلمانوں کا خدا تو مسلمانوں کی مدد کرے اور یہ باطل پرست اپنے جھوٹے خداؤں کی مدد کرتے ہیں اور خود ان کے خدا ان کی مدد سے عاجز ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے جلانے کا جس شخص نے مشورہ دیا تھا وہ ہینون نامی قبیلہ کا ایک شخص تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو یہ سزا دی کہ اس کو زمین میں دھنسا دیا۔ (عرائس المجالس، صفحہ:76)

نمرود مردود نے حکم دیا کہ ایک پتھروں کی چہار دیواری تیار کی جائے اور اس کو لکڑیوں سے بھر دیا جائے۔ قرآن مجید میں ہے: قَالُوا ابْنُوْا لَهٗ بُنْیَانًا فَاَلْقُوْهُ فِی الْجَحِیْمِ۔ (پارہ:23)

یعنی بولے کہ اس کے لیے ایک عمارت بناؤ، پھر اسے بھڑکتی آگ میں ڈال دو۔

چنانچہ انھوں نے پتھر کی تیس گز لمبی اور بیس گز چوڑی ایک چہار دیواری تیار کی، پھر ایک منادی نے ندا کی کہ نمرود کا حکم ہے کہ ہر صغیر و کبیر مرد و عورت اس چہار دیواری میں لکڑیاں جمع کریں۔ جو اس حکم کی نافرمانی کرے گا اس کو ابراہیم کے ساتھ آگ میں ڈالا جائے گا۔

لوگوں نے حضرت ابراہیم کی دشمنی اور نمرود کو خوش کرنے کے لیے لکڑیاں جمع کرنا شروع کر دیں اور اس جوش و خروش سے جمع کیں کہ عورتوں نے جو بیمار تھیں نذر مانی کہ اگر ہمیں صحت ہوئی تو ہم ابراہیم کے جلانے کے لیے اس چہار دیواری میں لکڑیاں جمع کریں گے۔ اس طرح ایک پورے ماہ لکڑیاں جمع ہوتی رہیں۔ پھر جب چہار دیواری لکڑیوں سے بھر گئی، تو اُن میں آگ لگا دی گئی۔ آگ کے شعلے اتنے مشتعل ہوئے کہ اگر کوئی پرندہ وہاں سے ہوا میں پرواز کرتا تو جل کر راکھ ہو جاتا۔ (عرائس المجالس، صفحہ:67)

نمرود کو اطلاع دی گئی کہ عالی جاہ! آگ اب پورے زوروں پر ہے۔ نمرود نے حکم دیا کہ ابراہیم کے پاؤں میں بیڑیاں اور ہاتھوں میں ہتھکڑیاں اور گلے میں طوق پہنا کر قید خانے سے باہر نکال کر یہاں لایا جائے۔ جب حضرت خلیل اللہ کو نمرود کے پاس لایا گیا تو نمرود نے کہا: اے ابراہیم! اب بھی وقت ہے، اس بھڑکتی ہوئی آگ سے بچ سکتے ہو، صرف میری خدائی کا اقرار کر لو اور اپنے دین کو چھوڑ دو۔ یہ سن کر آپ نے تبسم فرمایا اور کہا: نمرود! تو مجھے آگ سے ڈراتا ہے، مجھے آگ کا کوئی خوف نہیں، کیوں کہ آگ زر خالص کو نہیں جلا سکتی۔ نمرود نے حکم دیا کہ ان کو آگ میں ڈال دیا جائے۔ چوں کہ آگ کی تیزی اس حد تک تھی کہ کوئی انسان آگ کے قریب نہیں جا سکتا تھا۔ کفار متحیر تھے کہ ابراہیم کو کیسے آگ میں ڈالا جائے، اِتنے میں ابلیس بزرگانہ لباس میں ایک بڑی چادر اوڑھے ہوئے نمرود کے سامنے حاضر ہوا۔ نمرود نے پوچھا؟ تم کون ہو اور کہاں سے آئے ہو؟ شیطان نے کہا کہ بڑی مدت سے تیری خدمت میں مشغول ہوں اور تیرے لیے دعا کرتا ہوں۔ میں نے سنا ہے کہ ایک جادوگر آیا ہوا ہے اور تیرا دین بدلنا چاہتا ہے اور تو نے اس کو جلانے کا ارادہ کیا ہے، مگر تیرے ملازمین آگ کی تیزی کی وجہ سے ابراہیم کو آگ میں پھینکنے سے عاجز آ گئے ہیں۔ میں اس لیے حاضر ہوا ہوں کہ اس کو آگ میں ڈالنے کا طریقہ بتا دوں۔ نمرود نے اس لعین کے آنے کو مبارک خیال کیا اور اس کی بڑی تحسین کی۔ ابلیس لعین نے دوزخ کے دروازے پر منجنیق بنی ہوئی دیکھی تھی اور اس کے بنانے کا طریقہ جانتا تھا۔

الغرض ابلیس کے بتانے سے ایک منجنیق تیار کی گئی۔ پھر حضرت ابراہیم کے پاؤں میں بیڑیاں، ہاتھوں میں ہتھکڑیاں اور گلے میں طوق ڈال کر منجنیق میں رکھا گیا۔ یہ نظارہ کائنات دیکھ

رہی ہے، آسمان دیکھ رہا ہے، زمین اور پہاڑ دیکھ رہے ہیں۔ تمام فرشتے دیکھ رہے ہیں۔ آسمان و زمین، پہاڑ اور تمام فرشتے اس نظارے سے متاثر ہو کر رونے لگے اور بارگاہ الٰہی میں یوں عرض کرنے لگے: یا اللہ! تمام روئے زمین پر صرف ایک ہی تیرا بندہ ہے جو تیری عبادت کرتا ہے اور تجھے یکتا سمجھتا ہے۔ اس کو اَب نہایت بے دردی سے آگ میں ڈالا جا رہا ہے۔ اگر اجازت ہو تو ہم اس کی مدد کریں۔ فرمان الٰہی ہوا، اگر وہ تم سے مدد چاہتا ہے تو اس کی مدد کرو۔ اگر میرے سوا کسی کو نہیں چاہتا ہے تو میں اسے خوب چاہتا ہوں اور اس کی حالت کو جانتا ہوں۔ خَلُّوْا بَیْنِیْ وَبَیْنَهٗ۔ میں اس کا ہوں اور وہ میرا ہے، تم اس میں دخل نہ دو۔

جب نمرود نے آپ کو آگ میں ڈالنا چاہا تو آپ کے پاس پانی کا فرشتہ آیا اور عرض کیا کہ اے ابراہیم! میرے قبضے میں پانی کے جملہ خزائن ہیں، اگر چاہو تو پانی سے ان بدبختوں کو غرق کر دوں، اگر حکم ہو تو یہ آگ آناً فاناً بجھا دوں۔ پھر آپ کے پاس ہوا کا فرشتہ آیا۔ عرض کرنے لگا: اے ابراہیم! اگر حکم ہو تو اِس آگ کو اڑا کر اُن پر ڈال دوں اور یہ نیست و نابود ہو جائیں۔ آپ نے ان دونوں کو ایک ہی جواب دیا: خَلُّوْا بَیْنِیْ وَبَیْنَ خَلِیْلِیْ حَتّٰی یَفْعَلَ مَا یَشَاءُ۔ تم کون ہوتے ہو میرے میرے خلیل کے درمیان دخل دینے والے، جو اُس کی مرضی ہے وہ کرے گا، ابراہیم ہر طرح راضی ہے۔ (عرائس المجالس، صفحہ:67)

اب ظالموں نے آپ کو بذریعے منجنیق آگ میں پھینک دیا۔ آپ منجنیق سے جدا ہو کر آگ کے قریب پہنچ رہے ہیں کہ حضرت جبرئیل حاضر خدمت ہوئے اور عرض کیا: یَا اِبْرَاهِیْمُ لَكَ حَاجَةٌ، پیارے ابراہیم! کوئی حاجت ہو تو بتائیں؟ خادم حاضر ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا: نَعَمْ اَمَّا اِلَیْكَ فَلَا۔ حاجت تو ہے مگر تیری کوئی حاجت نہیں۔ جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا: اچھا جس سے حاجت ہے، اسی سے طلب کریں، کیوں کہ آگ تو بالکل قریب آ گئی ہے۔ آپ نے فرمایا: عِلْمُهٗ بِحَالِیْ حَسْبِیْ مِنْ سُؤَالِیْ۔ جس سے حاجت ہے وہ خوب جانتا ہے، اُسے بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اب آپ آگ کے قریب پہنچ گئے ہیں۔ رب الارباب کا فوراً حکم ہوا:

یٰنَارُ كُوْنِیْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰۤى اِبْرٰهِیْمَ۔ اے آگ! میرا خلیل تجھ میں تشریف لا رہا ہے، خبردار! اس کو مت جلانا اور ٹھنڈی اور سلامتی والی بن جانا۔ آگ یہ حکم خدا سن کر ٹھنڈی ہو کر گلزار

بن گئی، بلکہ تمام روئے زمین کی آگ بجھ گئی۔ یہ سمجھ کر کہ شاید یہ حکم ہم ہی کو ہوا ہے۔ اب وہ تمام چہار دیواری جو اس سے قبل آتش کدہ بنی ہوئی تھی، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی برکت سے باغ بن گئی۔ تمام لکڑیاں کچھ ریاحین، کچھ نسرین کچھ نرگس اور کچھ ارغوان بن گئیں۔ ان میں شگوفے اور کلیاں نکل آئیں۔ میوے لگ گئے۔ پانی کے چشمے جاری ہو گئے۔ بلبلیں اور قمریاں اپنے اپنے نغمے گانے لگیں۔ حضرت خلیل علیہ السلام کو ریشمی قمیض پہنا کر تخت بہشتی پر بٹھایا گیا۔ حضرت جبرئیل آپ کے دائیں طرف اور حضرت میکائیل بائیں جانب بیٹھ گئے اور ایک فرشتہ پنکھا لے کر آپ کو ہلانے لگا۔ (معارج النبوۃ، صفحہ:326)

نمرود مردود بلند مکان پر چڑھ کر دیکھنے لگا۔ اس لعین کا خیال تھا کہ آپ ہلاک ہو گئے ہوں گے۔ جب اُس نے نگاہ کی، تو دیکھا کہ تمام آتش کدہ گلزار بنا ہوا ہے اور حضرت ابراہیم فرشتوں کے جھرمٹ میں تخت پر جلوہ گر ہیں۔ پوچھا: اے ابراہیم! کس طرح اس آگ سے بچ کر اس ناز و نعمت میں پہنچ گئے ہو؟ فرمایا: هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّيْ۔ (معارج النبوۃ، صفحہ:327)

یہ واقعہ دیکھ کر حضرت لوط جو آپ کے بھتیجے تھے اور حضرت سارہ جو آپ کی چچی کی بیٹی تھی ایمان لے آئیں۔ معارج النبوۃ میں ہے کہ رغفہ نمرود کی بیٹی بھی ایمان لائی تھی۔ اس کے ایمان لانے کی تفصیل یہ ہے:

نمرود کی بیٹی کا ایمان لانا

جب سیدنا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو آگ میں ڈالا گیا، تو نمرود کی بیٹی رغفہ نے باپ سے کہا: ابا جان! چند روز سے ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا ہے، اجازت ہو تو چھت پر چڑھ کر دیکھوں کہ اس کا کیا حال ہوا ہے۔ نمرود نے کہا: بیٹی! وہ جل کر خاکستر ہو گیا ہوگا، پھر اجازت مانگی تو نمرود نے اجازت دے دی۔ جب رغفہ نے بلند چھت پر چڑھ کر دیکھا تو حضرت خلیل تخت بہشتی پر جلوہ افروز ہیں اور تمام آتش کدہ گلزار بنا ہوا ہے۔ رغفہ نے کہا: اے ابراہیم! کیا وجہ ہے کہ آگ نے تجھے نہیں جلایا؟ آپ نے فرمایا: مَنْ كَانَ فِيْ قَلْبِهٖ مَعْرِفَةُ اللّٰهِ لَا تُحْرِقُهُ النَّارُ۔ جس کے دل میں معرفت الٰہی ہوتی ہے، آگ اس کو نہیں جلاتی۔ یہ سن کر رغفہ نے کہا: اے ابراہیم! کیا مجھے بھی

اجازت ہے کہ آگ میں آپ کے پاس حاضر ہوں۔ آپ نے فرمایا: لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اِبْرَاهِیْمُ خَلِیْلُ اللّٰهِ۔ پڑھ کر آگ میں چلی آؤ اور کوئی خوف نہ کرو۔ رغفہ نے مکان کی بلندی سے کلمہ پڑھتے ہوئے آگ میں چھلانگ لگا دی اور حضرت خلیل کے پاس پہنچ گئی اور اپنے ایمان کو تازہ کیا اور پھر سلامتی سے اپنے باپ کے پاس چلی گئی۔

جب نمرود نے اپنی بیٹی کا ایمان اور پھر اس کا بلند مکان سے زمین پر آنا اور آگ میں گرنا، اور سلامت رہنا مشاہدہ کیا، تو وہ بڑا متعجب ہوا، مگر لوگوں کی ملامت سے ڈرتے ہوئے اپنے دین باطل پر قائم رہا، اگرچہ اس کے سامنے حضرت ابراہیم کے دین کی حقانیت آفتاب سے زیادہ ظاہر ہو چکی تھی۔ پہلے تو لڑکی کو شفقت سے کہا کہ اس دین براہیمی سے پھر جائے۔ مگر دختر نیک اختر اپنے سچے دین سے نہ پھری، تو اَب اس کو تکلیف پہنچانے کا ارادہ کیا اور دونوں ہاتھوں اور پاؤں کو مضبوطی سے باندھ کر سخت دھوپ میں گرم ریت پر لٹا دیا۔ ادھر دریائے رحمت جوش میں آیا اور حکم ہوا: اے جبرئیل! میری بندی کو دشمنوں کے ہاتھوں سے چھڑا کر میرے خلیل کے پاس پہنچا دو۔ چنانچہ حضرت جبرئیل نے رغفہ کو اس مصیبت سے چھڑا کر حضرت خلیل کے پاس پہنچا دیا۔ کچھ مدت کے بعد حضرت خلیل نے اس کا نکاح اپنے بیٹے مدین کے ساتھ کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس سعادت مند لڑکی سے بیس فرزند بطناً بعد بطنٍ پیدا فرمائے، جو سب کے سب مسند نبوت پر فائز ہوئے۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى ذٰلِكَ۔ (معارج النبوۃ، صفحہ:337)

حضرت خلیل علیہ السلام کا ہجرت کرنا

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بابل سے شام کی طرف ہجرت فرمائی، تو آپ کے ہمراہ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔ پہلے آپ حرّان میں مقیم ہوئے۔ کچھ دن کے بعد مصر کی طرف ہجرت فرمائی، وہاں کا بادشاہ بڑا ظالم اور فاسق تھا۔ اس کی عادت تھی کہ جس کسی کی شادی ہوتی، وہ دلہن اس کے سامنے پیش کی جاتی۔ اگر اُسے پسند آتی تو وہ اپنے پاس رکھ لیتا، ورنہ واپس بھیج دیتا۔ اس بد بخت نے ہر راستے پر چوکیدار مقرر کیے ہوئے تھے کہ آنے والے مسافروں میں اگر کوئی حسینہ جمیلہ مل جائے تو اُسے بادشاہ کے پاس بھیج دیا جائے۔ حضرت ابراہیم کے ساتھ آپ

کی بیوی حضرت سارہ رضی اللہ عنہا تھیں جو سب عورتوں سے حسین وجمیل تھیں۔ مخبر نے خبر دی کہ ایک مسافر کے ہمراہ ایک عورت ہے جو حسن وجمال میں بے نظیر ہے۔ ظالم بادشاہ نے حضرت ابراہیم کے پاس اپنے آدمی بھیجے جو بلا کر آپ کو ظالم کے پاس لے گئے۔ وہ ظالم حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کو دیکھ کر فریفتہ ہوگیا۔ پوچھنے لگا: یہ عورت تیری کیا لگتی ہے؟ آپ نے اس خوف سے کہ اگر میں بیوی بتادوں تو کہیں قتل نہ کر ڈالیں، فرمایا کہ یہ میری بہن ہے۔ یعنی دینی بہن ہے اور دین میں تمام اہل دین بھائی بہن ہوتے ہیں۔ ظالم، حضرت سارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو کمرہ میں لے گیا، آپ کمرے کے باہر تھے کہ اللہ رب العزت جل وعلا نے کمرے کو شیشے کی طرح کردیا جس سے آپ کو کمرے کے اندر کے تمام حالات نظر آنے لگے۔ جب ظالم نے خیال فاسد سے اپنا ہاتھ حضرت سارہ خاتون رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طرف دراز کیا تو اُس کا ہاتھ شل ہوگیا۔ ظالم نے مجبور ہوکر آپ سے دعا کی درخواست کی۔ آپ نے دعا فرمائی تو اُس کا ہاتھ درست ہوگیا۔ پھر شیطانی وسوسے میں آکر اس نے آپ کی طرف ہاتھ بڑھایا اور پھر حسب دستور اس کا ہاتھ شل ہوگیا۔ وہ کہنے لگا کہ میرے لیے دعا کرو۔ اللہ کی قسم! اَب میں آپ کو کوئی تکلیف نہ دوں گا۔ آپ نے دعا کی: الٰہی! اگر یہ سچا ہے تو اس کا ہاتھ درست فرمادے۔ پھر اس کا ہاتھ درست ہوگیا۔ یہ سارا منظر حضرت خلیل اللہ کمرے کا حال باہر سے ملاحظہ فرمارہے تھے۔ بادشاہ نے حضرت سارہ خاتون رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی یہ کرامت دیکھ کر اپنی ایک نیک بخت باندی حضرت ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا عنایت کی اور آپ کو حضرت خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سپرد کردیا۔ (عرائس المجالس، صفحہ:70)

آپ نے وہاں سے ملک شام میں تشریف لاکر ارض مقدس میں سکونت اختیار فرمائی۔

ادھر حضرت سارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کوئی اولاد نہیں ہوئی تھی، اس لیے آپ نے اپنی لونڈی حضرت ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضرت خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بخش دی۔

☆☆☆

تیسرا وعظ

حضرت اسمٰعیل کی ولادت اور قربانی

أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ۔

فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يَا بُنَيَّ إِنِّي أَرَىٰ فِي الْمَنَامِ أَنِّي أَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرَىٰ قَالَ يَا أَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِي إِنْ شَاءَ اللّٰهُ مِنَ الصَّابِرِينَ۔ فَلَمَّا أَسْلَمَا وَتَلَّهُ لِلْجَبِينِ۔ وَنَادَيْنَاهُ أَنْ يَا إِبْرَاهِيمُ۔ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا إِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ۔ إِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلَاءُ الْمُبِينُ۔ وَفَدَيْنَاهُ بِذِبْحٍ عَظِيمٍ۔ (صافات:102 تا 107)

ترجمہ: جب وہ اس کے ساتھ کام کے قابل ہوگیا تو کہا: اے بیٹا! میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں تجھے ذبح کرتا ہوں، بتا تیری کیا رائے ہے؟ عرض کیا: ابا جان! جس بات کا آپ کو حکم ہوتا ہے، بجالائیں، اللہ نے چاہا تو قریب ہے کہ آپ مجھے صابر پائیں گے۔ چنانچہ جب ان دونوں نے ہمارے حکم کو تسلیم کرلیا اور باپ نے بیٹے کو پیشانی کے بل لٹادیا، اس وقت کا حال نہ پوچھو اور ہم نے اُسے ندا فرمائی کہ اے ابراہیم! بے شک تو نے خواب سچا کر دکھایا۔ ہم نیکوں کو ایسا ہی صلہ دیتے ہیں۔ بے شک یہ واضح امتحان تھا اور ہم نے ایک بڑا ذبیحہ اس کے فدیے میں دے کر اُسے بچالیا۔

جب سیدنا خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام ملک شام میں ارض مقدسہ کے مقام پر پہنچے تو آپ نے یہ دعا کی: رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الصَّالِحِينَ۔ فَبَشَّرْنَاهُ بِغُلَامٍ حَلِيمٍ۔ (صافات:100 تا 101)

ترجمہ: الٰہی! مجھ کو لائق اولاد دے، تو ہم نے اس کو ایک عقل مند لڑکے کی خوشخبری سنائی۔

چنانچہ اللہ رب العزت نے حضرت ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بطن اقدس سے ایک فرزند عنایت فرمائی، جس کا نام ''اسمٰعیل'' رکھا گیا۔ جن کو بعد میں ذبیح اللہ کے مبارک لقب سے نوازا

گیا۔ جب حضرت ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے فرزند ارجمند کو اپنی گود میں بٹھاتیں اور پیار کرتیں تو حضرت سارہ خاتون رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنی گود کو خالی دیکھ کر رشک کرنے لگیں۔ لہٰذا انھوں نے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عرض کیا کہ آپ حضرت ہاجرہ کو ان کے فرزند کے ساتھ یہاں سے کہیں باہر چھوڑ آئیں۔ یہ دراصل اللہ تعالیٰ نے مکہ معظمہ اور بیت اللہ شریف کے بننے کا ایک سبب پیدا فرمایا تھا۔

چنانچہ وحی الٰہی آئی کہ آپ حضرت ہاجرہ کو اسمٰعیل کے ساتھ اس سرزمین میں چھوڑ آئیں، جہاں اب مکہ معظمہ ہے۔ آپ ان دونوں کو اپنے ہمراہ براق پر سوار کیا، شام سے سرزمین حرم میں لائے اور کعبہ معظمہ کے نزدیک مقام زمزم میں اتار دیا۔ یہاں اس وقت نہ کوئی آبادی تھی نہ کوئی چشمہ اور نہ ہی کوئی سایہ دار درخت۔ آپ ان کو کھجوروں کا ایک توشہ دان اور پانی کا ایک برتن دے کر ایسے واپس تشریف لائے کہ مڑ کر اُن کی طرف دیکھا بھی نہیں۔ حضرت ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا: آپ کہاں چلے جا رہے ہیں؟ اور ہم کو اس بے انیس ورفیق وادی میں کیوں چھوڑے جا رہے ہیں؟ آپ نے کوئی جواب نہ دیا اور نہ ہی کوئی التفات فرمائی۔ حضرت ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے چند مرتبہ یہی عرض کیا، مگر کوئی جواب نہ آیا، تو حضرت ہاجرہ نے عرض کیا: کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس کا حکم دیا ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں! تو اس وقت حضرت ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا: اِذًا لَّا يُضَيِّعُنَا رَضِيْتُ بِاللّٰهِ رَبًّا وَّعَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ۔

یعنی اگر رب کا یہی حکم ہے تو پھر کچھ خوف نہیں، وہ خود ہی حفاظت فرمائے گا۔

اور وہاں سے چلتے وقت سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے بارگاہ الٰہی میں یوں دعا کی:

رَبَّنَا إِنِّي أَسْكَنتُ مِن ذُرِّيَّتِي بِوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ عِندَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيمُوا الصَّلَاةَ فَاجْعَلْ أَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِي إِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُم مِّنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُونَ۔ (سورۂ ابراہیم:37)

ترجمہ: اے پروردگار! میں اپنی بعض اولاد بیابان وادی میں تیرے حرم کے پاس چھوڑے جا رہا ہوں، تا کہ وہ نماز قائم کریں، لوگوں کے قلوب ان کی طرف مائل کردے اور میووں سے ان کو رزق عنایت فرما، تا کہ وہ تیرا شکر ادا کریں۔

کچھ دنوں تک حضرت ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ان ہی کھجور اور پانی سے گزارا کیا اور اپنے فرزند کو دودھ پلاتی رہیں۔ مگر جب پانی ختم ہوگیا اور پیاس کی شدت ہوئی، نیز آپ کا دودھ بھی خشک ہوگیا، پھر جب حضرت اسمٰعیل کا حلق مبارک پیاس کی وجہ سے کانٹا بن گیا تو حضرت ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پانی کی تلاش میں صفا اور مروہ کے درمیان دوڑیں۔ ادھر پانی کی تلاش ہے ادھر فرزند کا خطرہ ہے۔ آپ تیزی سے پہاڑی پر چڑھ کر فرزند ارجمند کو دیکھتی ہیں اور پھر پانی کی تلاش میں دوڑتی ہیں، پھر دوسری پہاڑی پر چڑھ کر اپنے فرزند کو دیکھتی ہیں، یہاں تک کہ آپ سات مرتبہ دوڑیں۔ اللہ تعالیٰ کو اپنی اس بندی کا دوڑنا اتنا پسند آیا کہ ہر حاجی کو قیامت تک صفا اور مروہ کے درمیان دوڑنے کا حکم دیا، تا کہ حضرت ہاجرہ کی یہ سنت ہمیشہ جاری رہے۔ قدرت خدا پر قربان کہ ادھر حضرت ہاجرہ پانی کی تلاش میں دوڑ رہی ہیں، ادھر رحمت الٰہی ان کی طرف دوڑتی ہے کہ معصوم اسمٰعیل نے شدت پیاس میں اپنی ایڑی رگڑی اور ان کے قدم مبارک کی برکت سے خشک زمین سے چشمۂ زم زم نمودار ہوا۔ سبحان اللہ!

ادھر جب حضرت ہاجرہ پانی سے ناامید ہو کر واپس تشریف لائیں تو کیا دیکھتی ہیں کہ ان کے فرزند ارجمند کے قدموں کے نیچے چشمۂ آب جاری ہے۔ شکر خدا ادا کیا اور پانی کو آگے سے بند کرنے لگیں۔ محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی والدہ ماجدہ پر رحم فرمائے، اگر اس پانی کے چشمے کو آگے سے بند نہ کرتیں تو فیضان الٰہی سے وہ چشمہ جاری رہتا۔ پھر حضرت خلیل کی دعا قبول ہوئی کہ قبیلۂ جرہم کے لوگ تجارت کے لیے مکہ معظمہ کے راستے سے ملک شام جا رہے تھے۔ جب وہ یہاں پہنچے تو دیکھا کہ ایسے پرندے اڑ رہے ہیں جو بغیر پانی کے زندہ نہیں رہ سکتے۔ انھیں تعجب ہوا کہ ایسے لق ودق جنگل میں ایسے پرندے کہاں سے آئے؟ چند آدمی تلاش میں روانہ کیے۔ وہ تلاش کرتے کرتے زم زم کے پاس پہنچے اور واپس جا کر قافلہ والوں کو اطلاع دی۔ انھوں نے حضرت ہاجرہ سے وہاں آباد ہونے کی اجازت مانگی۔ آپ نے اس شرط پر اجازت دے دی کہ پانی پر تمہارا حق اور قبضہ نہ ہوگا۔ ان لوگوں نے یہ شرط منظور کر لی اور مکہ معظمہ شہر کی بنیاد رکھ کر وہ سب آباد ہوگئے۔

ادھر سیدنا خلیل علیہ السلام ایک تیز رفتار براق پر سوار ہو کر ہر ہفتہ مکہ معظمہ میں اپنے اہل و

عیال کے پاس تشریف لے جاتے، ان کی دیکھ بھال کرتے اور شام کو واپس ارض مقدس تشریف لے جاتے۔ چند سال یہی طریقہ رہا، پھر جب حضرت اسمٰعیل تیرہ سال کے ہو گئے تو آپ کی قربانی کا حکم ہوا۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت ابراہیم کو خواب میں کسی کہنے والے نے کہا: قُمْ فَقَرِّبِ الْقُرْبَانَ لِرَبِّ الْعَالَمِيْنَ ۔ اٹھو اور اپنے پروردگار کے نام پر قربانی کرو۔

جب صبح ہوئی، تو آپ نے ایک دنبہ پہاڑ پر لے جا کر ذبح کیا۔ آگ آئی اور اسے آسمان کی طرف اٹھا کر لے گئی۔ دوسری رات خواب میں پھر وہی آواز آئی: قُمْ فَقَرِّبِ الْقُرْبَانَ لِرَبِّ الْعَالَمِيْنَ ۔ صبح ہوتے ہی آپ نے پھر ایک سو خوب صورت اور موٹے تازے اونٹ چن کر پہاڑ پر لے جا کر ذبح کیے۔ اسی طرح آگ آئی اور اٹھا کر لے گئی۔ عرفہ کی رات جب سوئے تو پھر وہی حکم ہوتا ہے: قُمْ فَقَرِّبِ الْقُرْبَانَ لِرَبِّ الْعَالَمِيْنَ ۔ آپ نے عرض کیا: مولیٰ! کس کی چیز قربانی منظور ہے؟ حکم ہوا کہ تمہارے بیٹے اسمٰعیل کی۔ صبح اٹھے، دسویں ذوالحجہ کا دن تھا، حضرت ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حکم دیا کہ آج پیارے اسمٰعیل کو نہلا دو، کنگھی کرو، تیل لگاؤ، عمدہ کپڑے پہناؤ اور دولہا بنا دو۔ حضرت ہاجرہ نے وجہ دریافت کی، تو آپ نے فرمایا کہ آج ہمیں اپنے دوست کی ملاقات کے واسطے جانا ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ اسمٰعیل ایک رسی اور چھری بھی ساتھ لے لو۔ رسی اور چھری لے جانے کی حکمت پوچھی گئی، تو فرمایا کہ شاید قربانی کی ضرورت پیش آجائے۔ تیار ہو کر حضرت خلیل اور حضرت ذبیح روانہ ہوئے۔ راستے میں چلتے ہوئے باپ بیٹے میں گفتگو ہوئی۔ حضرت ذبیح نے پوچھا: ابا جان! ہمارے دوست کا گھر کہاں ہے؟ فرمایا: ہمارا دوست گھر سے پاک ہے۔ پھر پوچھا: کیا ہمارا دوست ہمارے ساتھ کھانا کھائے گا؟ آپ نے فرمایا: هُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ وہ سب کو کھلاتا ہے مگر خود کھانے سے پاک ہے۔ جب کچھ راستہ طے فرمایا، تو ابلیس لعین نے باپ بیٹے میں فتنہ ڈالنا چاہا۔ آج شیطان کا دل جل رہا ہے کہ حضرت خلیل اپنے بیٹے کی قربانی سے مرتبۂ علیا سے سرفراز ہوں گے۔ اور حضرت اسمٰعیل ذبیح اللہ کے لقب سے ملقب ہوں گے۔ اولاً شیطان، ایک بوڑھے کی شکل میں حضرت ہاجرہ کے پاس گیا اور کہا: ہاجرہ! معلوم ہے کہ آج حضرت ابراہیم تیرے لخت جگر آنکھوں کی ٹھنڈک کو کہاں لے گئے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ہاں! وہ اپنے دوست کی ملاقات اور مہمانی میں تشریف لے گئے ہیں۔ شیطان بولا:

نہیں، مہمانی وغیرہ کچھ نہیں ہے۔ وہ اسمٰعیل کو اس لیے لے گئے ہیں کہ ان کے نازک حلق پر چھری چلا کر ان کو ذبح کر ڈالیں۔ حضرت ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ کیا ایسا مشفق باپ ایسے حسین وجمیل پیارے بیٹے کو ذبح کر سکتا ہے؟ شیطان نے کہا: ان کا گمان ہے کہ ان کا ذبح کرنا حکم خدا ہے۔ حضرت ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا: اگر حکم خدا ہے، تو پھر ہم کو اس سے زریں موقع اور کب ہاتھ آئے گا کہ ہمارا پروردگار ہمارے بیٹے کی قربانی منظور فرما کر ہم سے راضی ہو جائے؟ ابلیس یہاں سے ناامید ہو کر حضرت اسمٰعیل کے پاس آیا اور کہا: اے اسمٰعیل! معلوم ہے کہ تجھے تیرا باپ کہاں لے جا رہا ہے؟ آپ نے فرمایا: اپنے دوست کے یہاں کھانا کھانے کے لیے۔ شیطان بولا کہ یہ غلط ہے، بلکہ وہ تجھے ذبح کرنے کے لیے لے جا رہے ہیں۔ کیا یہ رسی اور چھری دیکھتا نہیں؟ جو اسی غرض کے لیے ساتھ لے جا رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا: اے بوڑھے! کیا حضرت خلیل جیسا باپ اسمٰعیل جیسے خوبصورت لخت جگر کو اپنے ہاتھوں ذبح کر سکتا ہے؟ شیطان نے کہا کہ ان کا خیال وزعم ہے کہ ذبح کرنا حکم خدا ہے۔ تو حضرت اسمٰعیل نے فرمایا: اگر ہم امر خدا پر قربان ہو جائیں تب بھی تھوڑی ہیں۔ پھر ابلیس ان سے بھی ناامید ہو کر حضرت خلیل کو کہنے لگا کہ ابراہیم! تو محض ایک خواب کی بنا پر اپنے بیٹے کو ذبح کرنا چاہتا ہے۔ ذرا غور کر لو، پھر ایسے فرزند کا ملنا مشکل ہے۔ آپ نے فرمایا: تو شیطان معلوم ہوتا ہے، ہٹ جا، اللہ کے بندوں پر تیرا داؤ نہیں چل سکتا اور اسے کنکر مار کر دفع کیا۔ اللہ تعالیٰ کو یہ کنکر مارنا اتنا پسند آیا کہ قیامت تک حاجیوں کو حکم ہو گیا کہ اس مقام پر کنکر مار کر حضرت خلیل کی یاد تازہ کریں۔ حضرت ابراہیم کا حال سات آسمانوں کے فرشتے دیکھ کر رو رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے دربار میں یوں داد دے رہے ہیں: سُبْحَانَ اللّٰهِ نَبِيٌّ يَقُوْدُ نَبِيًّا ۔

اللہ پاک ہے، ایک نبی دوسرے نبی کو راہِ خدا میں ذبح کرنے کے لیے لے جا رہے ہیں۔

جب مقام منیٰ میں پہنچے، تو اصل حقیقت اسمٰعیل کے سامنے رکھتے ہوئے فرمایا: يٰبُنَيَّ اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى ۔

بیٹے! میں نے دیکھا ہے کہ تجھے ذبح کرتا ہوں۔ بتا، تیری رائے کیا ہے؟

علمائے کرام لکھتے ہیں کہ آپ نے یہ اس لیے فرمایا، تا کہ فرزند ارجمند اطاعت الٰہی کے

لیے برضا و رغبت تیار ہو، لوگ یہ نہ کہیں کہ اس میں حضرت اسمٰعیل کا کمال کیا تھا۔ کیوں کہ انھیں بغیر بتائے زبردستی ذبح کر دیا گیا۔ حضرت اسمٰعیل نے کیا عمدہ جواب دیا:

قَالَ يَا أَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِي إِن شَاءَ اللّٰهُ مِنَ الصَّابِرِينَ۔

اَبا جان! حکم خدا بجا لائیے۔ اسمٰعیل ذبح ہو جائے گا اور اُف تک نہ کرے گا۔

اب باپ بیٹے کو اور بیٹا قربان ہونے پر کمر بستہ ہو جاتے ہیں تو حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے چند درخواستیں پیش کیں:

(1) بوقت ذبح میرے ہاتھ پاؤں مضبوط باندھ لیں، تا کہ جان نکلتے وقت میں نہ تڑپوں اور میرا خون آپ کے کپڑوں پر نہ لگ جائے اور میں بے ادب نہ ٹھہروں۔

(2) بوقت ذبح میرا چہرہ زمین کی طرف رکھیں، تا کہ کہیں چھری چلاتے وقت آپ کی نظر میرے چہرے پر پڑے اور محبت پدری جوش میں آئے اور اطاعت الٰہی میں تقصیر واقع ہو جائے۔

(3) میری قمیص میری اَماں جان کو دے کر میرا اسلام پہنچا کر آخری پیغام پہنچا دیں کہ اماں جان تیرا لخت جگر ایسے رحیم و کریم کے پاس چلا گیا ہے جو تجھ سے بھی زیادہ مہربان ہے۔ لہٰذا یہ افسوس و غم کا مقام نہیں ہے۔ قرآن مجید میں ہے: فَلَمَّا أَسْلَمَا وَتَلَّهُ لِلْجَبِينِ۔

چنانچہ دونوں باپ بیٹے نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے آگے اپنا سر تسلیم خم کر دیا اور باپ نے بیٹے کو پیشانی کے بل لٹا دیا۔

اس وقت حضرت اسمٰعیل نے پوچھا: ابا حضور! آپ زیادہ سخی ہو یا میں؟ یہ سن کر آپ نے فرمایا کہ میں زیادہ سخی ہوں کہ اپنی آنکھوں کے تارے کو ذبح کر رہا ہوں۔ حضرت اسمٰعیل نے فرمایا کہ نہیں! بلکہ میں زیادہ سخی ہوں۔ کیوں کہ آپ کے اور بیٹے بھی ہیں، ان سے بھی دل لگا سکتے ہیں۔ مگر میری جان فقط ایک ہے، جب چلی گئی تو واپس نہیں آسکتی۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے ابراہیم! نہ تو زیادہ سخی ہے نہ اسمٰعیل، لیکن میں تم دونوں سے زیادہ سخی ہوں۔ کیوں کہ خلیل کا لخت جگر زندہ رہے گا اور قربانی کا ثواب اُس کو عطا ہوگا اور اسمٰعیل کی جان بھی باقی رہے گی اور اس کا ایک بال بھی بانکا نہ ہوگا، انھیں ذبیح اللہ کا لقب بھی عطا ہوگا۔ الغرض حضرت ابراہیم زور سے چھری چلاتے ہیں، مگر ایک بال بھی نہیں کاٹ پاتی ہے۔ آپ چھری پر ناراض ہوئے اور اس کو

زمین پر دے مارا، اور چھری سے کہا کہ تو کاٹتی کیوں نہیں؟ چھری نے عرض کیا کہ پیارے خلیل! جب آپ نے نمرود کی آگ میں چھلانگ لگائی تھی تو آگ نے آپ کو کیوں نہ جلایا تھا؟ فرمایا کہ آگ کو حکم الٰہی پہنچا تھا کہ وہ مجھے نہ جلائے، تو چھری نے کہا: اے خلیل! آگ کو ایک دفعہ حکم الٰہی پہنچا کہ ابراہیم کو نہ جلانا اور مجھے ستر دفعہ حکم ہوا ہے کہ حلق اسمٰعیل کو نہ کاٹنا، لہٰذا میں معذور ہوں۔

اسی بیچ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوا: قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا إِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ۔

اے ابراہیم! تو نے اپنا خواب سچ کر دکھایا، بے شک ہم مخلصین کو ایسا ہی صلہ دیتے ہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل کو حکم دیا کہ بہشت میں جاؤ، اور جو دنبہ چالیس یا اسی ہزار سال سے چر رہا ہے اُسے لے آؤ، تا کہ اسمٰعیل کے بدلے میں ذبح کیا جائے اور قیامت تک یہی سنت باقی رہے کہ اُمت مسلمہ دنبہ کو ذبح کر کے قربانی کا ثواب حاصل کرے۔ اگر اللہ تعالیٰ دنبہ کا فدیہ نہ دیتا، تو آج مسلمانوں کو اپنا بیٹا قربان کرنا پڑتا۔ (عرائس المجالس و معارج النبوۃ)

☆☆☆

چوتھا وعظ

قربانی کی فضیلت

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔

اِنَّ عِدَّۃَ الشُّھُوْرِ عِنْدَ اللّٰہِ اثْنَا عَشَرَ شَھْرًا فِیْ کِتٰبِ اللّٰہِ یَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ مِنْھَا اَرْبَعَۃٌ حُرُمٌ ذٰلِکَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ فَلَا تَظْلِمُوْا فِیْھِنَّ اَنْفُسَکُمْ۔

(سورۂ توبہ:36)

ترجمہ: اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں مہینوں کا شمار بارہ ہے۔ کتاب اللہ میں جس دن اس نے آسمان اور زمینوں کو پیدا فرمایا، ان میں چار ماہ حرمت والے ہیں، یہی سیدھا دین ہے۔ پس ان مہینوں میں اپنے اوپر ظلم مت کرو۔

وہ چار مہینے یہ ہیں: ذوقعدہ، ذوالحجہ، محرم الحرام اور رجب المرجب۔ ان مہینوں کی حرمت یہ ہے کہ ان میں کوئی گناہ کا کام نہ کیا جائے، اس لیے کہ جس طرح ان مہینوں میں نیک اعمال کا ثواب زیادہ ہے اسی طرح گناہوں کا عذاب وعتاب بھی بہت زیادہ اور سخت ہے۔

برادرانِ اسلام! یہ مہینہ ذوالحجہ ان ہی برکت وحرمت والے مہینوں میں سے ایک مہینہ ہے۔ اس ماہِ مبارک میں نوافل، نماز، روزہ، تلاوتِ قرآن، تسبیح وتہلیل، تکبیر وتقدیس، صدقات وخیرات وغیرہ اعمال کا بہت ثواب ہے۔ خصوصاً عشرۂ ذوالحجہ کی فضیلت اتنی بڑی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس عشرے کی دس راتوں کی قسم قرآن پاک میں کھائی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

وَالْفَجْرِ۔ وَلَیَالٍ عَشْرٍ۔ وَّالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ۔ وَالَّیْلِ اِذَا یَسْرِ۔ (سورہ فجر)

ترجمہ: قسم ہے مجھے عید قرباں کے فجر کی اور ان دس راتوں کی جو ذوالحجہ کا پہلا عشرہ ہے، اور قسم ہے جفت اور طاق راتوں کی جو رمضان المبارک کی آخری راتیں ہیں اور قسم ہے شب

معراج کی۔

اللہ تعالیٰ کی اس قسم سے پتہ چلتا ہے کہ عشرۂ ذوالحجہ کتنی فضیلت والا ہے، اسی طرح ان کی فضیلت سے کتب احادیث بھی لبریز ہیں۔ چند احادیث کریمہ پیش کی جاتی ہیں:

(1) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ اَیَّامٍ اَلْعَمَلُ الصَّالِحُ فِیْھِنَّ اَحَبُّ اِلَی اللّٰہِ مِنْ ھٰذِہِ الْاَیَّامِ الْعَشْرِ قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ وَلَا الْجِھَادُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ قَالَ: وَلَا الْجِھَادُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اِلَّا رَجُلٌ خَرَجَ بِنَفْسِہٖ وَمَالِہٖ فَلَمْ یَرْجِعْ مِنْ ذٰلِکَ بِشَیْءٍ۔ (صحیح بخاری)

ترجمہ: آقائے دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کوئی دن ایسا نہیں ہے جس میں نیک عمل کرنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ محبوب ہو اِن ایامِ عشرہ سے۔ صحابہ کرام نے عرض کیا: کیا جہاد فی سبیل اللہ بھی نہیں؟ آپ نے فرمایا: ہاں! جہاد فی سبیل اللہ بھی نہیں، مگر وہ شخص جو اپنی جان ومال سے نکلا ہو، اور اُن میں سے کسی چیز کے ساتھ واپس نہ لوٹے، بلکہ سب کچھ قربان کردے۔

(2) پہلے نو دن روزے رکھنے کی بڑی فضیلت ہے۔ بعض ازواج مطہرات بیان کرتی ہیں: اَنَّہٗ یَصُوْمُ تِسْعَۃً فِیْ اَیَّامِ ذِی الْحِجَّۃِ وَیَوْمَ عَاشُوْرَاءَ وَثَلٰثَۃَ اَیَّامٍ مِنْ کُلِّ شَھْرٍ۔

(ابوداؤد، نسائی، ماثبت بالسنہ، صفحہ:177)

ترجمہ: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ عشرۂ ذی الحجہ میں پہلے نو دن اور دسویں محرم کو اور ہر ماہ کے تین دن روزہ رکھا کرتے تھے۔

حکایت: حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں عشرۂ ذی الحجہ کی راتوں میں ایک رات بصرہ کے قبرستان میں تھا، تو میں نے ایک قبر سے نور نکلتے دیکھا۔ اس سے میں متعجب ہوا، اتنے میں آواز آئی: اے سفیان! تم بھی عشرۂ ذی الحجہ میں روزہ رکھو، تیری قبر سے بھی ایسا ہی نور نکلا کرے گا۔ (نزہۃ المجالس)

معلوم ہوا کہ ان دنوں کے روزہ رکھنے کے سبب قبر سے نور کی شعاعیں نکلتی ہیں۔

(3) بعض حدیثوں میں عرفہ کے روزے کے متعلق وارد ہوا ہے کہ عرفہ کا روزہ ایک سال پہلے اور ایک سال بعد کے گناہوں کو مٹا دیتا ہے، مگر یہ غیر محرم کے حق میں ہے۔ محرم عرفہ کا روزہ نہ

رکھے۔ (ماثبت من السنۃ، صفحہ:179)

حکایت: ابن جارود رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں اور ایک طالب علم حصول علم کے لیے ایک سفر میں تھے۔ ہم عرفہ کی شب قوم لوط کے ایک شہر میں پہنچے، وہاں ہم نے دیکھا کہ ایک شخص کے منہ پر غبار پڑا ہوا ہے اور پریشان حال ہے۔ ہم نے اس سے پوچھا کہ کہاں سے آیا ہے؟ اور یہ حالت کیوں ہے؟ کہنے لگا کہ میں عرفات کے میدان سے آرہا ہوں اور چہرہ غبار آلود اس وجہ سے ہے کہ ایک قوم سے پچاس سال گناہ کراتا رہا اور اس پر بڑا خوش وخرم تھا، مگر آج کے دن انھوں نے میدان عرفات میں حاضر ہو کر توبہ کرلی اور ان پر رحمت الٰہی اس قدر نازل ہوئی ہے کہ وہ سب بخشے گئے ہیں، اس لیے میں نے سر پر مٹی ڈال لی ہے اور یہاں قوم لوط کی بستیوں میں اس لیے آیا ہوں، تاکہ معذبین کو دیکھ کر ذرا اپنے دل کو خوش کرلوں۔ (نزہۃ المجالس)

حکایت: ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ ایک رات خواب میں، میں نے دیکھا کہ قیامت برپا ہوگئی ہے۔ میں نے وہاں پر اپنے ایک دوست کو دیکھا جس کے آگے دس نور ہیں اور میرے آگے دو نور ہیں۔ اس سے مجھے تعجب ہوا تو ندا آئی کہ تعجب کی کوئی بات نہیں ہے۔ تیرے دوست نے دس سال عرفہ کا روزہ رکھا اور تو نے دو سال عرفہ کا روزہ رکھا ہے، اس لیے اس کے آگے دس نور ہیں اور تیرے آگے دو نور ہیں۔ (نزہۃ المجالس)

قربانی کا ثواب

یوں تو ذوالحجہ کا تمام عشرہ نور علیٰ نور ہے اور ہر نیک عمل کا ثواب ملتا ہے، مگر ذوالحجہ کی دسویں تاریخ بڑی متبرک ہے۔ خدائے قدوس نے اس دسویں تاریخ کی فجر کی قسم کھائی ہے: وَالْفَجْرِ۔ مجھے عید قرباں کی فجر کی قسم! یوں تو اس دن ہر نیک عمل محبوب ہے، مگر جو عمل اس دن سب سے زیادہ اللہ کو محبوب ہے وہ قربانی کرنا ہے۔ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

مَا عَمِلَ ابْنُ اٰدَمَ مِنْ عَمَلٍ یَوْمَ النَّحْرِ اَحَبُّ اِلَی اللّٰهِ مِنْ اِهْرَاقِ الدَّمِ وَاِنَّهٗ لَیَاْتِیْ یَوْمَ الْقِیَامَةِ بِقُرُوْنِهَا وَاَشْعَارِهَا وَاَظْلَافِهَا وَاِنَّ الدَّمَ یَقَعُ مِنَ اللّٰهِ بِمَكَانٍ قَبْلَ اَنْ یَّقَعَ بِالْاَرْضِ فَطِیْبُوْا بِهَا نَفْسًا۔ (سنن ترمذی، مشکوٰۃ)

ترجمہ: قربانی کے دن اللہ کے نزدیک ابن آدم کا کوئی عمل قربانی سے زیادہ محبوب نہیں ہے۔ بے شک قربانی کا جانور قیامت میں اپنی سینگوں، بالوں اور کھروں کے ساتھ آئے گا۔ (یعنی ان سب چیزوں کا وزن کیا جائے گا) اور یہ حقیقت ہے کہ قربانی کے جانور کا خون زمین پر گرنے سے پہلے رب کی بارگاہ میں مقبول ہوجاتا ہے، لہٰذا خوشی خوشی قربانی کرو۔ (یعنی قربانی کرتے وقت دل میں کوئی ملال نہ آنے پائے۔)

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ قربانیاں کیا ہیں؟ تو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: سُنَّةُ اَبِیْكُمْ اِبْرَاهِیْمَ عَلَیْهِ السَّلَامُ قَالُوْا: فَمَا لَنَا فِیْهَا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ: بِكُلِّ شَعْرَةٍ حَسَنَةٌ، قَالُوْا: فَالصُّوْفُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! قَالَ: بِكُلِّ شَعْرَةٍ مِّنَ الصُّوْفِ حَسَنَةٌ۔ (مسند احمد، مشکوٰۃ)

ترجمہ: تمہارے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے۔ صحابہ کرام نے عرض کیا: یارسول اللہ! ہمیں اس میں کیا ثواب ملے گا؟ آپ نے فرمایا: ہر بال کے بدلے میں ایک نیکی ملے گی۔ صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اور صوف میں کتنا ثواب ملے گا؟ آپ نے فرمایا: صوف کے ہر بال میں بھی ایک نیکی ملے گی۔

مسلمانو! قربانی کے ثواب کی کثرت کا اندازہ اس بات سے کرو کہ جانور پر کتنے بال ہوتے ہیں۔ خصوصاً بھیڑ پر تو بے شمار بال ہوتے ہیں اور ہر بال کے عوض ایک نیکی ملتی ہے، تو قربانی کرنے والے کے اعمال نامے میں کتنی نیکیاں لکھی جاتی ہوں گی۔

قربانی کا فائدہ

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے دنیا میں قربانی کی ہوگی، جب وہ اپنی قبر سے اٹھے گا تو وہ اپنے سرہانے عجیب قسم کی ایک سواری کھڑی پائے گا، جس کے بال چاندی کے، آنکھیں یاقوت کی اور سینگ سونے کی۔ آدمی اس سے پوچھے گا کہ تو کون ہے؟ میں نے تجھ سے زیادہ خوبصورت سواری نہیں دیکھی، وہ سواری بولے گی کہ میں وہ قربانی ہوں جسے تو نے ذبح کیا تھا، بس اب مجھ پر سوار ہوجا، تو وہ اس پر سوار ہوجائے گا اور پانچ سو سال کی لمبی

مسافت بہت جلد طے کرکے عرش الٰہی کے سایے میں پہنچ جائے گا۔ (نزہۃ المجالس)

حضرت پیران پیر دستگیر غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی مشہور کتاب ”غنیۃ الطالبین“ میں لکھتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے دربارِ الٰہی میں عرض کیا: مولیٰ! اُمت مصطفی کی قربانی کا کیا ثواب ہے؟ ارشاد ہوا: اے داؤد! اس کو قربانی کے ہر بال کے بدلے میں دس نیکیاں عطا کروں گا اور دس گناہ مٹاؤں گا اور دس درجے بلند کروں گا۔ اے داؤد! کیا تجھے معلوم نہیں کہ یہ قربانیاں پل صراط پر سواریاں بنیں گی اور گناہوں کو مٹا ڈالیں گی۔ (غنیۃ الطالبین)

ایک مقام پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: عَظِّمُوْا ضَحَایَاکُمْ فَاِنَّهَا عَلَى الصِّرَاطِ مَطَايَاكُمْ۔ اپنی قربانیوں کو بڑا کرو، کیوں کہ وہ پل صراط پر تمہاری سواریاں ہوں گی۔

ایک روایت میں ہے: سَمِّنُوْا یعنی قربانی کے جانور کو موٹا کرو۔ ایک روایت میں ہے: حَسِّنُوْا یعنی خوبصورت اور بے عیب جانوروں کی قربانی کیا کرو۔

معلوم ہوا کہ پل صراط کے عبور کرنے کے لیے قربانی کا جانور ہماری سواری بن جائے گا جس سے ہم بہ آسانی پل صراط کو عبور کرلیں گے۔ اب کوئی یہ وہم کرے کہ غریب طبقہ کے لوگ تو قربانی نہیں کرتے اور نہ ہی ان کو قربانی میسر ہوتی ہے، تو اس وہم کا دفع یہ ہے کہ آقائے نعمت رحمۃ للعالمین غمگسار اُمت حضرت احمد مجتبیٰ محمد مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک مینڈھا ذبح کیا اور فرمایا: بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُ اَكْبَرُ۔ اَللّٰهُمَّ هٰذَا عَنِّيْ وَعَمَّنْ لَّمْ يُضَحِّ مِنْ اُمَّتِيْ۔ (مشکوٰۃ)

یعنی یہ قربانی میری طرف سے اور میری اُمت کی طرف سے ہے جو قربانی نہیں کرسکتے۔

قربانی ہر صاحب مال پر واجب ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دس سال مدینہ طیبہ میں قیام فرمایا اور ہر سال قربانی کی اور اُمت کو قربانی کرنے کا حکم فرمایا اور نہ کرنے والوں پر وعید شدید کی خبر سنائی۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مَنْ وَجَدَ سِعَةً وَّلَمْ يُضَحِّ فَلَا يَقْرَبُ مُصَلَّانَا۔ (مشکوٰۃ)

ترجمہ: جو شخص وسعت کے باوجود قربانی نہ کرے وہ ہماری عیدگاہ میں نہ آئے۔

ایک مرد مومن کے لیے یہ وعید کتنی شدید ہے۔

بزرگان دین اور اپنے مرے ہوئے رشتہ داروں کی طرف سے قربانی دینا جائز ہے اور اس

سے ان کو بھی ثواب ملتا ہے۔ حضرت حنش رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

رَاَيْتُ عَلِيًّا يُضَحِّيْ بِكَبْشَيْنِ فَقُلْتُ لَهٗ مَا هٰذَا، فَقَالَ: اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوْصَانِيْ اَنْ اُضَحِّيَ عَنْهُ فَاَنَا اُضَحِّيْ عَنْهُ۔ (ابوداؤد، مشکوٰۃ، صفحہ:128)

ترجمہ: میں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو دیکھا کہ وہ دو مینڈھے قربانی کررہے ہیں۔ میں نے ان سے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ (یعنی دو قربانیاں کیوں کررہے ہیں؟) آپ نے فرمایا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے وصیت فرمائی تھی کہ میں آپ کی طرف سے قربانی کیا کروں، لہٰذا میں آپ کی طرف سے بھی قربانی کرتا ہوں۔

بڑا خوش قسمت ہے وہ مسلمان جو اپنے آقا و مولیٰ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے قربانی دے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق عنایت فرمائے۔ (آمین)

نوٹ: باقی مسائل قربانی کتب فقہ میں تفصیلاً ملاحظہ فرمائیں۔

☆☆☆

پانچواں وعظ

جہاد کا مفہوم اور فلسفہ

أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔

قَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ۔ (سورۂ انفال:39)

ترجمہ: ان سے لڑو، یہاں تک کوئی فساد باقی نہ رہے اور سارا دین اللہ ہی کا ہوجائے۔

مزید ارشاد فرمایا گیا: كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ۔ (سورۂ آل عمران:110)

ترجمہ: تم سب امتوں میں بہتر ہو، جو لوگوں میں ظاہر ہوئیں۔ بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے منع کرتے ہو، اور اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو۔

اس آیت مبارکہ سے معلوم ہوا کہ مسلمان تمام اقوام کے لیے رہنما بنا کر بھیجے گئے ہیں کہ خود خدا پرستی کریں اور باقیوں کو خدا پرستی سکھائیں۔ خود نیکی کریں اور دوسروں کو نیکی کی تعلیم دیں۔ خود برائی سے بچیں اور دوسروں کو برائی سے بچنے کی ہدایت کریں۔ خود بھی ظلم نہ کریں اور دوسروں کو بھی ظلم نہ کرنے دیں۔ اپنے حقوق محفوظ رکھیں اور دوسروں کے حقوق کی بھی حفاظت کریں، اور یہ حقیقت ہے کہ یہ رہنمائی اس وقت حاصل نہیں ہوسکتی جب تک کہ قوم مسلم کو اقتدار اور طاقت ظاہری و باطنی حاصل نہ ہو، اپنی اقتدار و سلطنت نہ ہو، اور یہ اقتدار و سلطنت جہاد کی برکت سے ہی حاصل ہوتی ہے، اس لیے خالق کائنات نے مسلمانوں پر جہاد فرض کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ وَعَسٰى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَعَسٰى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْئًا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۔ (سورۂ بقرہ:216)

ترجمہ: تم پر اللہ کی راہ میں لڑنا فرض ہوا، اور وہ تمہیں ناگوار ہے، ممکن ہے کہ کوئی بات

تمہیں بری لگے اور وہی تمہارے حق میں بہتر ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ کوئی بات تمہیں اچھی لگے اور وہی تمہارے حق میں بری ہو، اور یہ اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے تم نہیں جانتے۔

ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ کا یہ حکم ہے: اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۔ (سورۂ توبہ:41)

ترجمہ: کوچ کرو خوشی خوشی یا بادل نخواستہ، اور اپنے مال و جان سے اللہ کی راہ میں لڑو، یہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم جانو۔

کیوں کہ اس سے تمہاری قوت قائم ہوگی، سلطنت و اقتدار حاصل ہوگا۔ جس کی وجہ سے تم بے روک ٹوک اقوام عالم کی رہنمائی کرسکو گے۔ ایک اور مقام پر یوں ارشاد فرمایا: وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ۔ (سورۂ انفال:60)

ترجمہ: اے مسلمانو! اپنے دشمن کے مقابلے کے لیے طاقت اور سرحدوں پر گھوڑوں کے باندھ رکھنے کی وجہ سے جو کچھ بھی ہوسکے تیار کیا کرو، تا کہ تم اس قوت اور اسباب کی فراہمی کے ساتھ اللہ کے اور اپنے دشمن کو ڈرا سکو، اور ان دشمن کے علاوہ اوروں کو بھی جن کو تم نہیں جانتے اور اللہ تعالیٰ ان کو جانتا ہے۔

اس میں امت مسلمہ کو واضح طور پر جہاد کے ذریعے سے قوت و طاقت حاصل کرنے کا حکم دیا گیا، تا کہ اس قوت سے قوم مسلم اپنے فریضۂ رہنمائی کو احسن وجوہ سے سرانجام دے سکے۔ فرمایا: وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ۔ (سورۂ انفال، آیت:39)

ترجمہ: ان سے لڑو، یہاں تک کہ کوئی فتنہ باقی نہ رہے اور سارا دین اللہ ہی کا ہوجائے، پھر اگر وہ باز رہیں تو اللہ تعالیٰ ان کے کام کو دیکھ رہا ہے۔

یہاں صاف لفظوں میں بتایا گیا ہے کہ جہاد کا فلسفہ یہی ہے کہ میں دنیا میں زندہ رہنا چاہتا ہوں تا کہ بنی نوع انسان کی خدمت کروں، اپنے حقوق زندگی حاصل کروں اور دوسروں کو دلواؤں۔ اگر کسی نے میرے حقوق پر دست درازی کی تو میں اس کی خبر کوارے لوں گا۔ جس نے

میری خداپرستی اور عبادت میں مداخلت کی تو فَلَا تَخَافُوهُمْ وَخَافُونِ إِنْ كُنتُمْ مُّؤْمِنِينَ۔

(سورۂ آل عمران، آیت:175)

ان سے نہ ڈرو، فقط مجھ سے ہی ڈرو اگر تم ایمان رکھتے ہو، کیوں کہ مومن کسی بھی کافر سے نہیں ڈر سکتا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ذٰلِكَ بِأَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَأَنَّ الْكَافِرِينَ لَا مَوْلَىٰ لَهُمْ۔ (سورۂ محمد، آیت:11)

اللہ تعالیٰ مومنوں کا مددگار ہے اور کفار کا کوئی مددگار نہیں۔ جب مسلمان اس اعتقاد پر مضبوط رہے، انھوں نے نہ صرف اپنے عہد کے یہود و مشرکین کی قوتیں توڑ کر رکھ دیں بلکہ کچھ عرصہ بعد قیصر و کسریٰ کے تخت اوندھے کر دیے۔ رومیوں اور کیانیوں کی زبردست اور عظیم الشان سلطنتوں کو پارہ پارہ کر کے دنیا پر ثابت کر دیا کہ فی الواقع سچے مسلمانوں کا پشت و پناہ حامی و مددگار خدائے قدوس ہے اور کفار کا کوئی مولیٰ نہیں۔

ہمارے اسلاف میں شوق جہاد

حضرت خلیفۃ المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانۂ خلافت میں مسلمانوں کا لشکر حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سپہ سالاری میں جب مقام قادسیہ پہنچا۔ تو امیر المومنین کی طرف سے حکم ہوا کہ لڑائی سے پہلے کچھ لوگ سفیر بن کر جائیں اور ساسانیوں کو اسلام کی دعوت دیں۔ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سرداران قبائل سے چند نامور شخص انتخاب کیے جو مختلف صفتوں کے لحاظ سے تمام عرب میں مشہور تھے، مثلاً:

۱۔ عطارد بن حاجب، ۲۔ شعث بن قیس، ۳۔ حارث بن حسان، ۴۔ عاصم بن عمرو معدی کرب، ۵۔ غیرہ بن شعبہ، ۶۔ معنی بن حارثہ، ۷۔ نعمان بن مقرن، ۸۔ بسر بن ابی رہم، ۹۔ حملہ بن جوتیہ، ۱۰۔ حلہ بن الربیع التمیمی، ۱۱۔ فرات بن حیان العجلی، ۱۲۔ عدی بن سہیل، ۱۳۔ مغیرہ بن زرارہ۔

یہ گھوڑے دوڑاتے ہوئے جب یزدگرد کے دار الخلافہ مدائن میں پہنچے تو ان کے گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز یزدگرد کے کانوں تک پہنچی۔ اس نے دریافت کیا کہ یہ آواز کیسی ہے؟ کسی نے بتایا کہ اسلام کے سفیر آئے ہیں۔ یہ سن کر اُس نے بڑے ساز و سامان سے دربار سجایا اور سفرا کو

طلب کیا۔ یہ عربی جبے پہنے کاندھوں پر یمنی چادریں ڈالے ہاتھوں میں کوڑے لیے موزے چڑھائے دربار میں داخل ہوئے۔ یزدگرد نے سفیروں کو اس شان سے دیکھا تو اس پر ایک ہیبت طاری ہوگئی۔ اس نے پوچھا کہ تم لوگ اس ملک میں کیوں آئے ہو؟ نعمان بن مقرن جو سردار گروہ تھے، جواب دینے کے لیے آگے بڑھے۔ پہلے مختصر طور پر اسلام کے حالات بیان کیے۔ پھر کہا کہ ہم تمام دنیا کے سامنے دو چیز پیش کرتے ہیں جزیہ یا تلوار۔ یزدگرد نے کہا کہ تمھیں یاد نہیں کہ تمام دنیا میں تم سے زیادہ ذلیل کوئی قوم نہ تھی، تم جب کبھی ہم سے سرکشی کرتے تھے تو سرحد کے زمینداروں کو حکم بھیج دیا جاتا تھا، وہ تم کو ٹھیک کر دیتے تھے۔ یہ بات سن کر مغیرہ بن زرارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ضبط نہ کر سکے۔ اٹھ کر کہا یہ لوگ اپنے رفیقوں کی طرف اشارہ کر کے رؤسائے عرب ہیں۔ اپنے حلم و وقار کی وجہ سے زیادہ گوئی نہیں کرتے۔ انھوں نے جو کچھ کہا، یہی مناسب تھا۔ مگر تیری بات کا جواب یہ ہے کہ بے شک ہم بدبخت اور گمراہ تھے۔ آپس میں کٹے مرتے تھے۔ اپنی لڑکیوں کو زندہ درگور کر دیتے تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ہم میں اپنا نبی بھیجا جو حسب و نسب میں ہم سے ممتاز تھا۔ اول اول ہم نے اس کی مخالفت کی۔ وہ سچ کہتا تھا ہم جھٹلاتے تھے لیکن رفتہ رفتہ ان کی باتوں نے دلوں میں اثر کیا۔ ہم اس کے غلام بن گئے۔ اس نے حکم دیا کہ ہم اس مذہب حقہ کو تمام دنیا کے سامنے پیش کریں۔ جو لوگ اسلام لائیں وہ تمام حقوق میں تمہارے برابر ہیں اور جو اسلام کا انکار کریں اور جزیہ دینے پر راضی ہوں تو وہ اسلام کی حمایت میں ہیں۔ جس کو دونوں باتوں سے انکار ہو، اس کے لیے تلوار ہے۔

دیکھا ہمارے اسلاف کا شوق جہاد اور اسلامی تبلیغ کا پرچار کہ یہ حضرات اپنے ملک سے سیکڑوں میل دور ہیں۔ دشمن بادشاہ کے سامنے کیسے نڈر ہو کر اعلائے کلمۃ الحق ادا کر رہے ہیں۔ یزدگرد ان کی یہ گفتگو سن کر غصہ سے بے تاب ہو گیا اور کہا کہ اگر قاصدوں کا قتل جائز ہوتا تو تم میں سے کوئی زندہ بچ کر نہ جاتا۔ (الفاروق، صفحہ:64)

یزدگرد کی طرف سے فوج کا سپہ سالار رستم نامی شخص تھا۔ اس کو جب اسلامی لشکر نے ہر معرکہ میں شکست دی تو اس نے حضرت سعد کے پاس پیغام بھیجا کہ تمہارا کوئی معتمد علیہ آدمی آئے تو صلح کے متعلق گفتگو کی جائے۔ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ربعی بن عامر کو اس

خدمت پر مامور کیا۔ وہ عجیب وغریب ہیئت سے چلے۔ عرق گیر کی زرہ بنائی اور اسی کا ایک ٹکڑا سر
سے لپیٹا۔ کمر میں پٹکا باندھا اور تلوار کے درمیان چیتھڑے لپیٹے۔ اس ہیئت کذائی سے گھوڑے
پر سوار ہو کر نکلے۔ ادھر ایرانیوں نے بڑے ساز وسامان سے دربار سجایا۔ دیبا کا فرش زریں
گاؤ دار تکیے حریر کے پردے صدر میں مرصع تخت، ربعی فرش کے قریب آ کر گھوڑے سے اترے
اور باگ ڈور کو گاؤ تکیے سے اٹکا دیا۔ درباری آپ کی اس بے پرواہی کی ادا سے اگرچہ کچھ نہ
بولے، تاہم دستور کے موافق ہتھیار رکھوا لینا چاہا۔ انھوں نے فرمایا کہ میں بلایا ہوا آیا ہوں۔ اگر
تم کو اس طرح میرا آنا منظور نہیں ہے تو میں الٹا واپس چلا جاتا ہوں۔ درباریوں نے رستم سے
عرض کی کہ وہ ہتھیار سمیت آنا چاہتا ہے۔ اس نے اجازت دے دی۔ آپ نہایت بے پرواہی
سے آہستہ آہستہ تخت کی طرف بڑھے اور اپنی برچھی کی اَنی اس طرح فرش میں چبھوتے جاتے
تھے کہ پرتکلف فرش اور قالین جو بچھے ہوئے تھے جابجا سے کٹ کر بیکار ہو گئے۔ تخت کے
قریب پہنچ کر زمین پر نیزہ مارا جو فرش کو آر پار کر کے زمین میں گڑ گیا۔ رستم نے پوچھا کہ تم اس
ملک میں کیوں آئے ہو؟ انھوں نے فرمایا: اس لیے کہ مخلوق کی بجائے خالق کی عبادت کی
جائے۔ رستم نے کہا میں ارکان سلطنت سے مشورہ کر کے جواب دوں گا۔ یہ تھا ہمارے اسلاف کا
جذبہ جہاد اور تبلیغی سرگرمیاں۔ (الفاروق، صفحہ:66)

ایرانیوں کے پاس اخیر سفارت میں حضرت مغیرہ تشریف لے گئے۔ اس دن ایرانیوں
نے بڑے ٹھاٹھ سے دربار سجایا۔ تمام افسروں نے تاج زرّیں پہنے اور کرسیوں پر بیٹھے خیمے میں
دیبا وسنجاب کا فرش بچھایا۔ خدام اور منصب دار قرینے سے دونوں طرف کھڑے ہو گئے۔
حضرت مغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ گھوڑے سے اتر کر سیدھے صدر کی طرف بڑھے اور رستم کے زانو
سے زانو ملا کر بیٹھ گئے۔ اس گستاخی پر تمام دربار برہم ہو گیا، یہاں تک کہ چوبداروں نے آپ کا
بازو پکڑ کر تخت سے اتار دیا۔ حضرت مغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے افسران دربار کی طرف خطاب
کر کے فرمایا۔ میں خود نہیں آیا بلکہ تم نے بلایا تھا۔ اس لیے مہمان کے ساتھ یہ سلوک زیبا نہ تھا۔
تمہاری طرح ہم لوگوں میں یہ دستور نہیں کہ ایک شخص خدا بن کر بیٹھے اور تمام لوگ اس کے آگے
بندہ ہو کر گردن جھکائیں، اس تقریر سے سارا دربار متاثر ہوا اور بعض لوگ بولے کہ ہماری یہ غلطی

تھی جو ایسی قوم کو ذلیل سمجھتے تھے۔ رستم شرمندہ ہوا اور ندامت مٹانے کے لیے کہا کہ یہ نوکروں
کی غلطی تھی۔ میرا حکم نہ تھا۔ اس کے بعد حضرت مغیرہ نے ترکش سے تیر نکالے اور ہاتھ میں لیے۔
بعض نے کہا۔ ان چھوٹے تیروں سے کیا ہو گا۔ آپ نے فرمایا۔ آگ گو چھوٹی ہوتی ہے مگر پھر بھی
آگ ہے۔ رستم نے کہا آپ کچھ انعام لے لیں اور واپس چلے جائیں۔ حضرت مغیرہ نے تلوار
کے قبضے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ اگر اسلام اور جزیہ منظور نہیں تو اس تلوار سے فیصلہ ہو گا۔ سبحان اللہ!
ہمارے اسلاف کس قدر دشمن کے مقابلہ میں بے باک ہوا کرتے تھے۔ (الفاروق، صفحہ:67)

عورتوں میں شوق جہاد

ہمارے اسلاف میں صرف مردوں کو ہی جہاد کا شوق نہیں تھا۔ بلکہ اس زمانے میں عورتیں بھی
اس جذبے سے سرشار تھیں۔ نمونے کے طور پر صرف حضرت خنسا کا واقعہ پیش کیا جاتا ہے۔
حضرت خنسا ایک مشہور شاعرہ ہیں۔ اہل علم کا اتفاق ہے کہ کسی عورت نے ان سے بہتر شعر نہیں کہا،
نہ ان سے پہلے اور نہ ان کے بعد۔ خلافت فاروق میں جب قادسیہ میں لڑائی ہوئی، اس میں حضرت
خنسا رضی اللہ عنہا اپنے چاروں بیٹوں سمیت شریک ہوئیں اپنے لڑکوں کو لڑائی سے پہلے نصیحت کی
اور لڑائی کی شرکت پر ابھارا۔ کہنے لگیں: میرے بیٹو! تم اپنی خوشی سے مسلمان ہوئے ہو اور اپنی ہی
خوشی سے تم نے ہجرت کی۔ اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں کہ جس طرح تم ایک ماں
کے پیٹ سے پیدا ہوئے ہو، اسی طرح ایک باپ کی اولاد ہو۔ میں نے تمہاری شرافت میں دھبہ
لگایا نہ تمہارے نسب کو میں نے خراب کیا۔ تمھیں معلوم ہے کہ اللہ جل شانہٗ مسلمانوں کے لیے
کافروں سے لڑائی میں کیا ثواب رکھا ہے۔ تمھیں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ دنیا کی فانی زندگی سے
آخرت کی باقی زندگی کئی درجے بہتر ہے۔ اللہ جل شانہٗ کا ارشاد ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۔

(سورۂ آل عمران، آیت:200)

ترجمہ: اے ایمان والو! صبر کرو اور صبر میں دشمنوں سے آگے رہو اور سرحد پر اسلامی ملک
کی نگہبانی کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو اس امید پر کہ کامیاب ہو۔

لہٰذا اے میرے بیٹو! کل صبح اٹھو تو نہایت ہوشیاری سے لڑائی میں شرکت کرو اور جب دیکھو کہ لڑائی زور پر آگئی ہے اور اس کے شعلے بھڑکنے لگے ہیں تو اس کی گرم آگ میں گھس جانا اور کافروں کے سردار کا مقابلہ کرنا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ جنت میں اکرام کے ساتھ داخل ہوگے۔

چنانچہ جب صبح کو لڑائی زوروں پر تھی، پھر جب شعلے بھڑکنے لگے تو چاروں لڑکوں میں ایک ایک نمبروار آگے بڑھتا اور اپنی اماں جان کی نصیحت کو اشعار میں پڑھ کر لڑتا تھا۔ جب وہ شہید ہوجاتے ہیں اور ماں کو ان چاروں کی شہادت کی خبر ملتی ہے تو وہ کہتی ہے: اللہ تبارک وتعالیٰ کا بے حد شکر ہے کہ رحمت کے سائے میں ان چاروں بیٹوں کے ساتھ میں بھی رہوں گی۔

(اسد الغابہ، حکایات صحابہ، صفحہ:226)

☆☆☆

چھٹا وعظ

جہاد کی فضیلت

أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ. بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ.

اَلَّذِيْنَ آمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ أَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ وَأُولٰئِكَ هُمُ الْفَائِزُوْنَ. يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَجَنَّاتٍ لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ. خَالِدِيْنَ فِيْهَا أَبَدًا إِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ أَجْرٌ عَظِيْمٌ.

(سورہ توبہ، آیت:20 تا 22)

ترجمہ: جو ایمان لائے اور ہجرت کی اور اپنے مال وجان سے اللہ کی راہ میں لڑے، اللہ کے یہاں ان کا درجہ بڑا ہے اور وہی مراد کو پہنچے، ان کا رب انھیں خوش خبری سناتا ہے اپنی رحمت اور اپنی رضا کی اور ان باغوں کی جن میں انھیں دائمی نعمت ہے، ہمیشہ ہمیشہ ان میں رہیں گے۔ بے شک اللہ کے پاس بڑا ثواب ہے۔

اللہ جل شانہ نے قرآن مجید میں جہاد پر بہت زور دیا ہے اور متعدد آیات جہاد کے بارے میں نازل فرمائیں۔ ایک مقام پر حکم دیا: وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ فَإِنِ انْتَهَوْا فَإِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ. وَإِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمُوْا أَنَّ اللّٰهَ مَوْلٰكُمْ نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ. (سورۂ انفال، آیت:40-30)

ترجمہ: ان سے لڑو، یہاں تک کہ کوئی اور فتنہ باقی نہ رہے اور سارا دین اللہ کا ہی ہوجائے۔ پھر اگر وہ باز رہیں تو اللہ ان کے کام کو دیکھ رہا ہے اور اگر وہ پھریں (ایمان لانے سے) تو جان لو کہ اللہ تمہارا مولیٰ ہے۔ تو کیا ہی اچھا مولیٰ ہے اور کیا ہی اچھا مددگار ہے۔ ایک جگہ ارشاد فرمایا:

يٰأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا إِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ.

(سورۂ انفال، آیت:45)

ترجمہ: اے ایمان والو! جب کسی فوج سے تمہارا مقابلہ ہو تو ثابت قدم رہو اور اللہ کی یاد بہت کرو کہ تم مراد کو پہنچو۔

وَأَعِدُّوا لَهُم مَّا اسْتَطَعْتُم مِّن قُوَّةٍ وَمِن رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ وَآخَرِينَ مِن دُونِهِمْ لَا تَعْلَمُونَهُمُ اللَّهُ يَعْلَمُهُمْ وَمَا تُنفِقُوا مِن شَيْءٍ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ وَأَنتُمْ لَا تُظْلَمُونَ۔ (سورۂ انفال، آیت:60)

ترجمہ: ان کے لیے تیار رکھو جو قوت تمھیں بن پڑے اور جتنے گھوڑے باندھ سکو کہ ان سے ان کے دلوں میں دھاک بیٹھاؤ جو اللہ کے اور تمہارے دشمن ہیں۔ ان کے سوا کچھ اوروں کے دلوں میں جنھیں تم نہیں جانتے، اللہ انھیں جانتا ہے اور اللہ کی راہ میں جو خرچ کروگے، تمھیں پورا دیا جائے گا اور کسی طرح گھاٹے میں نہ رہوگے۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى الْقِتَالِ إِن يَكُن مِّنكُمْ عِشْرُونَ صَابِرُونَ يَغْلِبُوا مِائَتَيْنِ وَإِن يَكُن مِّنكُم مِّائَةٌ يَغْلِبُوا أَلْفًا مِّنَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُونَ۔ (سورۂ انفال، آیت:65)

ترجمہ: اے غیب کی خبریں دینے والے! مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دو۔ اگر تم میں سے بیس صابر ہوں تو دو سو پر غالب ہوں گے اگر تم میں سے سو ہوں تو ایک ہزار کفار پر غالب ہوں گے اس لیے کہ وہ سمجھ نہیں سکتے۔

قَاتِلُوهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللَّهُ بِأَيْدِيكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُورَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِينَ۔ (سورۂ توبہ، آیت:14)

ترجمہ: تم ان سے لڑو، اللہ انھیں عذاب دے گا تمہارے ہاتھوں سے، تمھیں ان پر مدد دے گا، ایمان والوں کا جی ٹھنڈا کرے گا۔

انفِرُوا خِفَافًا وَثِقَالًا وَجَاهِدُوا بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنفُسِكُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ۔ (سورۂ توبہ، آیت:41)

ترجمہ: کوچ کرو ہلکی جان سے چاہے بھاری دل سے اللہ کی راہ میں لڑو اپنے مال اور جان سے، کیوں کہ یہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر جانو۔

اس خالق کائنات نے اپنے محبوب اور پیارے رسول حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرمایا: يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ وَمَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ۔ (سورۂ توبہ، آیت:73)

ترجمہ: اے غیب کی خبریں دینے والے! جہاد فرمائیں کافروں اور منافقین سے اور اُن پر سختی کریں کہ ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور کیا ہی بری جگہ ہے پلٹنے کی۔

یہی وجہ ہے کہ نبی مختار صاحب لولاک رحمۃ للعالمین کی حیات طیبہ کا ایک معتدبہ حصہ محض جہاد فی سبیل اللہ اور اس کی تبلیغ و تلقین میں گزرا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم خود فرماتے ہیں:

وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَوَدِدْتُ أَنْ أُقْتَلَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ أُحْيٰى ثُمَّ أُقْتَلَ ثُمَّ أُحْيٰى ثُمَّ أُقْتَلَ ثُمَّ أُحْيٰى ثُمَّ أُقْتَلَ ثُمَّ أُحْيٰى ثُمَّ أُقْتَلَ۔ (مشکوٰۃ، صفحہ:32، متفق علیہ)

ترجمہ: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے۔ مجھے یہ بات بہت پسند ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں شہید ہوؤں۔ پھر زندہ ہوؤں، پھر شہید ہوؤں پھر زندہ ہوؤں، پھر شہید کیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں، پھر شہید کیا جاؤں۔

جہاد کے منافع

ذرا غور کرو کہ جہاد فی سبیل اللہ میں کون سی خوبی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بار بار متعدد مقامات میں جہاد کا حکم دیا ہے اور نبی مختار اور سارے صحابی خوشی خوشی جہاد میں جان قربان کرنے کو اپنی سعادت سمجھتے ہیں۔ غور کرنے سے معلوم ہو جائے گا کہ جہاد ہی سے آزادی حاصل ہوتی ہے۔ جہاد ہی سے ملک خدا کی بادشاہی ملتی ہے، جہاد ہی سے جنت اور جہاد ہی سے خدائے دو جہاں کی رضا حاصل ہوتی ہے۔ اب جہاد کے چند منافع دینوی و دنیاوی سپرد قلم کیے جاتے ہیں۔

جہاد سے ساری زمین کی خلافت مل سکتی ہے

اگر مسلمانوں میں جہاد اور جانی و مالی قربانیوں کے جذبات ہوں تو وہ باوجود قلیل تعداد کے

تمام دنیا پر غالب آسکتے ہیں اور زمین کی بادشاہی وخلافت کے مالک باذن اللہ ہو سکتے ہیں۔ خود بادشاہ حقیقی اس کا وعدہ فرماتا ہے:

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا۔ (سورۂ نور، آیت:55)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ان سے جو تم میں سے ایمان لائے اور اچھے کام کیے کہ ضرور انھیں زمین میں خلافت دے گا جیسے ان سے پہلے کو دی (حضرت سلیمان علیہ السلام وغیرہ کو) اور ضرور ان کے لیے جمادے گا ان کا وہ دین جو ان کے لیے پسند فرمایا ہے (یعنی اسلام) اور ضرور ان کے اگلے خوف کو امن سے بدل دے گا۔

شان نزول

سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی نازل ہونے سے دس سال تک مکہ مکرمہ میں مع اصحاب پاک قیام فرمایا اور کفار کی ایذاؤں پر جو روز ہوتی رہتی تھیں صبر کیا۔ پھر بحکم الٰہی مدینہ طیبہ کو ہجرت فرمائی اور انصار کے منازل کو اپنی سکونت سے سرفراز فرمایا۔ مگر قریش اس پر بھی باز نہ آئے، روزمرہ ان کی طرف سے جنگ کے اعلان ہوتے اور طرح طرح کی دھمکیاں دی جاتیں۔ صحابہ کرام علیہم الرضوان ہر وقت خطرے میں رہتے اور ہتھیار ساتھ رکھتے۔

ایک روز ایک صحابی نے عرض کیا: کیا کبھی ایسا بھی زمانہ آئے گا کہ ہمیں امن میسر ہوگا اور ہتھیاروں کے بارے میں ہم سبکدوش ہوں گے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ صحابہ کو تسلی دی گئی کہ ضرور ایسا وقت آئے گا۔ چنانچہ مسلمانوں کا تسلط ہوا، مشرق ومغرب کے ممالک اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے فتح فرمائے، کافروں کے ممالک وخزائن ان کے قبضے میں آگئے اور ساری دنیا پر مسلمانوں کا رعب چھا گیا۔ (تفسیر خزائن العرفان)

حضرات! آج بھی اگر کامل ایمان، اعمال صالحہ اور جہاد جانی ومالی قربانیوں کا جذبہ ہو تو ہم دنیا پر چھا سکتے ہیں، کیوں کہ سچے کا وعدہ سچا ہے۔

جہاد سے عبادت گاہیں محفوظ رہتی ہیں

اللہ تبارک وتعالیٰ نے سورۂ حج میں جہاد کی ایک برکت یہ بیان فرمائی کہ اس سے عبادت گاہیں محفوظ رہتی ہیں۔ چنانچہ ارشاد فرمایا: وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ۔ (سورۂ حج، آیت:40)

ترجمہ: اللہ اگر آدمیوں میں ایک دوسرے سے دفع نہ فرماتا تو ضرور ڈھادی جاتیں خانقاہیں اور گرجا (نصرانیوں کے) اور کلیسے (یہودیوں کے) اور مسجدیں (مسلمانوں کی) جن میں اللہ کا بکثرت نام لیا جاتا ہے، بے شک اللہ تعالیٰ مدد فرمائے گا اس کی جو اس کے دین کی مدد کرے گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ قوت والا، غالب ہے۔

مخالفین اسلام کی عادت ہے کہ وہ دوسری قوموں کے عبادت خانوں کا احترام نہیں کرتے، ان کی بے عزتی میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھتے اور ان کو غارت اور منہدم کردیتے ہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے جو عام طور پر ہمارے قرب وجوار میں دیکھا جاتا ہے۔

جہاد سے کامیابی، جنت، رضائے الٰہی ملتی ہے

جہاد کا ایک بڑا کرشمہ یہ ہے کہ یہ مجاہدین اسلام کے لیے دونوں جہاں کی کامیابی کا تمغہ ہے۔ جنت کی بشارت ملتی ہے اور سب سے بڑھ کر اللہ کی رضا حاصل ہوتی ہے۔ اللہ خود فرماتا ہے:

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ۔ يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ۔ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ۔

(سورۂ توبہ، آیت:20 تا 22)

ترجمہ: جو ایمان لائے اور ہجرت کی اور اپنے مال وجان سے اللہ کی راہ میں لڑے، اللہ کے یہاں ان کا درجہ بڑا ہے اور وہی مراد کو پہنچے۔ ان کا رب ان کو خوشخبری سناتا ہے اپنی رحمت اور

اپنے ان باغوں کی جن میں انھیں دائمی نعمت ہے، ہمیشہ ان میں رہیں گے۔ بے شک اللہ کے پاس بڑا ثواب ہے۔

ان آیتوں میں جہاد کے مندرجہ ذیل منافع عظیم بیان فرمائے گئے:

ا۔ جہاد سے دین ودنیا کی کامیابی وکامرانی حاصل ہوتی ہے۔ یہی وجہ تھی کہ ہمارے اسلاف میں جہاد کا جذبہ تھا، وہ جانی ومالی قربانیوں سے دریغ نہیں کرتے تھے۔ دریاؤں میں کود جایا کرتے تھے۔ لڑائی کے شعلوں میں گھس جاتے تھے۔ جان کی ذرہ بھر پرواہ نہیں کرتے تھے۔ جس کی وجہ سے وہ ہمیشہ حکمراں کی حیثیت سے باعزت زندگی بسر کرتے تھے۔ جب سے مسلمانوں نے جہاد کو چھوڑا، جانی ومالی قربانیاں کرنی چھوڑ دیں، مفاد پرستی، عیش پرستی میں ڈوب گئے، اس وقت سے مسلمان غلامانہ زندگی اور ذلت کی زندگی گزار رہے ہیں، اب بھی رب کی رحمت دور نہیں۔ ذرا سی ہمت کی ضرورت ہے۔ راہ الٰہی میں لگے رہیں، جانی ومالی قربانی کرنی شروع کردیں، بخدا دونوں جہانوں کی کامیابی ان کے قدم چومے گی اور قوم مسلم کا گیا ہوا وقار واپس آجائے گا۔

مجاہد کے جوٹھے کی برکت

حکایت: چوروں کی ایک جماعت ایک رات کسی عبادت خانے میں داخل ہوئی۔ وہاں ایک عابد تھا جس کا بچہ اپاہج تھا اور پاؤں سے معذور تھا۔ چوروں نے عابد کے سامنے اپنا مجاہد ہونا ظاہر کیا۔ عابد نے ان کو مجاہد سمجھتے ہوئے ان کا بہت احترام واکرام کیا اور ان کا جھوٹا پانی لے کر اپنے بچے کا پاؤں دھودیا، رات گزری، جب صبح ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے بچے کا پاؤں تندرست فرمادیا۔ چور صبح اٹھ کر چلے گئے، لوٹ مار کر کے پھر اسی معبد میں واپس آگئے۔ انھوں نے بچے کو دیکھا کہ اس کا پاؤں صحیح وسالم ہے تو اس کے باپ سے اس کی حقیقت پوچھی۔ بچے کے باپ نے کہا کہ میں نے تمہارا جوٹھا پانی لے کر بچے کا پاؤں دھودیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس پانی کی برکت سے شفا عطا فرمائی ہے۔ انھوں نے کہا کہ بھائی ہم تو مجاہد نہیں بلکہ چور ہیں۔ صرف تیری نیک نیتی کا ثمرہ ہے جو تو مجاہدوں کے بارے میں رکھتا تھا۔ اب چوروں کے دل کی کایا پلٹی چوروں نے

خالص توبہ کی اور سچے مجاہد بن گئے۔ (نزہۃ المجالس، حصہ اول، صفحہ:171)

مجاہد کی زبان کی برکت

حکایت: حضرت ابوقدامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں ایک قوم کا امیر تھا۔ میں نے لوگوں کو جہاد کی دعوت دی تو ایک خاتون آئی اور مجھے ایک کاغذ اور ایک تھیلی دے کر چلی گئی۔ جب میں نے کاغذ کو پڑھا تو اس میں لکھا ہوا تھا کہ اے امیر! تو نے ہمیں جہاد کی دعوت دی۔ میرے پاس اور کوئی طاقت نہیں ہے۔ یہ ایک تھیلی پیش کرتی ہوں جس میں میرے سر کے بال ہیں۔ ان بالوں کی رسی بنا کر اپنے گھوڑے کو باندھ دیا کرو۔ ممکن ہے کہ اس کی برکت سے ارحم الراحمین مجھ پر رحم وکرم فرمادے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ جب میں نے دشمن کے مقابلے کے لیے صف آرائی کی اور جنگ شروع ہوئی تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک چھوٹا سا بچہ جنگ کررہا ہے۔ میں نے اس پر رحم کرتے ہوئے واپس جانے کو حکم دیا، تو اس نے کہا کہ تو مجھے واپس جانے کا حکم دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ واپس جانے سے روکتا ہے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ۔ (سورۂ انفال، آیت:15)

ترجمہ: اے مومنو! جب کافروں سے تمہارا مقابلہ میدان جنگ میں ہو تو تم ان سے اپنی پیٹھ نہ پھیرو۔

پھر اس نے مجھ سے تین تیر بطور قرضہ مانگے۔ میں نے کہا کہ میں اس شرط پر دیتا ہوں کہ اگر اللہ تعالیٰ تجھے شہادت نصیب کرے تو میری سفارش کرنا، اس نے کہا بہت اچھا۔ اس نے ان تیروں سے تین کافر قتل کیے، پھر اسے دشمن کی طرف سے ایک تیر لگا۔ میں نے اس سے کہا کہ میری بات بھلا نہ دینا، اس نے کہا کہ نہیں بھلاؤں گا۔ مگر میری ایک بات قبول کرو کہ میری اماں جان کو میرا اسلام عرض کردینا۔ جب اس کی روح نکل گئی، تو میں نے اس کو قبر میں دفن کردیا مگر زمین نے اس کو باہر نکال دیا۔ میں نے دل میں کہا کہ شاید اپنی والدہ کی اجازت کے بغیر جنگ میں شریک ہوا ہے، پھر میں نے دو نفل ادا کی اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کی۔ اتنے میں آواز آئی: اے ابوقدامہ! اللہ کے ولی کو چھوڑ دے، پھر کچھ پرندے آئے اور اس کو کھا گئے۔

جب میں اس کی والدہ کے پاس واپس گیا، اس کی والدہ نے کہا کہ غم کی خبر سناؤ یا خوشی کی مجھے کچھ فرق نہیں پڑتا۔ میں نے کہا کہ یہ کیسے؟ اس نے کہا کہ اگر وہ خود مر گیا ہے تو یہ غم کی خبر ہے اور اگر شہید ہوا ہے تو خوشی کی خبر ہے۔ میں نے کہا کہ وہ شہید ہوا ہے، تو اس خاتون نے کہا کہ واقعی تو سچا ہے کہ وہ شہید ہو گیا۔ کیوں کہ وہ دعا مانگا کرتا تھا کہ یا اللہ! میرا حشر پرندوں کے پوٹوں میں کر۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے اس کی دعا قبول کر لی ہے۔ (نزہۃ المجالس، صفحہ:61)

دوسری چیز جو مجاہد فی سبیل اللہ کو حاصل ہوتی ہے وہ رضائے الٰہی ہے اور یہ حقیقت ہے کہ تمام نعمتوں سے بڑی نعمت بندہ کے لیے رضائے مولیٰ ہے۔ اصل مقصود رضائے مولیٰ ہے، باقی سب نعمتیں فروع ہیں۔

تیسرا فائدہ جو جہاد سے حاصل ہوتا ہے وہ جنت کا حصول ہے۔ مجاہد جانی و مالی قربانی کرنے والے کے لیے جنت تیار ہے اور وہ بڑے اعزاز و اکرام سے اس وقت جنت میں داخل کیا جائے گا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اِنَّ اَبْوَابَ الْجَنَّةِ تَحْتَ ظِلَالِ السُّيُوْفِ۔ یعنی جنت تلواروں کے سایے میں ہے۔

ایک شخص پھٹے ہوئے کپڑوں والا کھڑا ہوا اور راوی سے پوچھا کہ تو نے یہ حدیث حضور سے سنی ہے؟ راوی نے کہا: ہاں! شخص مذکور اپنے دوستوں کی طرف آیا، ان کو سلام کیا اور اپنی تلوار کا غلاف پھاڑ دیا۔ پھر دشمن خدا سے لڑ پڑا، یہاں تک کہ شہید ہو گیا۔ (مشکوٰۃ، صفحہ:334)

غزوۂ بدر میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایک خیمے میں تشریف فرما تھے۔ آپ نے صحابہ کرام سے ارشاد فرمایا کہ بڑھو ایسی جنت کی طرف جس کی چوڑائی آسمان و زمین سے کہیں زیادہ ہے۔ عمیر ابن حمام ایک صحابی نے یہ سن کر کہا: واہ واہ!

حضور نے فرمایا: واہ واہ کس لیے کہی؟ انھوں نے عرض کیا: واللہ! مجھے تمنا ہے کہ میں بھی اہل جنت سے ہو جاؤں۔ آپ نے فرمایا: تو بھی جنتی ہے۔ عمیر نے چند کھجوریں تھیلے سے نکالیں اور کھانے لگا۔ اس کے بعد کہنے لگا، ان کھجوروں کے کھانے تک اگر میں زندہ رہوں تو بہت لمبی زندگی ہے، یہ کہہ کر ان کو پھینک دیا اور کفار سے لڑنے لگا، یہاں تک کہ شہید ہو گیا۔
(مشکوٰۃ، صفحہ:331)

شہید کا مرتبہ

جہاد کے منافع میں سے ایک نفع یہ بھی ہے کہ اگر دشمن کو مار دیا تو غازی، اگر دشمن نے اس کو قتل کر دیا تو شہید، اور شہادت وہ مرتبۂ علیا ہے جس کی طلب انبیائے عظام نے بلکہ خود امام الانبیاء نے کی اور ہر زمانے میں اولیا اور اصفیا کرتے آئے ہیں۔ ہماری ظاہری نظر سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ شہید کا بدن تلوار سے زخمی یا تیروں سے چھلنی ہوتا ہے، خون نکلتا ہے، اس کو بہت تکلیف ہوتی ہوگی، مگر جب شہید سے پوچھا جائے تو وہ کہتا ہے کہ راہ خدا میں مجھے تلوار لگنا، بدن زخمی ہونا، گلا کاٹا جانا، شہد سے زیادہ میٹھا اور لذیذ ہے، کیوں کہ شہید کو وقت شہادت ایک خاص لذت حاصل ہوتی ہے۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: اَلشَّهِيْدُ لَا يَجِدُ اَلَمَ الْقَتْلِ اِلَّا كَمَا يَجِدُ اَحَدُكُمْ اَلَمَ الْقَرْصَةِ۔ (ترمذی ونسائی، مشکوٰۃ، صفحہ:33)

ترجمہ: شہید کو صرف اتنی تکلیف ہوتی ہے جتنی کہ تم میں کسی کو چیونٹی کاٹ لے۔

یہی وجہ ہے کہ کوئی شخص مر کر دوبارہ دنیا میں آنے کی خواہش نہیں کرتا ہے، مگر شہید یہ خواہش رکھتا ہے کہ دوبارہ دنیا میں جاؤں اور جہاد کروں اور شہادت حاصل کروں۔ کیوں کہ وہ شہادت میں تلوار کے لگنے میں ایک لذت محسوس کرتا ہے۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مَا مِنْ نَفْسٍ مُسْلِمَةٍ يَقْبِضُهَا رَبُّهَا تُحِبُّ اَنْ تَرْجِعَ اِلَيْكُمْ وَاَنَّ لَهَا الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا غَيْرُ الشَّهِيْدِ۔ (سنن نسائی، مشکوٰۃ، صفحہ:335)

ترجمہ: کوئی جان جس کو اس کے رب نے قبض کر لیا ہے، دوست نہیں رکھتی کہ واپس تمہاری طرف آئے اور اس کو دنیا و مافیہا حاصل ہو، مگر شہید کہ اس کی جان واپس آنے کو دوست رکھتی ہے۔

شہید، حوروں کی گود میں

شہید پر رب کا اتنا کرم ہے کہ جب خون کا پہلا قطرہ گرتا ہے تو وہ حور کی گود میں پہنچ جاتا ہے۔ یہ مسئلہ خوب غور سے سنیے اور اپنے ایمان کو تازہ کیجیے۔ طبرانی، بزاز، بیہقی اور یزید بن شجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی ہیں کہ انھوں نے فرمایا: اَوَّلُ قَطْرَةٍ مِنْ دَمِ الشَّهِيْدِ تُكَفِّرُ مِنْهُ

كُلَّ شَيْءٍ عَمِلَهُ وَتَنْزِلُ إِلَيْهِ زَوْجَتَانِ مِنَ الْحُوْرِ الْعِيْنِ تَمْسَحَانِ التُّرَابَ عَنْ وَجْهِهِ ثُمَّ يُكْسٰى مِائَةَ جُبَّةٍ لَيْسَتْ مِنْ نَسِيْجِ بَنِيْ اٰدَمَ وَلٰكِنْ مِنْ نَبْتِ الْجَنَّةِ۔

(شرح الصدور، صفحہ:84)

یعنی جب شہید کے خون کا پہلا قطرہ گرتا ہے تو اس کا ہر برا عمل معاف ہو جاتا ہے اور دو حوریں جو اس کی (جنتی) بیویاں ہیں اس کے پاس آتی ہیں، اس کے چہرے سے غبار پونچھتی ہیں، پھر اس کو ہزار پوشاک پہنائی جاتی ہیں جو بنی نوع انسان کی بنی ہوئی نہیں ہوتی، بلکہ جنت سے بن کر آتی ہے۔ نیز بیہقی نے سند حسن سے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی ہے کہ ایک اعرابی جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھا، جنگ میں شہید ہو گیا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بہ نفس نفیس اس کے سرہانے تشریف فرما ہوئے، تبسم فرمایا اور پھر اس سے اپنا چہرۂ اقدس پھیر لیا۔ جب آپ سے اس کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا: باقی چہرہ اس لیے پھیر لیا کہ ابھی اس کے پاس اس کی بیوی حور آئی جو اس کے سرہانے کھڑی ہو گئی۔ (شرح الصدور، صفحہ:84)

حکایت: محمود وراق فرماتے ہیں کہ ہمارے یہاں ایک حبشی غلام تھا، میں نے اس سے پوچھا کہ کیا تو نے نکاح کیا ہے؟ کہنے لگا کہ نکاح رب کریم حورعین سے فرمائے گا۔ پھر ہم جہاد کے لیے گئے، دشمن سے مقابلہ کیا اور وہ غلام شہید ہو گیا۔ ہم نے دیکھا کہ اس کا سر ایک جگہ ہے اور جسم دوسری جگہ۔ ہم نے پوچھا کہ اے غلام! بتا کتنی حوروں کے ساتھ نکاح کیا ہے۔ اس نے ہاتھ اٹھا کر تین انگلیوں سے اشارہ کر کے بتلایا کہ تین حوروں کے ساتھ نکاح کیا ہے؟ (نزہۃ المجالس، صفحہ:62)

شہید کا زندہ ہونا

اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنی جان قربان کرنے والا اور اپنا گلا کاٹنے والا مرتا نہیں، بلکہ اس کو حیات جاودانی حاصل ہوتی ہے کہ جس کے بعد موت نہیں۔ شہدا کی حیات خود قرآن مجید میں منصوص ہے۔ ارشاد ہے: وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ۔ فَرِحِيْنَ بِمَا اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ أَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۔ يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ وَّأَنَّ

اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ أَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ (سورۂ آل عمران، آیت:169 تا 171)

ترجمہ: جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں مارے گئے، ہرگز انھیں مردہ نہ خیال کرنا، بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں، روزی پاتے ہیں۔ شاد (خوشی و خرم) ہیں، اس پر جو اللہ نے انھیں اپنے فضل سے دیا اور خوشیاں منا رہے ہیں، اپنے پچھلوں پر جو ابھی ان سے نہ ملے کہ ان پر کچھ اندیشہ ہے نہ کچھ غم، خوشیاں مناتے ہیں اللہ کی نعمت اور فضل پر اور یہ کہ اللہ اجر مسلمانوں کا ضائع نہیں کرتا۔

شان نزول

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تمہارے بھائی احد میں شہید ہوئے، اللہ تعالیٰ نے ان کی ارواح کو سبز پرندوں کے قالب عطا فرمائے، وہ جنتی نہروں پر سیر کرتے پھرتے ہیں، جنتی میوے کھاتے ہیں، طلائی قنادیل جو زیر عرش معلق ہیں ان میں رہتے ہیں۔ جب انھوں نے کھانے پینے رہنے کے لیے پاکیزہ عیش پائے تو کہا کہ ہمارے بھائیوں کو کون خبر دے کہ ہم جنت میں زندہ ہیں تاکہ وہ جنت سے بے رغبتی نہ کریں اور جنگ سے بیٹھ نہ رہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں انھیں تمہاری خبر پہنچاؤں گا۔ پس یہ آیت نازل فرمائی۔ (مشکوٰۃ، صفحہ:334)

اس آیت پاک سے ثابت ہوا کہ شہدا باذن اللہ زندہ ہوتے ہیں، رزق کھاتے ہیں، سیر کرتے ہیں اور خوشیاں مناتے ہیں۔ اب میں ان کی حیات پر چند حکایات کتب معتبرہ سے نقل کرتا ہوں تاکہ سامعین حضرات کو واضح ہو جائے کہ شہدا زندہ ہیں۔

حکایت: بیہقی نے دلائل النبوۃ میں بعض احباب سے نقل کیا ہے کہ اس نے ایک مکان کو کھودا، اس کے نیچے ایک کھڑکی تھی۔ جب کھڑکی کو کھولا تو کیا دیکھتا ہے کہ ایک بزرگ تخت پر تشریف فرما ہیں اور ان کے سامنے قرآن پاک رکھا ہوا ہے۔ وہ اس کی تلاوت کر رہا ہے اور اس کے آگے ایک بڑا خوبصورت سبز باغیچہ ہے، یہ مقام اُحد کا تھا۔ اس نے یہ جان لیا کہ یہ بزرگ شہدائے احد سے ہیں کیوں کہ ان کے چہرے پر زخم کا نشان موجود تھا۔ (شرح الصدور، صفحہ:85)

حکایت: زین العابدین نے عبدالرحمن نوری فقیہ سے نقل کیا ہے جب وہ منصور شہر میں

فرنگیوں کے پاس قیدی تھے تو عبدالرحمن نویری رحمۃ اللہ علیہ قرآن کی تلاوت کر رہے ہیں کہ یہ آیت وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ. تلاوت فرمائی۔ جب آپ کو شہید کر دیا گیا تو ایک فرنگی آیا، جس کے ہاتھ میں ایک برچھی تھی۔ برچھی ان کے دل پر رکھ کر کہا کہ اے مسلمانوں کے عالم! تو پڑھتا تھا کہ شہدا زندہ ہوتے ہیں۔ تم کہاں زندہ ہو؟ اسی وقت آپ نے اپنا سر اٹھایا اور فرمایا: حَيٌّ وَّرَبِّ الْكَعْبَةِ. میں زندہ ہوں مجھے کعبہ شریف کے خدا کی قسم! دو دفعہ آپ نے یہ کلمات فرمائے۔ فرنگی نے بڑھ کر آپ کے چہرے کو بوسہ دیا اور اپنے غلام کو حکم دیا کہ اس کو اٹھا کر شہر میں لے چلو۔ (شرح الصدور، صفحہ:86)

حکایت: رسالہ قشیری جو ایک معتبر کتاب ہے، اس میں حضرت ابو سعید خراز رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ میں ایک دفعہ مکہ میں تھا، میں نے باب بنی شیبہ میں ایک جوان مرا ہوا دیکھا، جب میں نے اس کی طرف نگاہ کی تو اس جوان نے تبسم فرمایا اور مجھے کہا: یَا اَبَا سَعِیْدٍ اَمَا عَلِمْتَ اَنَّ الْاَحِبَّاءَ اَحْیَاءٌ وَاِنْ مَّاتُوْا وَاِنَّمَا یُنْقَلُوْنَ مِنْ دَارٍ اِلٰی دَارٍ. (شرح الصدور، صفحہ:86)

ترجمہ: اے ابو سعید! کیا تو نہیں جانتا کہ اللہ کے محبوب زندہ ہوتے ہیں، وہ مرتے نہیں بلکہ ایک مکان سے دوسرے مکان کی طرف تشریف لے جاتے ہیں۔

حکایت: ملک شام کے تین بھائی بہادر سوار جہاد کر رہے تھے کہ ایک مرتبہ رومیوں نے انھیں گرفتار کر لیا۔ ان سے بادشاہ نے کہا کہ میں تمھیں ملک دوں گا، اپنی بیٹیوں سے شادی کراؤں گا، تم نصرانی ہو جاؤ۔ انھوں نے انکار کر دیا اور پکارا: یَا مُحَمَّدَاہُ! اس سے معلوم ہوا کہ وقت مصیبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حرف ندا سے پکار کر مدد حاصل کرنا جائز ہے۔ بادشاہ کے حکم سے تین دیگیں آگ پر رکھ دی گئیں اور ان میں روغن زیتون گرم کیا گیا۔ تین دن تک وہ تیل کھولتا رہا۔ ہر روز انھیں وہ دکھایا جاتا اور نصرانیت کی دعوت دی جاتی مگر وہ انکار کرتے رہے۔ اس پر پہلے بڑا بھائی کھولتے تیل میں ڈالا گیا، پھر دوسرا، پھر چھوٹا قریب لایا گیا۔ اس کو بادشاہ نے دین سے منحرف کرنے کی ہر طرح کوشش کی۔ ایک درباری نے عرض کیا کہ اے بادشاہ! میں اسے اپنی تدبیر کے ساتھ دین سے منحرف کر لوں گا۔ بادشاہ نے پوچھا کہ کس طرح؟ اس نے کہا: میں جانتا ہوں کہ عرب عورتوں کی طرف جلد مائل ہو جاتے ہیں اور روم میں میری بیٹی سے بڑھ کر کوئی حسین و

جمیل نہیں ہے، لہٰذا اس کو میرے حوالے کیجیے تا کہ میں اسے لڑکی کے ساتھ چھوڑ دوں گا، وہ خود اس کو بہکا لے گی۔ چالیس روز کی میعاد مقرر کر کے بادشاہ نے اس درباری کے سپرد کیا۔ وہ اسے اپنے مکان پر لایا اور اپنی بیٹی کے ساتھ رکھا اور اس کو واقعے کی اطلاع دی۔ لڑکی نے کہا کہ آپ بے فکر رہو، اب یہ کام میرا ہے۔ مگر صورت حال یوں ہوئی کہ یہ شامی جوان دن بھر روزہ رہتا، تمام شب عبادت میں گزارتا، یہاں تک کہ میعاد پوری ہونے کے قریب ہو گئی تو اس درباری نے اپنی بیٹی سے دریافت کیا کہ تو نے کیا کیا؟ اس نے کہا کہ میں نے کچھ نہیں کیا۔ اس شخص کے دو بھائی اس شہر میں مارے گئے، مجھے اندیشہ ہے کہ یہ ان کی وجہ سے باز رہے، اس لیے مناسب ہے کہ بادشاہ سے میعاد میں توسیع کرائی جائے اور مجھے اور اس شخص کو کسی دوسرے شہر میں بھیج دے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا، لیکن شامی کی حالت وہاں بھی وہی رہی۔ وہی روزانہ کا روزہ اور ہر شب کی بیداری۔ یہاں تک کہ دوسری میعاد بھی ختم کے قریب پہنچی، تو ایک رات اس لڑکی نے کہا کہ اے شخص! میں تجھے رب عظیم کی تقدیس وطاعت میں مشغول دیکھتی ہوں، اس سے میرے دل میں یہ اثر ہوا ہے کہ میں نے اپنا آبائی دین ترک کر کے تیرا دین اختیار کر لیا۔ اب دونوں مشورہ کر کے وہاں سے ایک سواری پر اس طرح بھاگ نکلے کہ رات میں چلتے اور دن میں کہیں چھپ جاتے۔ ایک شب یہ دونوں جا رہے تھے کہ گھوڑوں کے آنے کی آواز آئی۔ دیکھا تو شامی کے دونوں بھائی تھے، ان کے ساتھ فرشتوں کی ایک جماعت تھی۔ شامی نے دونوں کو سلام کیا اور ان کا حال دریافت کیا۔ کہنے لگے کہ وہ ایک غوطہ ہی تھا جو تم نے دیکھا کہ ہم نے کھولتے تیل میں مارا، پھر ہم جنت میں جا نکلے۔ اب اللہ تعالیٰ نے ہمیں تمہارے پاس بھیجا ہے تا کہ اس صالحہ لڑکی کے ساتھ تمہاری شادی میں شرکت کریں۔ چنانچہ شادی کر کے واپس ہو گئے۔ (شرح الصدور، صفحہ:89)

اس سے ثابت ہوا کہ شہید زندہ ہوتے ہیں، جہاں چاہیں تشریف لے جاتے ہیں۔ جو لوگ ان کو مردہ کہتے ہیں ان کے خود دل مردہ ہیں۔

☆☆☆

ساتواں وعظ

ترک جہاد پر رب قہار کی سخت تہدید

أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ۔

أَمْ حَسِبْتُمْ أَن تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِينَ جَاهَدُوا مِنكُمْ وَيَعْلَمَ الصَّابِرِينَ۔ (سورۂ آل عمران، آیت:142)

ترجمہ: کیا اس گمان میں ہو کہ جنت میں چلے جاؤ گے اور ابھی اللہ نے تمہارے غازیوں کا امتحان نہ لیا اور نہ صبر والوں کی آزمائش کی۔

بعض حضرات صرف نماز ادا کر کے، زکاۃ دے کر اور چند وظائف پڑھ کر جنت کے ٹھیکیدار بن جاتے ہیں، حالاں کہ جہاد کی ضرورت کے باوجود جہاد میں شرکت نہیں کرتے اور مالی وجانی قربانیاں پیش نہیں کرتے۔ ان کے اس خیال کی تردید کے لیے باری تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

أَمْ حَسِبْتُمْ أَن تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِينَ جَاهَدُوا مِنكُمْ وَيَعْلَمَ الصَّابِرِينَ۔ (سورۂ آل عمران، آیت:142)

ترجمہ: کیا اس گمان میں ہو کہ جنت میں چلے جاؤ گے اور ابھی اللہ نے تمہارے غازیوں کا امتحان نہ لیا اور نہ صبر والوں کی آزمائش کی۔

اس آیت مقدسہ میں ایمانداروں کو سمجھایا گیا ہے کہ جس طرح دنیا میں بغیر جنگ وجہاد کیے، بغیر تکلیف اٹھائے اور بغیر ثابت قدم رہے دنیاوی سیادت اور فتح وکامرانی حاصل نہیں ہوسکتی، اسی طرح بغیر جہاد اور صبر کے سعادت اخروی بھی حاصل نہیں ہوسکتی۔ جو جہاد سے جی چرائے گا وہ جنت سے محروم رہے گا۔

مسلمان ہی سربلند ہیں

بعض انسان سستی کی وجہ سے جہاد میں شرکت نہیں کرتے یا جنگ کی سختیوں سے گھبرا جاتے ہیں کہ ہم جنگ کریں گے تو نیزوں، تیروں، گولیوں کا نشانہ بنیں گے۔ ادھر بال بچے کی حالت کیا ہوگی۔ پھر یہ معلوم نہیں کہ فتح وکامرانی حاصل ہوگی یا نہیں۔ اس کا جواب باری تعالیٰ قرآن مجید میں دیتا ہے: وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ۔

(سورۂ آل عمران، آیت:139)

ترجمہ: نہ سستی کرو اور نہ غم کھاؤ، تمھیں غالب آؤ گے اگر ایمان رکھتے ہو۔

اس آیت نے بتلا دیا کہ اگر قوم مسلم کے مقابلے میں تمام دنیا جمع ہو جائیں، تب بھی کامرانی کا سہرا اسی قوم مسلم کے سر پر باندھا جائے گا اور کوئی وجہ نہیں کہ مسلمان کامیاب نہ ہو، مگر شرط یہ ہے کہ ایمان کامل ہو، اپنے رب کریم پر پورا اعتماد رکھتا ہو، تو وہ ہم کو ضرور اپنے فضل سے کامیاب فرمائے گا۔ سورۂ انفال میں بھی ارشاد فرماتا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ۔

(سورۂ انفال، آیت:45)

ترجمہ: اے ایمان والو! جب کسی فوج سے تمہارا مقابلہ ہو تو ثابت قدم رہو اور اللہ کو خوب یاد کرو، تاکہ تم کامیاب ہو۔

اس آیت سے اتنا اور معلوم ہوا کہ سختی اور پریشانی کے عالم میں بھی ذکر الٰہی سے غافل نہیں ہونا چاہیے، کیوں کہ کامیابی کا راز اسی ذکر خدا میں مضمر ہے۔ پھر بعض یہ عذر کرتے ہیں کہ جناب ہم تھوڑے ہیں اور کفار کی تعداد بہت زیادہ ہے، کس طرح ہم کو کامیابی اور غلبہ حاصل ہوگا۔ یہ مولوی لوگ تو ہم کو خواہ مخواہ ہلاک کرنا چاہتے ہیں۔ اس شبہ کا جواب باری تعالیٰ نے یوں دیا:

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى الْقِتَالِ إِن يَكُن مِّنكُمْ عِشْرُونَ صَابِرُونَ يَغْلِبُوا مِائَتَيْنِ وَإِن يَكُن مِّنكُم مِّائَةٌ يَغْلِبُوا أَلْفًا مِّنَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُونَ۔

(سورۂ انفال، آیت:65)

ترجمہ: اے غیب کی خبر دینے والے! مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دو کہ اگر تم میں سے بیس صبر والے ہوں گے، تو وہ دو سو پر غالب ہوں گے اور اگر تم میں سے سو ہوں تو کافروں کے ہزار پر غالب ہوں گے، اس لیے کہ وہ سمجھ نہیں سکتے۔

اس آیت مقدسہ میں اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے کہ اگر مسلمانوں کی جماعت صابر ہے تو بمدد الٰہی دس گنے کافروں پر غالب رہے گی، کیوں کہ کفار جاہل ہیں اور ان کی غرض جنگ سے نہ حصول ثواب ہے نہ خوف خدا۔ محض جانوروں کی طرح لڑتے بھڑتے ہیں تو وہ للّٰہیت کے ساتھ لڑنے والے کے مقابل کب ٹھہر سکتے ہیں۔

نیز اس آیت کریمہ سے یہ پتہ چلا کہ ایک مسلمان کی طاقت بفضل خدا دس کافروں سے زائد ہے۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ۔

بعد میں رب تعالیٰ نے تخفیف فرمائی اور دوگنے کے مقابلے سے بھاگنا ممنوع فرمایا۔

ترک جہاد کا انجام

بعض محض ماں، باپ، بیٹے، اولاد کی محبت سے اور تجارت میں خسارہ پڑنے کی وجہ سے جہاد میں شمولیت نہیں کرتے۔ ان پر خدائے قہار نے سخت وعید فرمائی اور جہاد میں شریک ہونے پر رغبت دلائی۔ ارشاد باری ہوتا ہے: قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ ِاقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَاۤ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ۔ (سورۂ توبہ، آیت: 24)

ترجمہ: اے محبوب! آپ فرمادیں کہ اگر تمہارے باپ، تمہارے بیٹے، تمہارے بھائی، تمہاری عورتیں، تمہارا کنبہ، تمہاری کمائی کے مال اور وہ تجارت جس کے نقصان ہونے کا تمھیں ڈر ہے اور تمہارے پسندیدہ مکان یہ چیزیں اللہ و رسول اور اس کی راہ میں لڑنے سے زیادہ پیاری ہوں تو انتظار کرو، یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم لائے (یعنی عذاب نازل فرمائے) اور اللہ فاسقوں کو راہ نہیں دیتا۔

اس سخت دھمکی کے بعد بھی اگر کوئی شخص ان امور کی وجہ سے جہاد میں شرکت نہ کرے، تو اس کے فسق میں کیا شبہ ہے اور اس پر عذاب کے نازل ہونے میں کوئی شک نہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے عذاب سے بچائے، کیوں کہ کوئی بھی اس کے عذاب کو برداشت نہیں کرسکتا۔

جنگ کی گرمی سے جہنم کی گرمی سخت ہے

بعض بزدل اور آرام پسند ہوائی پنکھوں کے نیچے بیٹھنے والے محض اس لیے شریک جنگ نہیں ہوتے کہ گرمی کے موسم میں لڑنا بہت مشکل ہے۔ ان کو ان کا رب خطاب فرماتا ہے:

وَقَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ۔

(سورۂ توبہ، آیت: 81)

ترجمہ: (آرام پسند) بولے کہ اس گرمی میں نہ نکلو، آپ فرمادیں کہ جہنم کی آگ سب سے زیادہ گرم ہے۔ اگر انھیں کچھ سمجھ ہوتی تو تھوڑی دیر کی گرمی برداشت کرتے اور ہمیشہ کی آگ میں جلنے سے اپنے آپ کو بچالیتے۔

جہاد سے بھاگنا ہلاکت کا سبب ہے

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ۔ اِلَّا تَنْفِرُوْا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا وَّيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوْهُ شَيْـًٔا وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔ (سورۂ توبہ، آیت: 39-38)

ترجمہ: اے ایمان والو! تمھیں کیا ہوا کہ جب تم سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی راہ میں کوچ کرو، تو بوجھ کے مارے زمین پر بیٹھ جاتے ہو (سفر سے گھبراتے ہو)، کیا تم نے دنیا کی زندگی آخرت کے بدلے پسند کرلی ہے؟ اور اس دنیا کے اسباب آخرت کے سامنے معمولی ہیں، اگر تم کوچ نہ کروگے تو اللہ تمھیں سخت سزا دے گا اور تمہاری جگہ اور لوگ لے آئے گا جو تم سے بہتر ہوں گے اور جہاد کریں گے اور تم اس کا کچھ نہ بگاڑ سکوگے، کیوں کہ اللہ سب کچھ کرسکتا ہے۔

شان نزول

یہ آیت غزوۂ تبوک میں نازل ہوئی۔ تبوک ایک مقام کا نام ہے، اطراف شام میں مدینہ طیبہ سے چودہ منزل کے فاصلے پر۔ رجب 9 ہجری میں طائف سے واپسی کے بعد سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر پہنچی کہ عرب کے نصرانیوں کی تحریک سے ہرقل شاہ روم نے رومیوں اور شامیوں کی عظیم فوج جمع کر لی ہے اور مسلمانوں پر حملے کا ارادہ رکھتا ہے، تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو جہاد کا حکم دیا۔ یہ زمانہ نہایت تنگی اور قحط سالی اور شدت گرمی کا تھا، یہاں تک کہ دو دو آدمی ایک کھجور پر بسر کرتے تھے۔ سفر دور کا تھا، اور دشمن کثیر اور قوی بھی تھا، اس لیے بعض قبیلے پیچھے ہٹ گئے کیوں کہ انھیں اس وقت جہاد میں جانا گراں معلوم ہوا، اور اس غزوے میں بہت سے منافقین کا پردہ فاش اور ان کی حقیقت ظاہر ہو گئی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس غزوے میں بڑی ہمت سے خرچ کیا، دس ہزار دینار اس غزوے پر خرچ کیے، نو سو اونٹ اور سو گھوڑے مع ساز و سامان کے، ان کے علاوہ اور اصحاب نے بھی خوب خرچ کیا۔ ان میں سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنا نصف مال حاضر کیا اور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم تیس ہزار کا لشکر لے کر روانہ ہوئے۔ حضرت علی مرتضیٰ کو مدینہ طیبہ میں چھوڑا۔ عبداللہ بن ابی اور اس کے ہمراہ منافقین ثنیۃ الوداع تک چل کر رہ گئے۔

جب لشکر اسلام تبوک میں اترا تو انھوں نے دیکھا کہ چشمے میں پانی بہت تھوڑا ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں کلی فرمائی، جس کی برکت سے پانی میں جوش آیا اور چشمہ بھر گیا۔ لشکر اور اس کے تمام جانوروں نے پانی پیا۔ حضور نے کافی دیر تک یہاں قیام فرمایا۔ شاہ روم ہرقل اپنے دل میں آپ کو سچا نبی جانتا تھا، اس لیے اُسے خوف ہوا اور اس نے آپ سے مقابلہ نہ کیا۔ حضور نے اطراف میں لشکر بھیجے، چنانچہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو چار سو زائد سواروں کے ساتھ ایک حاکم دومۃ الجندل کے مقابلے میں بھیجا اور فرمایا کہ تم اس کو نیل گائے کے شکار میں پکڑ لو، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ جب وہ نیل گائے کے شکار کے لیے اپنے قلعے سے اترا اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اس کو گرفتار کر کے خدمت اقدس میں لائے تو حضور صلی

اللہ علیہ وسلم نے جزیہ مقرر فرما کر اس کو چھوڑ دیا۔ اسی طرح حاکم ایلہ پر اسلام پیش کیا اور جزیہ پر صلح فرمائی۔ واپسی کے وقت جب آپ مدینہ طیبہ کے قریب تشریف لائے تو جو لوگ جہاد میں ساتھ ہونے سے رہ گئے تھے، وہ حاضر ہوئے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کو فرمایا کہ ان میں سے کسی سے کلام نہ کریں اور اپنے پاس نہ بیٹھائیں، جب تک ہم اجازت نہ دیں، مسلمانوں نے ان سے اعراض کیا، یہاں تک کہ باپ اور بھائی کی طرف بھی التفات نہ کیا، تو اسی باب میں یہ آیت نازل ہوئی۔

غزوۂ تبوک میں غیر حاضری پر عتاب

غزوۂ تبوک میں منافقین کے علاوہ تین سچے پکے مسلمان بھی ایسے تھے جو بلا کسی عذر کے اس لڑائی میں شریک نہیں ہو سکے۔ ایک کعب بن مالک، دوسرے بلال بن امیہ اور تیسرے مرارہ بن ربیع۔ یہ تینوں حضرات کسی نفاق کی وجہ سے نہیں بلکہ خوش حالی ہی ان کے رہ جانے کا سبب بن گئی۔ حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی سرگزشت مفصل سناتے ہیں جو آگے آ رہی ہے۔ حضرت مرارہ کا باغ خوب پھل لایا ہوا تھا، انھوں نے خیال کیا کہ اگر میں چلا گیا تو یہ سب ضائع ہو جائے گا، ہمیشہ لڑائیوں میں شریک ہوتا ہی رہا ہوں، اگر اس مرتبہ رہ گیا تو کیا مضائقہ ہے، اس لیے ٹھہر گئے، مگر جب ہوش آیا تو چوں کہ باغ ہی اس کا سبب ہوا تھا، اس لیے سب اللہ کی راہ میں صدقہ کر دیا۔

حضرت بلال کے اہل و اعزہ کہیں گئے ہوئے تھے، اتفاق سے اس موقع پر سب جمع ہو گئے، ان کو بھی یہی خیال ہوا کہ ہمیشہ شرکت کرتا رہا ہوں، اگر اس موقعہ پر نہ جاؤں تو کیا حرج ہے، اس لیے ٹھہر گئے۔ مگر ہوش آنے پر سب سے تعلقات منقطع کر لینے کا ارادہ کیا کہ یہ تعلقات ہی اس لڑائی میں شرکت نہ کر سکنے کا سبب ہوئے۔

حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قصہ احادیث میں کثرت سے آتا ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں تبوک سے پہلے کسی لڑائی میں اتنا قوی اور مالدار نہ تھا جتنا کہ تبوک کے وقت تھا، اس وقت میرے پاس خود اپنی ذاتی دو اونٹنیاں تھیں، اس سے پہلے کبھی بھی دو اونٹنیوں کے میرے پاس

ہونے کی نوبت نہیں آئی۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمیشہ عادت شریفہ یہ تھی کہ جس طرف لڑائی کا ارادہ ہوتا تھا، اس کا اظہار نہیں فرماتے تھے بلکہ دوسرے جوانب کے احوال دریافت فرماتے تھے، مگر اس لڑائی میں چوں کہ گرمی شدید تھی اور سفر بھی دور کا تھا، ان کے علاوہ دشمنوں کی بھی بہت بڑی تعداد تھی، اس لیے صاف اعلان فرمادیا گیا، تاکہ لوگ تیاری کرلیں۔

چنانچہ مسلمانوں کی اتنی بڑی جماعت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوگئی کہ رجسٹر میں ان کا نام بھی لکھنا دشوار تھا اور مجمع کی کثرت کی وجہ سے کوئی شخص اگر چھپنا چاہتا کہ میں نہ جاؤں تو دشوار نہ تھا، اس کے ساتھ ہی پھل بالکل پک رہے تھے، میں بھی سامان سفر کی تیاری کا صبح ہی سے ارادہ کرتا، مگر شام ہوجاتی اور کسی تیاری کی نوبت نہ آتی لیکن میں اپنے دل میں خیال کرتا تھا کہ مجھے وسعت حاصل ہے۔ جب ارادہ پختہ کرلوں گا فوراً ہوجائے گا۔ حتیٰ کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام مسلمان روانہ بھی ہوگئے، مگر میرا سامان سفر تیار نہ ہوا، پھر بھی مجھے یہی خیال رہا کہ ایک دو روز میں سامان تیار کرکے جاملوں گا، اسی طرح آج کل پر ٹلتا رہا۔ حتیٰ کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے وہاں پہنچنے کا زمانہ قریب آگیا، اس وقت میں نے کوشش بھی کی مگر سامان نہ ہوسکا۔ اب جب میں مدینہ طیبہ میں ادھر دیکھتا ہوں تو مجھے صرف وہی لوگ ملتے تھے، جن کے اوپر نفاق کا بدنما داغ لگا ہوا تھا یا وہ معذور تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی تبوک پہنچ کر دریافت فرمایا کہ کعب نظر نہیں آتے کیا بات ہوئی؟

ایک صاحب نے کہا: یا رسول اللہ! اس کو اپنے مال و جمال نے روک لیا ہے۔ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ یہ غلط ہے، ہم جہاں تک سمجھتے ہیں وہ بھلا آدمی ہے۔ مگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے سکوت فرمایا اور کچھ نہ فرمایا۔ حتیٰ کہ چند روز میں، میں نے واپسی کی خبر سنی تو مجھے رنج و غم سوار ہوا اور بڑی فکر ہوئی۔ دل میں جھوٹے عذر آتے ہیں کہ اس وقت کسی فرضی عذر سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے غصہ سے جان بچالوں، پھر کسی وقت معافی کی درخواست کرلوں گا اور اس بارے میں اپنے گھرانے کے ہر سمجھدار سے مشورہ کرتا رہا۔ مگر جب مجھے معلوم ہوگیا کہ آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے ہیں تو میرے دل

نے فیصلہ کیا کہ بغیر سچ کے کوئی چیز نجات نہ دے گی۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ یہ تھی کہ جب سفر سے واپس تشریف لاتے تو اول مسجد میں تشریف لے جاتے اور دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھتے، وہاں تھوڑی دیر تشریف رکھتے، تاکہ لوگوں سے ملاقات فرمالیں، چنانچہ حسب معمول حضور تشریف فرما تھے اور منافقین لوگ آ آ کر جھوٹے جھوٹے عذر اور قسمیں کھاتے رہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ظاہر حال کو قبول فرماتے رہے اور باطن کو اللہ تعالیٰ کے سپرد فرماتے رہے اتنے میں، میں بھی حاضر ہوا، اور سلام کیا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ناراضگی کے انداز میں تبسم فرما کر اعراض فرمالیا۔ میں نے عرض کیا: یا نبی! آپ نے اعراض فرمالیا۔ واللہ! میں نہ منافق ہوں نہ مجھے ایمان میں کچھ تردد ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا: یہاں آئیں، اور میں قریب ہو کر بیٹھ گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تجھے کس چیز نے روکا؟ کیا تو نے اونٹنیاں نہیں خرید رکھی تھیں؟ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اگر کسی دنیادار کے پاس اس وقت ہوتا تو مجھے یقین ہے کہ میں اس غصے سے معقول عذر کے ساتھ خلاصی پالیتا کہ مجھے بات کرنے کا سلیقہ اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے۔ لیکن آپ کے متعلق مجھے معلوم ہے کہ اگر آج جھوٹ سے آپ کو راضی کرلوں تو پھر قریب ہے کہ اللہ جل شانہ مجھ سے ناراض ہوگا اور اگر آپ سے صاف صاف عرض کردوں تو آپ کو غصہ آئے گا، لیکن قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ کی پاک ذات آپ کے عتاب کو زائل فرمادے گی، اس لیے سچ ہی عرض کرتا ہوں کہ واللہ! مجھے کوئی عذر نہیں تھا، میں اس زمانے میں جس قدر فارغ البال تھا، اس سے پہلے کسی زمانے میں بھی ایسا نہ تھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سچ کہا، پھر فرمایا: اٹھ جاؤ! تمہارا فیصلہ حق تعالیٰ ہی فرمائے گا۔ میں وہاں سے اٹھا تو میری قوم کے لوگوں نے مجھے ملامت کی کہ تو نے اس سے پہلے کوئی گناہ نہیں کیا تھا، اگر تو کوئی عذر کرکے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے استغفار کی درخواست کرتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا استغفار تیرے لیے کافی تھا۔ میں نے ان سے پوچھا کہ کوئی اور بھی ایسا شخص ہے جس کے ساتھ یہ معاملہ ہوا ہو، لوگوں نے بتایا کہ دو شخصوں کے ساتھ اور بھی یہی معاملہ ہوا کہ انھوں نے بھی یہی گفتگو کی جو تو نے کی اور یہی جواب ان کو ملا جو

تجھ کوملا۔ ایک بلال بن امیہ، دوسرے مرارہ بن ربیع رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔

میں نے دیکھا کہ دوصالح شخص جو دونوں بدری ہیں وہ بھی میرے شریک حال ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم تینوں سے بولنے کی ممانعت بھی فرمادی کہ کوئی شخص ان سے کلام نہ کرے، اور یہ قاعدے کی بات ہے کہ غصہ اسی پر آتا ہے جس سے تعلق ہوتا ہے اور تنبیہ اسی کو کی جاتی ہے جس میں اس کی اہلیت بھی ہو۔ حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں لوگوں نے ہم سے بولنا چھوڑ دیا اور ہم سے اجتناب کرنے لگے۔ گویا دنیا ہی بدل گئی، حتیٰ کہ زمین باوجود اپنی وسعت کے مجھے تنگ معلوم ہونے لگی، سارے لوگ اجنبی معلوم ہونے لگے اور در و دیوار اوپر ہوگئے۔ مجھے سب سے زیادہ اس کی فکر تھی کہ میں اس حال میں مرگیا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جنازہ کی نماز بھی نہ پڑھیں گے اور خدانخواستہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوگیا تو میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ایسا ہی رہوں گا، نہ مجھ سے کوئی کلام کرے گا نہ کوئی میری نماز جنازہ پڑھے گا۔ غرض کہ ہم نے پچاس دن اسی حال میں گزارے، میرے ساتھی تو شروع سے گھروں میں چھپ کے بیٹھ گئے تھے۔ میں سب سے قوی تھا، چلتا پھرتا تھا، بازار میں جاتا، نماز میں شریک ہوتا، مگر مجھ سے کوئی بات نہ کرتا۔ نماز کے بعد حضور کے قریب میں کھڑے ہوکر نماز پوری کرتا، اوپر آنکھ چرا کر دیکھتا بھی تھا کہ حضور مجھے دیکھتے ہیں یا نہیں۔ جب میں نماز میں مشغول ہوتا تو حضور مجھے دیکھتے اور جب میں ادھر متوجہ ہوتا تو آپ مجھ سے اعراض فرما لیتے۔ غرض کہ یہی حالات گزرتے رہے کہ ایک دن میں مدینہ طیبہ کے بازار میں جارہا تھا کہ ایک قبطی کو جو نصرانی تھا اور شام سے مدینہ منورہ میں اپنا غلہ فروخت کرنے آیا تھا یہ کہتے ہوئے سنا کہ کوئی کعب بن مالک کا پتہ بتادو۔ لوگوں نے اس کو میری طرف اشارہ کرکے بتایا، وہ میرے پاس آیا اور غسان کے کافر بادشاہ کا خط مجھے لاکر دیا، اس میں لکھا ہوا تھا کہ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ تمہارے آقا نے تم پر ظلم کر رکھا ہے، تمھیں اللہ ذلت کی جگہ نہ رکھے اور ضائع نہ کرے، تم ہمارے پاس آجاؤ، ہم تمہاری مدد کریں گے۔

حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے یہ خط پڑھ کر اناللہ پڑھا کہ میری حالت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ کافر مجھ میں طمع کرنے لگے اور مجھے اسلام سے ہٹانے کی تدبیریں ہونے لگیں، یہ ایک اور مصیبت آئی۔ اس خط کو لے کر میں نے ایک تنور میں جھونک دیا اور حضور

اقدس سے جا کر عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ کے اعراض کی وجہ سے میری یہ حالت ہوگئی کہ کافر مجھ میں طمع کرنے لگے، اسی حالت میں چالیس روز ہم پر گزرے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قاصد میرے پاس حضور کا ارشاد لے کر آیا کہ اپنی بیوی کو بھی چھوڑ دو۔ میں نے دریافت کیا کہ کیا منشا ہے، کیا اس کو طلاق دے دوں؟ کہا نہیں، بلکہ علیحدگی اختیار کرلو۔ میرے دونوں ساتھیوں کے پاس بھی ان ہی قاصد کی معرفت یہی حکم پہنچا۔ میں نے اپنی بیوی سے کہہ دیا کہ تو اپنے میکے چلی جا اور جب تک اللہ تعالیٰ اس امر کا فیصلہ نہ فرمادے تو وہیں رہنا۔ بلال بن امیہ کی بیوی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں کہ بلال بالکل بوڑھے شخص ہیں، کوئی خبر گیری کرنے والا نہ ہوگا تو وہ ہلاک ہوجائیں گے، اگر آپ اجازت دیں اور آپ کو گرانی نہ ہو، تو میں ان کا کچھ کام کاج کردیا کروں۔ جس روز سے یہ واقعہ پیش آیا ہے، آج تک ان کا وقت روتے ہی گزر رہا ہے۔

حضرت کعب فرماتے ہیں مجھ سے بھی کہا گیا کہ بلال کی طرح تو بھی اگر بیوی کی خدمت کی اجازت لے لے تو شاید مل جائے، میں نے کہا کہ وہ بوڑھے ہیں اور میں جوان۔ نہ مجھے یہ معلوم ہے کہ کیا جواب ملے؟ اس لیے میں جرأت نہیں کرتا۔ غرض کہ اس حال میں دس روز اور گزر گئے۔ پچاسویں دن صبح کی نماز اپنے گھر کی چھت پر پڑھ کر میں نہایت غمگین بیٹھا ہوا تھا، زمین مجھ پر تنگ ہورہی تھی اور زندگی دوبھر ہورہی تھی کہ سلع پہاڑ کی چوٹی پر سے ایک زور سے چلانے والے نے آواز دی کہ کعب! تم کو خوشخبری ہو، میں اتنا ہی سن کر سجدے میں گر گیا اور خوشی سے رونے لگا اور سمجھا کہ تنگی دور ہوئی۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز کے بعد ہماری معافی کا اعلان فرمایا۔ جس پر ایک شخص نے تو پہاڑ پر چڑھ کر زور سے آواز دی کہ وہ سب سے پہلے پہنچ گئی۔ اس کے بعد ایک صاحب گھوڑے پر سوار ہوکر بھاگے ہوئے آئے۔ میں جو کپڑے پہن رہا تھا وہ کپڑے بشارت دینے والے کی نذر کردیے۔ واللہ! ان دو کپڑوں کے سوا اور کوئی کپڑا اس وقت میری ملکیت میں نہ تھا۔ اس کے بعد میں نے دو کپڑے مانگے ہوئے پہنے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا، اسی طرح میرے دونوں ساتھیوں کے پاس بھی خوشخبری لے کر لوگ گئے۔ جب میں مسجد نبوی میں حاضر ہوا تو وہ لوگ جو خدمت اقدس میں حاضر تھے، مجھے مبارک باد دینے کے لیے دوڑے اور سب سے پہلے

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بڑھ کر مبارک باد دی اور مصافحہ کیا جو ہمیشہ یاد رہے گا۔ میں نے حضور کی بارگاہ میں جا کر سلام عرض کیا تو چہرۂ اقدس کھل رہا تھا اور خوشی کے انوار چہرۂ اقدس سے ظاہر ہو رہے تھے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ مبارک خوشی کے وقت چاند کی طرح چمکنے لگتا تھا۔ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میری توبہ کی تکمیل یہ ہے کہ میری سب جائیداد اللہ تبارک وتعالیٰ کے راستے میں صدقہ کردی جائے (کہ یہ جائیداد ہی مصیبت کا سبب بنی تھی) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس میں تنگی ہوگی، کچھ حصہ اپنے پاس بھی رہنے دو۔ میں نے عرض کیا کہ بہتر ہے، خیبر کا حصہ رہنے دیا جائے۔ مجھے سچ ہی نے نجات دیا، اس لیے میں نے عہد کرلیا ہے کہ ہمیشہ ہی سچ بولوں گا۔ (معارج النبوۃ، رکن چہارم، صفحہ:303)

☆☆☆

آٹھواں وعظ

جنگ بدر کا بیان

أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ۔

(سورۂ آل عمران، آیت:123)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ امتنان کے بطور مسلمانوں کو خطاب فرماتا ہے، بے شک اللہ تعالیٰ نے بدر میں تمہاری مدد کی، حالاں کہ تم قلیل تھے (تعداد بھی تھوڑی، ہتھیار بھی کم اور سواریاں بھی کم) اللہ تعالیٰ سے ڈرو، شاید تم شکر گزار رہو۔

جنگ بدر کا بیان

اشرف الانبیاء احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کا دعویٰ فرمایا تو مکہ معظمہ میں آہستہ آہستہ اسلام پھیلنے لگا اور لوگ مسلمان ہونے لگے۔ جو حضرات اسلام قبول کرلیتے تھے، مکہ کے ظالم کافر اُن کو ہر روز ہاتھ اور زبان سے شدید ایذائیں دیتے، آزار پہنچاتے تھے اور صحابہ کرام حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں اس حال میں پہنچتے تھے کہ کسی کا سر پھٹا ہے، کسی کا ہاتھ ٹوٹا ہے، کسی کا پاؤں بندھا ہوا ہے۔ روزمرہ اس قسم کی شکایتیں بارگاہ رسالت میں پہنچتی تھی، صحابہ کرام کفار کے مظالم کی حضور کے دربار میں فریادیں کرتے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرمایا کرتے کہ صبر کرو، مجھے ابھی جہاد کا حکم نہیں دیا گیا ہے۔ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مظالم سے تنگ آکر بحکم خدا اپنے صحابۂ کرام کے ساتھ مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی تو ہجرت کے دوسرے سال

جہاد اور لڑائی کی اجازت دی گئی اور یہ آیت شریفہ نازل ہوئی:

أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ

(سورۂ حج، آیت:39)

ترجمہ: پروانگی ان ہی کو عطا ہوئی جن سے کافر لڑتے ہیں اس بنا پر کہ ان پر ظلم ہوا، بے شک اللہ ان کی مدد کرنے پر قادر ہے۔

اس آیت شریفہ میں جہاں مسلمانوں کو جنگ کی اجازت ہوئی، وہاں خدائے ذوالجلال نے اپنی نصرت کا وعدہ بھی فرمایا کہ ہر محاذ پر میری نصرت تمہارے شامل حال ہوگی۔ یہ اجازت پا کر مسلمانوں نے جنگ کی تیاری شروع کر دیں۔ (تفسیر حسینی، مدارج النبوۃ، صفحہ:108)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ کی اجازت پاتے ہی ایک طرف تو قرب وجوار کے قبائل سے معاہدۂ امن کی سعی کی اور دوسری طرف بعض مقامات پر اپنے فوجی دستے کفار کے پیچھا کرنے کے لیے بھیجے اور بعض جگہ خود بھی تشریف لے گئے۔ ان غزووں میں جو شاندار غزوہ ہوا وہ غزوۂ بدر ہے، اس وعظ میں اس غزوۂ بدر کا قدرے بیان ہوگا، کیوں کہ یہ جنگ اسلام کی ترقی کا باعث ہوئی۔

جنگ بدر کی ابتدا

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں خبر پہنچی کہ ابوسفیان مع قافلہ تجارت شام سے لوٹ رہا ہے۔ آپ یہ سن کر بہ نفس نفیس مع جماعت مہاجرین وانصار کے جن کی تعداد صرف تین سو تیرہ تھی، اس قافلے کے پکڑنے کے ارادے سے مدینہ طیبہ سے کوچ فرمایا۔ ابوسفیان نے اسلامی لشکر کی آمد کی خبر سن کر ضمضم غفاری کو سفیر بنا کر مکہ معظمہ بھیجا تا کہ ابوجہل و دیگر سرداران قریش اپنے تجارتی قافلے کی حفاظت اور مدد کے لیے آئیں۔ جب سفیر نے مکہ معظمہ پہنچ کر کفار مکہ کو ابوسفیان کا پیغام پہنچایا، تو ابوجہل لعین یہ خبر سن کر بہت طیش میں آیا۔ اس نے لشکر کے لیے سامان جنگ جمع کیا۔ ان کی تعداد ایک ہزار کے قریب تھی، ان کے ساتھ سو گھوڑے تھے اور سات سو اونٹ سوار اور اکثر پیادے زرہ پوش تھے۔ ہر قسم کے ہتھیاروں سے مسلح تھے اور ان

کے لشکر میں گانے والی عورتیں بھی تھیں جو اپنے گانوں سے فوجیوں کو اسلام کے خلاف لڑانے کے لیے آمادہ کرتی تھیں اور سامان رسد اتنا کثیر تھا کہ عباس، عتبہ، ابوجہل اور دیگر روسائے قریش باری باری دس اونٹ فوج کے لیے ذبح کرتے تھے۔ ادھر کفار کے لشکر کے مقابلے اسلامی لشکر کی تعداد صرف تین سو تیرہ تھی، جن کے پاس پورا اسلحہ بھی نہ تھا۔ اسلامی لشکر میں فقط تین گھوڑے اور ستر اونٹ، زرہیں اور آٹھ تلوار تھیں۔ (مدارج النبوۃ، جلد دوم، صفحہ:115)

البتہ یہ ضرور تھا کہ اسلامی فوجیوں کے ہاتھ اسلحہ سے خالی تھے مگر ان کے سینے نور ایمان سے روشن تھے اور ان کے پاس کوئی ظاہری طاقت نہیں تھی، مگر ان کے پاس احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود پاک ایک بہت بڑی طاقت تھا، جس کی وجہ سے ان کو کوئی طاقت شکست نہیں دے سکتی۔ لشکر کفار کے مغرورانہ طمطراق کا نقشہ قرآن مجید نے یوں بیان کیا:

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ خَرَجُوا مِن دِيَارِهِم بَطَرًا وَرِئَاءَ النَّاسِ وَيَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ ۚ وَاللَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطٌ۔ (سورۂ انفال، آیت:47)

ترجمہ: ان جیسے نہ ہونا جو اپنے گھر سے نکلے اتراتے اور لوگوں کو دکھانے کو اور اللہ کی راہ سے روکتے اور ان کے سب کام اللہ کے قابو میں ہیں۔

کفار کی فوج میں شیطان کی ہمراہی

کفار کی فوج کی پشت پناہی شیطان لعین کر رہا تھا۔ قرآن مجید میں ہے:

وَإِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ أَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَإِنِّي جَارٌ لَّكُمْ ۖ فَلَمَّا تَرَاءَتِ الْفِئَتَانِ نَكَصَ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ وَقَالَ إِنِّي بَرِيءٌ مِّنكُمْ إِنِّي أَرَىٰ مَا لَا تَرَوْنَ إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ ۚ وَاللَّهُ شَدِيدُ الْعِقَابِ۔ (سورۂ انفال، آیت:48)

ترجمہ: شیطان نے ان کی نگاہ میں سب کام بھلے کر دکھائے (مسلمانوں کی مخالفت) اور بولا کہ آج تم پر کوئی شخص غالب آنے والا نہیں اور تم میری پناہ میں ہو۔ جب دونوں لشکر آمنے سامنے ہوئے، تو الٹے پاؤں بھاگا اور بولا کہ میں تم سے الگ ہوں۔ میں وہ دیکھتا ہوں جو تمہیں نظر نہیں آتا (یعنی لشکر ملائکہ)، میں اللہ سے ڈرتا ہوں اور اللہ کا عذاب سخت ہے۔

نقل ہے کہ جب قریش کا لشکر مکہ سے باہر نکلا اور بنی کنانہ کے قریب پہنچا، تو چوں کہ ان کی بنی کنانہ سے قدیمی دشمنی تھی، اس لیے لشکر کفار کو خوف ہوا کہ بنی کنانہ ہم پر حملہ آور نہ ہو جائیں۔ چنانچہ پلید ابلیس سراقہ بن مالک سردار بنی کنانہ کی صورت میں لشکر کفار میں آیا اور کہا کہ میں بنی کنانہ کی طرف سے ضامن ہوں، مگر جب لڑائی شروع ہوئی اور لشکر اسلام کی مدد کے لیے فرشتے آئے تو ابلیس نے ان کو دیکھ کر راہِ فرار اختیار کی۔ اس وقت اس کا ہاتھ حارث بن ہشام کے ہاتھ میں تھا، اب شیطان اپنا ہاتھ چھڑا کر بھاگنے لگا تو حارث نے کہا: اے سراقہ! تو ہم کو ایسے نازک مقام میں چھوڑے جاتا ہے؟ ابلیس نے اپنا ہاتھ اس کے سینے پر مار کر کہا:

قَالَ إِنِّي بَرِيءٌ مِّنكُمْ إِنِّي أَرَىٰ مَا لَا تَرَوْنَ إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ وَاللَّهُ شَدِيدُ الْعِقَابِ

(سورۂ انفال، آیت:48)

ترجمہ: میں تم سے بیزار ہوں، میں ان (فرشتوں) کو دیکھ رہا ہوں جو تمھیں نظر نہیں آتے۔ میں اللہ سے ڈرتا ہوں اور اللہ کا عذاب سخت ہے۔

منقول ہے کہ جب لشکر کفار کے بھگوڑے واپس مکہ معظمہ پہنچے تو انھوں نے سراقہ کو پیغام بھیجا کہ تو ہماری شکست کا سبب بنا ہے۔ سراقہ نے قسم کھا کر کہا کہ مجھے تو تمہاری لشکر کشی کا علم ہی اس وقت ہوا، جب تم شکست کھا کر واپس آئے ہو، چنانچہ لشکر کفار کے بھگوڑوں کو معلوم ہوا کہ وہ شیطان تھا جو سراقہ کی شکل میں آیا تھا۔ (تفسیر حسینی، صفحہ:242)

فدایانِ رسالت کا والہانہ جوش

جب ابوسفیان نے اسلامی لشکر کی خبر سنی تو اہل مکہ کو اپنی مدد کے لیے بلایا اور خود دوسرا راستہ اختیار کر کے مکہ پہنچا، اس وقت لشکر کفار روانہ ہو چکا تھا۔ ادھر حضرت جبرئیل نے حضور کی خدمت میں عرض کیا کہ قافلہ نکل گیا ہے اور لشکر کفار بڑے کروفر سے آ رہا ہے۔ آپ نے اپنے لشکر کو اس کی اطلاع دی اور ان سے جنگ کے متعلق مشورہ کیا۔ مہاجرین میں سے حضرت سیدنا صدیق اکبر اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بڑی پر جوش اور فدا کارانہ تقریریں کیں، آپ نے خوش ہو کر اُن کو دعائیں دیں، مگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم برابر انصار کرام کی طرف نظر اٹھا

اٹھا کر دیکھ رہے تھے، اس پر حضرت سعد بن عبادہ اٹھے اور ایک پر خلوص تقریر کی، جس کے دوران یہ بھی کہا گیا کہ حضور کا اشارہ ہماری طرف ہے۔ واللہ! آپ اگر ہمیں حکم دیں تو ہم سمندر میں بھی بے تامل کود پڑیں اور حضرت مقداد نے کھڑے ہو کر یوں جوش دکھایا کہ یا رسول اللہ! ہم بنی اسرائیل کی طرح نہیں ہیں جنھوں نے وقت جنگ کہا تھا:

إِذْهَبْ أَنتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا إِنَّا هَاهُنَا قَاعِدُونَ

ترجمہ: آپ اور آپ کا خدا جا کر لڑیں، ہم تو یہاں بیٹھے ہیں۔

یہ سن کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک فرط مسرت سے چمک اٹھا اور ان کو دعائے خیر دی۔ (مدارج النبوۃ، صفحہ:117 ومعارج)، پھر آپ نے فرمایا کہ خدائے قدوس نے مجھے قافلہ و لشکر کفار میں سے ایک پر فتح حاصل کرانے کا وعدہ فرمایا ہے کہ اس جگہ فلاں قتل ہوگا، اس جگہ فلاں قتل ہوگا اور مقتولوں میں سے ہر ایک کا محل قتل بتلا دیا۔ حضرت انس راوی ہیں کہ جس کافر کے بارے میں جہاں حضور نے فرمایا تھا وہ کافر وہیں پر مقتول ہوئے۔

(مشکوٰۃ، کتاب المعجزات ومدارج النبوۃ، صفحہ:111)

ادھر جب ابوسفیان سلامتی سے مکہ معظمہ پہنچ گیا تو لشکر کفار کی طرف آدمی بھیجا کہ قافلہ صحیح و سلامت پہنچ گیا ہے۔ اب تمہاری ضرورت نہیں رہی، لہٰذا واپس آ جاؤ، مگر ابوجہل نے قسم کھا کر کہا کہ ہم اب ہرگز واپس نہ آئیں گے، جب تک کہ مسلمانوں کو جنگ کا مزہ نہ چکھا لیں گے، یعنی ہم واپس مکہ نہیں آئیں گے، یہاں سے ہی جہنم کو پہنچیں گے۔ (مدارج النبوۃ، ص:69)

لشکر کفار مقام بدر میں پہنچ گیا اور اسلامی لشکر بھی کوچ کر کے مقام بدر میں پہنچ گیا۔ کفار پہلے پہنچے تھے، اس لیے انھوں نے اچھی جگہ پر اپنا کیمپ لگایا، جہاں پانی بھی تھا اور زمین بھی پختہ تھی اور مسلمان جہاں اترے تھے وہ ایک ریگستان تھا، جہاں مسلمانوں اور ان کے جانوروں کے پاؤں ریت میں دھنس جاتے تھے اور پانی کا انتظام بھی نہ تھا، پیاس مسلمانوں پر غالب ہوئی، ادھر رات کو بعض کو احتلام ہوا اور بعض بے وضو ہوئے۔ شیطان نے مسلمانوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالنا چاہا کہ اگر تم حق پر ہوتے تو پیاسے نہ مرتے اور جنبی نہ ہوتے۔ اس وقت خدائے ذوالجلال والاکرام نے بارش برسائی، جس سے سب مسلمانوں نے اپنے اپنے برتن بھر لیے، غسل اور وضو کیا، اپنے جانوروں کو

پانی پلایا۔ ریت جم گئی گویا کہ ایک فرش بن گیا اور کفار کی زمین میں کافی کیچڑ ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَیُنَزِّلُ عَلَیۡکُمۡ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّیُطَهِّرَکُمۡ بِهٖ وَیُذۡهِبَ عَنۡکُمۡ رِجۡزَ الشَّیۡطٰنِ وَلِیَرۡبِطَ عَلٰی قُلُوۡبِکُمۡ وَیُثَبِّتَ بِهِ الۡاَقۡدَامَ۔ (سورۂ نفال، آیت:11)

ترجمہ: آسمان سے تم پر پانی اتارا کہ تمھیں اس سے ستھرا کردے اور شیطان کی ناپاکی تم سے دور فرمادے اور تمہارے دلوں کی ڈھارس بندھائے اور اس سے تمہارے قدم جمائے۔

اس کے بعد صحابۂ کرام نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایک چھپر آرام کرنے کے لیے تیار کیا، پھر اپنے لشکر کی صف آرائی اپنے دست اقدس سے فرمائی اور فرمایا کہ جب تک میں حکم نہ دوں دشمن پر حملہ نہ کرنا۔ اگر وہ قریب آجائیں تو ان پر تیر برساؤ۔ دونوں طرف سے صف آرائی ہو چکی ہے۔ ایک طرف باطل پرست اور اصنام پرست ہیں اور ایک طرف حق پرست اور توحید پرست ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قَدۡ کَانَ لَکُمۡ اٰیَةٌ فِیۡ فِئَتَیۡنِ الۡتَقَتَا فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ وَاُخۡرٰی کَافِرَةٌ یَّرَوۡنَهُمۡ مِّثۡلَیۡهِمۡ رَاۡیَ الۡعَیۡنِ وَاللّٰهُ یُؤَیِّدُ بِنَصۡرِهٖ مَنۡ یَّشَآءُ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَعِبۡرَةً لِّاُولِی الۡاَبۡصَارِ۔ (سورۂ آل عمران، آیت:13)

ترجمہ: بے شک تمہارے لیے نشانی تھی دو گروہوں میں جو آپس میں بھڑ پڑے۔ ایک جماعت اللہ کے راستے میں لڑتی ہے اور دوسری کافر ہے کہ انھیں آنکھوں دیکھا اپنے سے دونا سمجھیں اور اللہ تعالیٰ اپنی مدد سے زور دیتا ہے جسے چاہتا ہے (خواہ اس کی تعداد اور سروسامان کم ہی کیوں نہ ہو) بے شک اس میں عقل مندوں کے لیے یقیناً نصیحت ہے کہ فتح وظفر کثرت تعداد اور فراوانی اسباب پر نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی تائید ومدد پر ہے۔

لڑائی کی ابتدا

زمانہ سابقہ میں دستور تھا کہ عام جنگ سے پہلے میدان میں ایک ایک، دو دو بہادر طرفین سے نکل کر لڑتے تھے۔ اس جنگ میں کفار نے ہی پہل کی اور لشکر کفار سے عتبہ اور شیبہ، ربیعہ کے بیٹے اور ولید، عتبہ کا بیٹا میدان میں آیا، ان کے مقابلے میں لشکر اسلامی سے تین بہادر، شجاع اور دلاور سپاہی قبیلۂ انصار سے نکلے۔ کفار کے سپاہیوں نے کہا کہ ہم تم سے لڑنا نہیں چاہتے، کیوں کہ تم

ہمارے جوڑ کے نہیں ہو، ہم اپنے جوڑ کے قریشی بھائیوں سے لڑیں گے۔ تب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر حضرت عبیدہ بن حارث اور حضرت امیر حمزہ اور اسلام کا مشہور پہلوان حضرت مشکل کشا علی مرتضیٰ مقابلہ میں آئے۔ حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، شیبہ کے مقابل ہوئے اور اس کو ایک ہی وار میں قتل کر دیا اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم ولید کے مقابل ہوئے۔ انھوں نے جاتے ہی اس کو قتل کر دیا اور حضرت عبیدہ، عتبہ کے مقابل ہوئے۔ اپنے حریف کو زخمی کیا اور خود بھی زخمی ہو گئے۔ حضرت حمزہ اور حضرت نے اپنے مقابل کو قتل کر کے عتبہ کو بھی واصل جہنم کیا اور حضرت عبیدہ کو اٹھا کر مظفر اور منصور ہو کر لشکر اسلام میں مراجعت فرمائی۔ حضرت عبیدہ ان زخموں کی وجہ سے بعد میں شہید ہو گئے، اس کے بعد عام جنگ شروع ہوئی اور ایسی گھمسان کی جنگ شروع ہوئی کہ زمین تھرا اٹھی۔ فرزندان توحید پورے جوش اور ولولے سے لڑ رہے تھے۔ لشکر کفار کی کثرت اور لشکر اسلام کی قلت ملاحظہ کر کے حضور اپنے خیمے میں آکر رو بقبلہ ہوئے اور بارگاہِ الٰہی میں عرض کیا: الٰہی! تو نے مجھ سے جو وعدہ کیا ہے اسے پورا کر، اور یوں دعا فرمائی:

اَللّٰهُمَّ اِنۡ تُهۡلِکۡ هٰذِهِ الۡعِصَابَةُ مِنۡ اَهۡلِ الۡاِیۡمَانِ الۡیَوۡمَ فَلَا تُعۡبَدُ فِی الۡاَرۡضِ اَبَدًا۔

ترجمہ: یا اللہ! اگر آج یہ مٹھی بھر افراد مٹ گئے تو پھر قیامت تک تو نہ پوجا جائے گا۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کچھ اس تضرع سے دعا کر رہے تھے کہ ردائے اقدس دوش مبارک سے گر پڑی۔ پیارے صدیق اکبر نے ردائے اقدس دوش مبارک پر ڈالی اور عرض کیا: یارسول اللہ! اب بس کیجیے۔ اللہ تعالیٰ نے جو فتح کا وعدہ فرمایا ہے وہ ضرور پورا کرے گا۔ آپ اٹھے اور یہ پڑھا: سَیُهۡزَمُ الۡجَمۡعُ وَیُوَلُّوۡنَ الدُّبُرَ۔ (پارہ:27)

ترجمہ: اب اس جماعت (کفار) کو شکست ہوگی اور وہ پیٹھ دکھا کر بھاگ جائیں گے۔

(انوار محمدیہ، صفحہ:66، مدارج النبوۃ، صفحہ:125)

آپ نے باہر نکل کر ایک مٹھی کنکری اٹھائی اور لشکر کفار کی طرف پھینک دیا اور فرمایا: شَاهَتِ الۡوُجُوۡهُ۔ برے ہو گئے ان کے منہ۔ کوئی کافر ایسا نہ بچا جس کی آنکھ اور ناک میں ان سنگ ریزوں سے کوئی شئے نہ پہنچی ہو۔ یہ کنکرے نہ تھے بلکہ بم تھے جو ہر ایک فوجی کافر کو لگے، جس سے ان کی قوت ٹوٹ گئی اور لشکر کفار میں بھگدڑ مچ گئی۔ رب تعالیٰ نے ان کنکروں کے

مارنے کو قرآن مجید میں یوں بیان فرمایا ہے: وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى۔ (پارہ:9)

ترجمہ: اے محبوب! یہ خاک جو تم نے پھینکی تھی وہ تم نے نہیں، بلکہ اللہ نے پھینکی۔
یعنی تم فنافی اللہ کے مرتبے کو پہنچ گئے ہو کہ تیرا ہاتھ میرا ہاتھ ہے تیرا مارنا میرا مارنا ہے۔
(تفسیر حسینی)

فرزندان توحید کی سرفروشی

لشکر اسلام کا ہر سپاہی پورے جوش وخروش کے ساتھ لڑ رہا تھا اور سردھڑ کی بازی لگا رکھی تھی۔ ایک سپاہی بیسوں کفار پر بھاری تھا اور اُن کو واصل جہنم کر رہا تھا۔ میں ان میں سے چند سپاہیوں کی شجاعت ومردانگی اور اُن کی جاں نثاری پیش کرتا ہوں تاکہ آپ کو معلوم ہو جائے کہ ہمارے اسلاف اپنے مذہب وملت پر کیسے پروانوں کی طرح قربان ہو کر اللہ تعالیٰ کے دربار میں سرخرو ہوتے ہیں۔

حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے جنگ بدر میں اپنی دائیں اور بائیں جانب دو انصاریوں کو دیکھا تو میں دل میں خوش نہ ہوا کہ ناتجربہ کار ساتھ ہیں، ابھی ان کی عمر کچی ہے، ایک کا نام معاذ اور دوسرے کا نام معوذ تھا۔ اتنے میں ان میں سے ایک نے مجھ سے پوچھا کہ چچا جان! تم ابوجہل کو پہچانتے ہو؟ میں نے کہا کہ پہچانتا ہوں، لیکن تمھیں اس سے کیا مطلب ہے؟ انھوں نے کہا: ہم نے سنا ہے کہ وہ ہمارے پیارے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو برا کہتا ہے، اگر میں اسے دیکھ لوں تو اُس سے جدا نہ ہوں، جب تک کہ ہم دونوں میں سے ایک نہ مرجائے۔ اس کے بعد دوسرے نے بھی اسی طرح پوچھا اور وہی بات بیان کی۔

حضرت عبدالرحمن رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ان کی باتیں سن کر خوش ہوا۔ ان جوانوں سے کہا کہ یہی ہے وہ جسے تم پوچھتے ہو، یہ سنتے ہی وہ دونوں تلواریں میان سے نکال کر باز کی مانند جھپٹے اور ابوجہل سے بھڑ گئے۔ یہاں تک کہ دشمن خدا کو گرا دیا، پھر دربار رسالت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ دشمن خدا ورسول کو ہم نے مار ڈالا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ تم میں سے کس نے اس کو قتل کیا ہے، تو ہر ایک نے دعویٰ کیا کہ میں نے ظالم کو قتل کیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ تم نے اپنی تلواروں کو

صاف تو نہیں کیا؟ عرض کیا: نہیں، دونوں نے اپنی اپنی تلواریں دکھائیں۔ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے تلواریں دیکھ کر فرمایا کہ تم دونوں نے قتل کیا ہے، مگر ابوجہل لعین کا سر حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دلایا۔ (مشکوۃ، صفحہ:352)

منقول ہے کہ فتح کے بعد شہنشاہ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی ابوجہل کی خبر لاکر بتائے کہ اس کا انجام کیسے ہوا؟ تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ میدان جنگ میں گئے اور دیکھا کہ وہ لعین گرا پڑا ہے، مگر ابھی کچھ جان باقی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کے سینے پر چڑھ کر بیٹھ گئے، اس ازلی کافر نے آپ کو دیکھ کر کہا: اے بکریاں چرانے والے! تو بہت اونچی جگہ بیٹھا ہے۔ (گویا وہ غرور وتکبر کا مجسمہ ابھی تک اسی مغروری میں تھا)، پھر اس نے کہا کہ میرا حال جو ہوا سو ہوا، مگر یہ بتاؤ کہ فتح کس کی ہوئی؟ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو فتح عطا فرمائی اور کفار کو شکست دی اور ذلیل وخوار کیا۔ بعد ازیں جب ابن مسعود نے اس کا سر کاٹنے کا ارادہ کیا، تو لعین نے کہا کہ میرا سر کندھوں کے قریب سے کاٹنا تاکہ جب سروں میں رکھا جائے تو بڑا معلوم ہو اور لوگ جانیں کہ کسی سردار کا سر ہے۔ ابن مسعود نے اس کا سر کاٹ لیا اور خدمت اقدس میں لاکر ڈال دیا۔ آپ بہت خوش ہوئے اور سجدۂ شکر بجالائے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ اس امت کا فرعون تھا۔ (مدارج النبوۃ، صفحہ:271)

حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب میں نے ابوجہل پر کاری زخم لگایا، جس سے اس کی پنڈلی جدا ہو گئی، اسی درمیان عکرمہ، ابوجہل کے بیٹے نے مجھ پر حملہ کر دیا اور مجھ پر تلوار چلائی، جس سے میرا ایک ہاتھ کندھے سے جدا ہو کر پہلو میں لٹک گیا۔ لیکن اس کے باوجود برابر جنگ کرتا رہا، اور جب کٹا ہوا ہاتھ جو لٹک رہا تھا، زیادہ تنگ کیا تو میں نے اسے اپنے پاؤں کے نیچے رکھا اور زور سے اس کو جدا کر دیا۔ یہ ہے شیر دل بہادروں کے کارنامے، جو جنگ بدر میں رونما ہوئے اور ہمیشہ رہتی دنیا تک ان کارناموں کی یاد تازہ رہے گی۔ (ایضا، ج:2، صفحہ:122)

قاضی عیاض نے ابن وہب سے نقل کیا ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ دربار رسالت میں حاضر ہوئے کہ لڑائی میں ان کا ہاتھ کٹ کر چمڑے سے لٹک رہا تھا۔ شہنشاہ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا لعاب مبارک کٹے ہوئے ہاتھ پر ڈال کر ہاتھ کو چپکا دیا اور ہاتھ اپنے مقام میں ایسا

چسٹ گیا کہ آپ خلافت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک زندہ رہے اور ہاتھ باقاعدہ کام کرتا رہا اور کوئی تکلیف نہ ہوئی۔ (مدارج النبوۃ، صفحہ:122) اور حضرت معوذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسی جنگ بدر میں شہید ہو گئے تھے۔ (انوار محمدیہ، صفحہ:67)

ایک اور مجاہد جن کا نام عکاشہ بن محصن ہے، جنگ میں اس شجاعت اور دلیری سے لڑے کہ ان کی تلوار ان کے ہاتھ میں ٹوٹ گئی، وہ اپنی ٹوٹی ہوئی تلوار لے کر دربار رسالت میں حاضر ہوئے اور داستان شجاعت سنائی۔ شہنشاہ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں اس وقت ایک لکڑی تھی، فرمایا کہ اس کو لے جاؤ اور جنگ کرو، یہ تلوار کا کام دے گی۔ جب حضرت عکاشہ نے وہ لکڑی ہاتھ میں لی تو وہ ایک عمدہ سفید لوہے کی خونخوار تلوار بن گئی۔ اس تلوار سے یہاں تک جنگ لڑی کہ ذوالجلال والاکرام نے فتح نصیب فرمائی۔ حضرت عکاشہ نے اس تلوار سے کئی محاذوں پر اعدائے دین کو قتل کیا، یہاں تک آپ شہید ہو گئے۔ (مدارج النبوۃ، صفحہ:127)

کفار کی ہزیمت اور مسلمانوں کی فتح

میدان بدر میں لشکر اسلامی کی سپاہ اور مجاہد کچھ اس بے جگری سے لڑے کہ تھوڑے سے وقت میں کفار کی کثرت کو کچل کر رکھ دیا۔ رحمۃ للعالمین کی دعاؤں کے صدقے اور خدائے ذوالجلال کی تائید کی بدولت کفار کو ایسی شکست فاش دی، جس کی مثال تاریخ پیش کرنے سے قاصر ہے۔ کفار کے ستر افراد قتل ہو گئے اور ستر کو قیدی بنایا گیا اور کفار کے وہ سردار جو شجاعت اور دلیری میں اپنی مثال آپ سمجھے جاتے تھے اور جن پر کفار کو بڑا ناز تھا وہ سب کے سب مسلمانوں اور مجاہدوں کے ہاتھوں مقتول ہو کر دوزخ کا ایندھن بن گئے اور جو کافر زندہ رہ گئے وہ میدان چھوڑ کر ایسے بھاگے کہ مکہ میں اپنے گھروں میں جا کر ہی دم لیا۔ ادھر لشکر اسلام سے چودہ بزرگوں نے جام شہادت نوش فرمایا اور جنت الفردوس میں داخل ہوئے، جن میں چھ مہاجرین اور آٹھ انصار تھے۔

(مدارج النبوۃ، صفحہ:13)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ بدر کے کنوئیں میں، جہاں مردار ڈالے جاتے تھے، کفار کی نعشوں کو ڈال دیا جائے، چنانچہ کفار کے مقتولوں کو کنوئیں میں ڈال دیا گیا۔ شہنشاہ

دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریف یہ تھی کہ جب اعدائے دین پر غلبہ پاتے تو تین روز وہاں اقامت فرماتے، میدان بدر میں بھی تین دن ٹھہرے۔ تیسرے روز سوار ہو کر اس کنوئیں پر تشریف لائے جہاں کفار کی لاشیں ڈالی گئی تھیں اور ان کو آواز دی: یَا فُلَانَ ابْنَ فُلَانٍ۔ هَلْ وَجَدْتُّمْ مَاوَعَدَ كُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ حَقًّا فَاِنِّيْ وَجَدْتُّ مَاوَعَدَنِيَ اللّٰهُ حَقًّا۔

ترجمہ: اے فلاں ابن فلاں! کیا تم نے اللہ اور اس کے رسول کا وعدہ حق پایا ہے؟ بے شک میں نے اپنے اللہ کا وعدہ سچا پایا ہے۔ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ نے عرض کیا:

یَارَسُوْلَ اللّٰهِ! كَيْفَ تُكَلِّمُ اَجْسَادًا لَّا اَرْوَاحَ فِيْهَا۔

ترجمہ: آپ ایسے جسموں سے کلام فرما رہے ہیں جن میں روح نہیں۔

آپ نے جواب دیا: مَا اَنْتُمْ بِاَسْمَعَ لِمَا اَقُوْلُ مِنْهُمْ غَيْرَ اَنَّهُمْ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ اَنْ يَّرُدُّوْا شَيْئًا۔ (مدارج النبوۃ، صفحہ:31-32؛ انوار محمدیہ، صفحہ:27)

ترجمہ: میں جو بات ان سے کہہ رہا ہوں وہ تم ان سے زیادہ سننے والے نہیں (یعنی یہ تم سے زیادہ سنتے ہیں) مگر جواب دینے کی طاقت نہیں رکھتے۔

مسئلہ: حضرت محقق علی الاطلاق علامہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حدیث بخاری و مسلم کی صحیح ہے۔ اس سے یہ مسئلہ واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ قبر والے سنتے ہیں، جس بات سے ان کو خطاب کیا جائے اسے جانتے ہیں۔ (مدارج النبوۃ، صفحہ:132)

اسیران بدر کے ساتھ پیغمبرانہ برتاؤ

ستر آدمی لشکر کفار سے قیدی بنائے گئے تھے۔ عرب میں اسیران جنگ کے ساتھ نہایت خوفناک سلوک روا رکھا جاتا تھا اور کم از کم دوامی غلام کی ذلت تو انھیں برداشت ہی کرنی پڑتی تھی، لیکن شہنشاہ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسیران بدر کے ساتھ جو سلوک روا رکھا وہ اپنی نظیر آپ ہی ہے۔ تاریخ میں اس کی کوئی ایک مثال بھی موجود نہیں تھی، پھر اسیر بھی وہ اسیر جو اتفاق اور مجبوری کی وجہ سے میدان جنگ میں نہیں آئے تھے بلکہ ایک عرصہ طویل تک انتہائی اذیتیں پہنچاتے رہے۔ قیدیوں کے ہاتھ باندھے ہوئے تھے۔ ان میں حضرت عباس کے ہاتھ بہت سخت بندھے ہوئے تھے، جس کی وجہ سے وہ رات کو کراہ رہے تھے۔ دولت مند آدمی تھے، تکلیف برداشت نہ ہوتی

تھی۔ شہنشاہ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی آواز سن کر بے قرار ہوئے حتیٰ کہ آپ کو نیند نہ آئی۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے نیند نہ آنے کا سبب پوچھا۔ فرمایا کہ مجھے اپنے چچا عباس کے کراہنے کی وجہ سے نیند نہیں آئی۔ یہ سن کر صحابہ نے حضرت عباس کے بندھن ڈھیلے کر دیے، جس سے حضرت عباس سو گئے۔ آپ نے فرمایا کہ اب مجھے حضرت عباس کا کراہنا سنائی نہیں دیتا۔ صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہم نے ان کے بند ڈھیلے کر دیے ہیں، فرمایا کہ سب قیدیوں کے بند ڈھیلے کر دو۔ یہ ہے مساوات کا مظاہرہ اور رحمۃ للعالمین کا قیدیوں کے ساتھ حسن سلوک۔

(مدارج النبوۃ، صفحہ:136)

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسیران بدر کے متعلق اپنے صحابہ سے مشورہ طلب کیا تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ ان کو فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے، شاید اللہ تعالیٰ ان کو اسلام کی توفیق عطا فرمائے اور مسلمانوں کو فدیہ سے تقویت حاصل ہوگی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ مشورہ پیش کیا کہ ان سب کو قتل کر دیا جائے، کیوں کہ یہ سب ائمہ کفر اور پیشوائے کفر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ان کے فدیے سے بے پرواہ کر دیا ہے۔ میرا فلاں رشتہ دار میرے حوالے کر دیں، تاکہ میں اس کو اپنے ہاتھوں سے قتل کر دوں اور عقیل کو حضرت علی کے حوالے کر دیں تاکہ وہ اس کو اور عباس کو حضرت حمزہ قتل کریں۔ غرض کہ ہر رشتے دار اپنے رشتے دار کو قتل کرے۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا کہ خدائے قدوس نے بعض مردوں کے دل نرم بنائے ہیں اور بعضوں کے سخت۔ اے صدیق! تیری مثال سیدنا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہے جنھوں نے فرمایا تھا: فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَإِنَّهُ مِنِّيْ وَمَنْ عَصَانِيْ فَإِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔ یعنی جو میرا تابع ہوا وہ میرا ہے اور جس نے میرا کہا نہ مانا، تو تو بخشنے والا مہربان ہے۔ حضرت عمر سے فرمایا کہ تیری مثال حضرت نوح علیہ السلام کی ہے، جنھوں نے کہا تھا: رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكَافِرِيْنَ دَيَّارًا۔ پروردگار! زمین پر کافروں کی کوئی بستی باقی نہ چھوڑ۔ (یعنی سب کو ہلاک و برباد فرما دے۔)

شہنشاہ دو عالم نے صدیق اکبر کا مشورہ پسند فرمایا اور قیدیوں پر فدیہ مقرر فرمایا۔ پھر جو قیدی ناداری کی وجہ سے فدیہ ادا نہ کر سکتے تھے انھیں ویسے ہی چھوڑ دیا گیا تھا اور جو لکھنا جانتے تھے ان کے متعلق حکم ہوا کہ ایک ایک قیدی مسلمانوں کے دس دس بچوں کو لکھنا سکھا دے اور آزاد ہو جائے۔

(مدارج النبوۃ، صفحہ:128؛ معارج النبوۃ، رکن چہارم، صفحہ:76)

ان قیدیوں میں ایک شاعر ابوعزہ نامی بالکل مفلس تھا۔ شہنشاہ دو عالم کی خدمت اقدس میں عرض کیا کہ میں پانچ لڑکیوں کا کفیل ہوں اور مالیت نہیں رکھتا، اگر حضور مجھے مفت آزاد کر دیں تو آئندہ کسی جنگ میں اسلام کے مقابل نہ آؤں گا اور نہ ہی کسی کو جنگ پر رغبت دلاؤں گا۔ شہنشاہ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی غربت پر رحم کھاتے ہوئے اس کو مفت آزاد کر دیا۔

(معارج النبوۃ، رکن چہارم، صفحہ:76)

جب مالدار قیدیوں سے فدیہ وصول کیا جا رہا تھا تو حضرت عباس نے خدمت اقدس میں درخواست پیش کی کہ میں بیس اوقیہ سونا اپنے ہمراہ کفار کے لشکر کو طعام کھلانے کے لیے لایا تھا اور اس کو مسلمان نے پکڑ لیا ہے، میرا فدیہ اس سے کاٹ لیا جائے، مگر شہنشاہ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو قبول نہ کیا اور فرمایا کہ جو چیز کفار کی امداد کے لیے لایا ہے وہ مسلمانوں کی غنیمت ہے، لہٰذا اس کو فدیے میں شمار نہ کیا جائے گا، تو حضرت عباس نے عرض کیا کہ اس کے علاوہ میرے پاس کوئی چیز نہیں۔ کیا آپ اس کو پسند فرماتے ہیں کہ آپ کا چچا فدیہ کے لیے لوگوں سے دست سوال دراز کرے۔ آپ نے فرمایا: چچا جان! وہ سونا کہاں ہے؟ جو مکہ مکرمہ سے نکلتے وقت آپ نے اپنی زوجہ ام الفضل کے حوالے کیا تھا۔ حضرت عباس نے پوچھا آپ کو یہ بات کیسے معلوم ہوئی؟ فرمایا کہ مجھے میرے اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے۔ حضرت عباس نے کہا کہ اس بات کا علم سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کو نہیں تھا، جس نے حضور کو بتایا ہے، اس لیے حضرت عباس نے کہا: اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ۔ اور مسلمان ہو گئے۔ (مدارج النبوۃ، صفحہ:125)

ان قیدیوں میں ابو العاص بھی تھے، جو شہنشاہ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد تھے۔ حضرت زینب جگر گوشۂ رسول نے اپنا قیمتی ہار فدیہ کے لیے بھیجا، یہ ہار وہ تھا جسے ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اُن کے جہیز میں دیا تھا۔ اس پر نظر پڑتے ہی غمگسار بیوی یاد آ گئی، آنکھیں پرنم ہو گئیں، مسلمانوں سے فرمایا کہ اس ہار کو دیکھ کر میرا دل دکھتا ہے۔ یہ میری بیوی کی نشانی ہے، اگر تمھاری مرضی ہو تو میری بیٹی کو اُس کی ماں کی یادگار واپس کر دو۔ (معارج النبوۃ، رکن چہارم، صفحہ:82؛ تاریخ حبیب الٰہ، صفحہ:59)

نواں وعظ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت عامہ

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔

تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا۔

(سورۂ فرقان، آیت:1)

ترجمہ: بڑی برکت والا ہے جس نے قرآن پاک اپنے خاص بندے پر نازل فرمایا تاکہ وہ سارے جہانوں کو ڈر سنانے والا ہو۔

حضرات انبیائے سابقین علیہم السلام کی بعثت خاص اپنی قوم یا بستی کی طرف اور خاص وقت تک ہوتی تھی، اس سے آگے نہیں بڑھتی تھی جیسا کہ قرآن پاک میں فرمایا گیا ہے:

وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ۔ (سورۂ ابراہیم، آیت:4)

یعنی ہم نے رسول اس کی قوم کی زبان کے ساتھ بھیجا۔

حضرت نوح علیہ السلام کے بارے میں فرمایا: وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ۔

(سورۂ مومنون، آیت:23)

یعنی بے شک ہم نے نوح علیہ السلام کو ان کے قوم کی طرف بھیجا۔

اسی طرح باقی انبیا علیہم السلام کے متعلق ارشاد فرمایا گیا ہے: وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا۔ (پارہ:8، رکوع:16) یعنی قوم ثمود کی طرف ان کے بھائی ہود علیہ السلام کو بھیجا۔ وَاِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا۔ (پارہ:8، رکوع:17) یعنی قوم ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح علیہ السلام کو بھیجا: ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَاۤ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ۔ (پارہ:8، رکوع:17) یعنی پھر بھیجا ہم نے ان

کے بعد موسیٰ علیہ السلام کو اپنی آیتوں کے ساتھ فرعون اور اس کی قوم کی طرف۔ وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا۔ (پارہ:9، رکوع:3) یعنی ہم نے مدین کی طرف ان کے بھائی شعیب علیہ السلام کو بھیجا۔ وَتِلْكَ حُجَّتُنَاۤ اٰتَيْنٰهَاۤ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ۔ (پارہ:7، رکوع:16) یعنی یہ ہماری حجتیں ہیں ان کی قوم پر جو ابراہیم کو دی ہیں۔

ان آیات بینات سے معلوم ہوا کہ پہلے نبی خاص قوم کی طرف اور خاص وقت تک کے لیے بھیجے جاتے تھے، مگر ہمارے رسول مشرق سے لے کر مغرب تک کے لوگوں اور شمال سے جنوب تک کے رہنے والے، عرب ہو یا عجم سب کی طرف نبی بن کر تشریف لائے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا۔ (پارہ:9، رکوع:10)

یعنی آپ فرمادیں کہ اے لوگو! بے شک میں اللہ کا رسول ہوں تم سب کی طرف۔

دوسری آیت میں ارشاد ہے: وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ۔ (پارہ:12، رکوع:9) یعنی ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر سب لوگوں کو خوشخبری اور ڈر سنانے کے لیے، لیکن بہت سے لوگ بے خبر ہیں۔

ان دونوں آیتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ ہمارے پیارے رسول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تمام انسانوں کے رسول ہیں۔

حضور کی رسالت از آدم تا قیامت

عام لوگ تو یہ سمجھتے ہیں کہ ان دونوں آیتوں سے مراد یہ ہے کہ آپ ان لوگوں کے رسول ہیں جو آپ کے زمانہ پاک میں موجود تھے اور جو قیامت تک آئیں گے، مگر محققین کے نزدیک ان دونوں آیتوں کا مطلب یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر قیامت تک جو انسان آئے یا آئیں گے سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سب انسانوں کے رسول ہیں۔ امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

كَانَ سَيِّدِيْ عَلِيُّ الْخَوَّاصُ رَحِمَهُ اللّٰهُ يَقُوْلُ: كَانَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَبْعُوْثًا اِلَى الْخَلْقِ اَجْمَعِيْنَ فِيْ عَالَمِ الْاَرْوَاحِ وَالْاَجْسَامِ مِنْ لَّدُنْ اٰدَمَ اِلٰى قِيَامِ السَّاعَةِ۔

(الیواقیت والجواہر، جلد ثانی، صفحہ:40)

ترجمہ: حضرت سید علی خواص فرماتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام مخلوق کی طرف رسول ہیں عالم ارواح اور اجسام میں، آدم علیہ السلام سے لے کر قیامت تک۔

علامہ صبہانی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

قَوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بُعِثْتُ اِلَى النَّاسِ كَافَّةً كُنَّا نَظُنُّ اَنَّهٗ مِنْ زَمَانِهٖ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ فَبَانَ اَنَّهٗ اِلٰى جَمِيْعِ النَّاسِ اَوَّلِهِمْ وَاٰخِرِهِمْ۔ (انوار محمدیہ، صفحہ:363)

ترجمہ: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان کہ مجھے تمام لوگوں کی طرف بھیجا گیا ہے، ہمارا خیال یہ تھا کہ اس قول کا مطلب یہ ہے کہ وہ انسان مراد ہیں جو آپ کے زمانہ اقدس سے لے کر قیامت تک آئیں گے، پھر ظاہر ہوا کہ آپ کی رسالت تمام انسانوں کی طرف ہے، وہ اول ہوں یا آخر۔

حضور اقدس تمام نبیوں کے بھی نبی اور رسول ہیں

اللہ جل جلالہٗ نے حضرت احمد مجتبیٰ محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت میں وہ اعلیٰ مقام عطا فرمایا کہ آپ کو سب نبیوں کا بھی نبی بنایا اور سب نبیوں کو آپ کا امتی بنایا۔ کیا شان ہے حبیب خدا کی۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ۔

(سورۂ آل عمران، آیت:81)

ترجمہ: جب اللہ تعالیٰ نے تمام انبیا سے عہد لیا کہ میں تم کو حکمت اور کتاب عطا کروں گا، پھر تمہارے پاس ایسا رسول تشریف لائے جو تصدیق فرمائے جو کچھ تمہارے پاس ہے، تو تم ضرور ضرور ان پر ایمان لانا اور ان کی مدد کرنا۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے تمام انبیا سے پختہ اقرار کرایا کہ میرے محبوب پر ایمان لانا اور اس کی بڑی تاکید فرمائی۔ ثابت ہوا کہ محبوب خدا تمام انبیا کے بھی نبی ہیں۔ شب اسرا میں تمام نبیوں کو مقتدی اور حبیب پاک کو امام بنا کر عالم پر ثابت کر کے دکھا دیا کہ حبیب پاک امام الانبیاء اور نبی الانبیاء ہیں اور قیامت کے روز بھی تمام انبیا علم مصطفی کے نیچے جمع ہوں گے، جیسا کہ حضور اقدس نے فرمایا:

اَنَا سَيِّدُ وُلْدِ اٰدَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا فَخْرَ وَبِيَدِيْ لِوَاءُ الْحَمْدِ وَلَا فَخْرَ وَمَا مِنْ نَبِيٍّ

يَوْمَئِذٍ اٰدَمُ فَمَنْ سِوَاهُ اِلَّا تَحْتَ لِوَائِيْ وَاَنَا اَوَّلُ مَنْ تَنْشَقُّ عَنْهُ الْاَرْضُ وَلَا فَخْرَ۔

(ترمذی، مشکوٰۃ، صفحہ:513)

مصطفی کے جھنڈے کے نیچے تمام انبیا کا جمع ہونا اس مسئلے کی وضاحت ہے کہ سرکار مدینہ نبی الانبیا ہیں۔ علامہ سبکی علیہ الرحمہ ودیگر محققین کی یہی تحقیق ہے۔

علامہ سبکی علیہ الرحمہ وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ کی تشریح فرماتے ہوئے لکھتے ہیں: فَالنَّبِيُّ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَبِيُّ الْاَنْبِيَاءِ وَلِهٰذَا ظَهَرَ ذٰلِكَ فِي الْاٰخِرَةِ جَمِيْعُ الْاَنْبِيَاءِ تَحْتَ لِوَائِهٖ وَفِي الدُّنْيَا كَذٰلِكَ لَيْلَةَ الْاِسْرَاءِ صَلّٰى بِهِمْ۔ (انوار محمدیہ، صفحہ:371-372)

ترجمہ: ہمارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیا کے نبی ہیں، اسی لیے یہ آخرت میں ظاہر ہوگا کہ آپ کے علم کے نیچے تمام انبیا ہوں گے، اسی طرح شب معراج میں بھی آپ نے سب نبیوں کو نماز پڑھائی۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اسی آیت کے تحت لکھتے ہیں:

پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نبی الانبیاء است وظاہر گردد ایں معنی در آخرت کہ جمیع انبیاء تحت لوائے وے باشند وہم چنیں در شب اسرا امامت کرد ایشاں را۔ (مدارج، جلد دوم، صفحہ:3)

ترجمہ: سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیا کے نبی ہیں اور یہ حقیقت آخرت میں ظاہر ہوگی، جب کہ تمام انبیا علیہم السلام آپ کے جھنڈے کے نیچے ہوں گے اور اسی طرح شب اسرا میں آپ سب کے امام بنے۔

الحمد للہ! ہمارے رسول اول سے لے کر آخر تک تمام انسانوں کے لیے، نیز تمام نبیوں کے نبی اور رسولوں کے رسول ہیں۔

حضور تمام مخلوق کے رسول ہیں

آپ صرف انسانوں کے رسول نہیں، بلکہ جنوں، فرشتوں، جانوروں، پتھروں اور درختوں کے رسول ہیں اور ہر شئے آپ کی امتی ہے۔ القصہ جو چیز اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمتی ہے اور جس چیز کا رب اللہ تعالیٰ ہے، حبیب خدا اس چیز کے نبی ورسول ہیں۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا۔

ترجمہ: برکت والی ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے پر قرآن نازل کیا تا کہ سارے دو جہان کو ڈر سنانے والا ہو۔

عالم کا معنی اس آیت میں فرمایا گیا ہے کہ حضور نذیر اور رسول سب عالم کے لیے ہیں اور عالم کا اطلاق ہر اس چیز پر ہوتا ہے جو اللہ کے سوا ہو۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ تمام اجزائے عالم کے لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نبی ورسول ہیں، خواہ وہ انسان ہوں یا جن یا فرشتے، یا جانور یا شجر یا حجر ہو۔ خود سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرما کر اس مسئلے کی وضاحت فرمادی ہے: وَاُرْسِلْتُ اِلَی الْخَلْقِ كَافَّةً وَّخُتِمَ بِیَ النَّبِیُّوْنَ۔ (مشکوۃ، صفحہ: 512) ترجمہ: مجھے تمام مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا اور میں خاتم النبیین ہوں۔ (میرے بعد کوئی نبی پیدا نہ ہوگا۔)

لفظ خلق کا معنی

سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تمام خلق کا رسول ہوں اور خلق کا معنی مخلوق ہے، تو ثابت ہوا کہ جو اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے وہ حضور کی اُمتی ہے، خواہ وہ انسان ہو، جن ہو یا فرشتے، جانور ہو یا شجر غرض کہ ہر ایک شے کے لیے حبیب خدا رسول ہیں۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں: پس ہر کہ اللہ تعالیٰ پروردگار اوست محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ رسول اوست۔ (مدارج، جلد اول، صفحہ: 42)

پس ہر وہ شے جس کا پروردگار اللہ ہے، اس کا رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ چند سطروں کے بعد لکھتے ہیں: بعضے محققین از اہل بصیرت گفتہ اند کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث بتمامہ اجزائے عالم است شامل حیوانات ونباتات وجمادات ولیکن ارسال باہل عقل از برائے تعلیم وتکلیف وتبشیر وانذار است وبغیر ایشاں بنابر افاضہ وایصال بنابر کمالے کہ لائق حال ایشاں باشد۔ (مدارج، جلد اول، صفحہ: 43)

یعنی بعض اہل بصیرت محققین کا کہنا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام عالمین جیسے حیوانات ونباتات اور جمادات سب کے لیے مبعوث ہوئے لیکن سمجھ بوجھ رکھنے والوں کے لیے تعلیم وتعلم اور تبشیر وانذار کی خاطر بھیجے گئے۔

☆☆☆

دسواں وعظ

نبی کریم جناتوں کے بھی رسول ہیں

سوال: آپ نے سابقہ وعظ میں ذکر کیا ہے کہ سرکار مدینہ ہر شئے کے رسول ہیں، حالاں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا۔ اس آیت سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ آپ صرف انسانوں کے لیے رسول ہیں، ورنہ انسان کی تخصیص کیوں کی گئی۔

جواب: وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا۔ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعًا۔ ان دو آیتوں میں انسان کا ذکر ہے، مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ غیر انسان کے لیے رسول نہیں، کیوں کہ مختار مذہب یہی ہے کہ مفہوم مخالف معتبر نہیں ہوتا۔ اگر انسان کی تخصیص سے غیر انسان نکل جائیں تو لازم آئے گا کہ سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم جنوں کے لیے بھی رسول نہیں ہیں، حالاں کہ یہ خلاف اجماع ہے، کیوں کہ سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم انسانوں اور جنوں دونوں کے لیے رسول ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ ان دونوں آیتوں میں "ناس" کا ذکر یہود کا رد ہے، کیوں کہ یہود کا زعم ہے کہ آپ صرف عرب کے لیے رسول ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں آیتوں کو نازل فرما کر ان کا رد فرما دیا کہ ایسا نہیں جیسا کہ یہود کہتے ہیں، بلکہ آپ ہر انسان کے رسول ہیں، خواہ عرب ہوں یا غیر عرب۔ (مدارج، جلد اول، صفحہ: 42)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان فرماتے ہیں:

اَللّٰهُ فَضَّلَ مُحَمَّدًا صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَلَی الْاَنْبِیَاءِ وَعَلٰی اَهْلِ السَّمَاءِ فَقَالُوْا یَا ابْنَ عَبَّاسٍ بِمَ فَضَّلَهُ اللّٰهُ عَلٰی اَهْلِ السَّمَاءِ قَالَ: اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی قَالَ: لِاَهْلِ السَّمَاءِ وَمَنْ یَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّیْ اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ فَذٰلِكَ نَجْزِیْهِ جَهَنَّمَ كَذٰلِكَ نَجْزِی الظّٰلِمِیْنَ. قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی:

لِمُحَمَّدٍ اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا لِيَغْفِرَ لَكَ اللهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ قَالُوْا وَمَا فَضْلُهٗ عَلَى الْاَنْبِيَاءِ قَالَ: قَالَ اللهُ تَعَالٰى وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ فَيُضِلُّ اللهُ مَنْ يَّشَاءُ الاية وَقَالَ اللهُ تَعَالٰى لِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ فَاَرْسَلَهٗ اِلَى الْجِنِّ وَالْاِنْسِ۔ (دارمی) (مشکوۃ، صفحہ:515)

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ نے سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام نبیوں اور آسمان والوں پر فضیلت بخشی۔ لوگوں نے پوچھا: اے ابن عباس! آسمان والوں پر کس طرح فضیلت دی؟ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان والوں کو کہ جو شخص ان میں سے کہے کہ میں اللہ کے ماسوا معبود ہوں، پس ہم اس کو جہنم کی سزا دیں گے اور اسی طرح ہم ظالموں کو سزا دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے سرکار مدینہ سے فرمایا کہ واقعی ہم نے آپ کے اگلے اور پچھلے گناہ بخش دیے۔ لوگوں نے آپ کی فضیلت کی وجہ انبیا پر پوچھی، تو کہا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اس کی قوم کی زبان کے ساتھ، تاکہ وہ بیان کرے ان کے لیے۔ پس اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے۔

اور سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں فرمایا کہ نہیں بھیجا ہم نے آپ کو مگر تمام انسانوں کے لیے، چنانچہ آپ کو جنوں اور انسانوں کی طرف بھیجا۔

حضرت ابن عباس کی اس حدیث سے ثابت ہوا کہ سرکار مدینہ جنوں کے بھی رسول ہیں۔

ایک دفعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف سے واپسی پر بطن نخلہ میں قیام فرمایا، رات کو اُٹھ کر نماز تہجد شروع کی اور قرآن پاک پڑھنا شروع فرمایا کہ نصیبین کے جنوں کی ایک جماعت وہاں پہنچ کر قرآن پاک سنی، ان کو پسند آیا۔ ختم نماز کے بعد اپنے آپ کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر ظاہر کیا اور ایمان لائے۔ آپ نے ان کو اپنی قوم کے ڈرانے پر مقرر فرما کر واپس بھیجا۔ اللہ تعالیٰ اسی قصے کی خبر اس طرح دیتا ہے: وَاِذْ صَرَفْنَا اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْا اَنْصِتُوْا فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِيْنَ۔

ترجمہ: جب کہ ہم نے تمہاری طرف کتنے جن پھیرے، جو کان لگا کر قرآن سنتے۔ پھر جب وہاں حاضر ہوئے، تو آپس میں بولے کہ خاموش رہو۔ پھر جب پڑھنا ہو چکا، اپنی قوم کی طرف ڈر سناتے پلٹے، جب وہ جن اپنے وطن میں پہنچے تو اپنی قوم کو اسلام و ایمان کی دعوت دیتے ہوئے کہا:

قَالُوْا يٰقَوْمَنَا اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ وَاِلٰى طَرِيْقٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۔ يٰقَوْمَنَآ اَجِيْبُوْا دَاعِيَ اللّٰهِ وَاٰمِنُوْا بِهٖ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ۔ (سورۂ احقاف، آیت:30-31)

ترجمہ: کہا کہ اے ہی قوم! ہم نے ایک کتاب سنی جو موسیٰ کے بعد اتاری گئی، اگلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے، حق اور سیدھی راہ دکھاتی ہے۔ اے ہماری قوم! اللہ کے پیغمبر کی بات مانو، ان پر ایمان لاؤ کہ وہ تمہارے کچھ گناہ بخش دے اور تمہیں دردناک عذاب سے بچالے۔
(حاشیہ جلالین، صفحہ:419)

بطن نخلہ میں جن جنوں نے قرآن پاک سن کر ایمان لایا تھا ان کا قصہ سورہ جن میں اس طرح بیان کیا گیا ہے: قُلْ اُوْحِيَ اِلَيَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْٓا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا۔ يَّهْدِيْٓ اِلَى الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ وَلَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَآ اَحَدًا۔ (سورۂ جن، آیت:1-2)

ترجمہ: آپ فرمائیں کہ مجھے وحی ہوئی کہ کچھ جنوں نے میرا پڑھنا کان لگا کر سنا، تو بولے کہ ہم نے ایک عجیب قرآن سنا جو بھلائی کی راہ بتاتا ہے، تو ہم اس پر ایمان لائے، اور ہم ہرگز کسی کو اپنے رب کا شریک نہ کریں گے۔

ان آیتوں سے ثابت ہوا کہ جنات بھی حضور کے اُمتی ہیں اور آپ ان کے رسول ہیں۔

بعض جن مومن اور بعض کافر

جیسے انسانوں میں بعض ایماندار ہوتے ہیں اور بعض کافر ایسے ہی جنات دو قسم کے ہیں۔ ایک مومن اور دوسرے کافر، قرآن کا ارشاد ہے: وَّاَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ وَمِنَّا الْقٰسِطُوْنَ فَمَنْ اَسْلَمَ فَاُولٰٓئِكَ تَحَرَّوْا رَشَدًا۔ وَاَمَّا الْقٰسِطُوْنَ فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا۔ (سورۂ جن:14-15)

یعنی ہم میں مسلمان ہوں اور قاسطین میں سے ہوں اب جو اسلام لانا چاہے وہ ہدایت کی تلاش کرے، کیوں کہ قاسطین جہنم کی ایندھن بنیں گے۔

جنات میں مذہبی فرقے

جیسے مسلمانوں میں مختلف فرقے ہیں، اسی طرح جنات کے بھی مختلف فرقے ہیں۔ کوئی سنی

ہے، کوئی وہابی، کوئی شیعہ، کوئی رافضی، کوئی مرزائی وغیرہ اور کفر میں بھی ان کے مختلف فرقے ہیں۔ کوئی یہودی، کوئی نصرانی، کوئی آتش پرست، کوئی بت پرست۔ (تفسیر صاوی، ص:419)

جنوں کی خوراک

عام طور پر جنوں کی خوراک وہ ہڈی ہے جو ہم گوشت کھا کر ہڈی پھینک دیتے ہیں، یہ ہڈیاں جنات اٹھا لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے ان ہڈیوں پر ازسرِنو گوشت پیدا فرما دیتا ہے جسے جنات کھاتے ہیں، اور گوبر اُن کے جانوروں کی خوراک ہے۔ جتنے دانوں سے وہ گوبر بنا ہوگا اُتنے ہی دانے اللہ تعالیٰ ان کے چارپایوں کے واسطے ظاہر فرما دیتا ہے جو وہ کھاتے ہیں، اسی لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: لَاتَسْتَنْجُوْا بِالرَّوْثِ وَلَا بِالْعِظَامِ فَاِنَّهَا زَادُ اِخْوَانِكُمْ مِنَ الْجِنِّ۔ (ترمذی، نسائی، مشکوٰۃ، صفحہ:43)

یعنی گوبر اور ہڈیوں سے استنجا کرو، کیوں کہ یہ تمہارے جنات بھائیوں کی غذا ہے۔

اسی طرح حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

لَمَّا قَدِمَ وَفْدُ الْجِنِّ عَلَى النَّبِيِّ قَالُوْا: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! اِنْهَ اُمَّتَكَ اَنْ يَّسْتَنْجُوْا بِعَظْمٍ اَوْ رَوْثَةٍ اَوْ حُمَمَةٍ فَاِنَّ اللّٰهَ جَعَلَ لَنَا فِيْهَا رِزْقًا فَنَهَانَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ ذٰلِكَ۔ (ابوداود، مشکوٰۃ، صفحہ:44)

ترجمہ: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جنوں کا ایک وفد آیا اور عرض کیا: یارسول اللہ! اپنی اُمت کو منع فرمادیں کہ ہڈی گوبر اور کوئلے سے استنجا نہ کریں کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں ہمارا رزق بنایا ہے۔ اللہ کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو اس سے منع فرمایا۔

فائدہ: ان دونوں حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ جن مسلمان ہیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جنوں کے بھی رسول ہیں اور جن آپ کے اُمتی۔

جنات کے اقسام

جنات کے تین اقسام ہیں: ایک قسم جنوں کی وہ ہے جن کے پر ہوتے ہیں اور ان پروں

سے اڑتے ہیں۔ دوسری قسم سانپ اور کتوں کی شکل پر ہوتے ہیں۔ تیسری قسم جنوں کی جو ایک جگہ قیام کرتے ہیں اور پھر وہاں سے کوچ کر جاتے ہیں۔ (صاوی حاشیہ جلالین، صفحہ:419)

جنات کے متعلق اختلاف

مسلمان جنوں کے متعلق اختلاف ہے۔ بعض نے فرمایا کہ مسلمان جنوں کو ایمان کی برکت سے صرف دوزخ سے نجات دلا کر مٹی کر کے فنا کر دیا جائے گا۔ یہی مذہب حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کا ہے، اور ائمہ ثلاثہ کے یہاں مسلمان جن جنت میں داخل ہوں گے اور جنت کی نعمتیں استعمال کریں گے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ مسلمان جن جنت میں داخل ہوں گے اور جنت کے گرد رہیں گے، جہاں ان کو کوئی تکلیف نہ ہوگی۔ (صاوی حاشیہ جلالین، صفحہ:119)

مدینہ منورہ کے جن

سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے مدینہ منورہ کے جنات مسلمان ہو گئے تھے۔ نبی کریم سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

اِنَّ بِالْمَدِيْنَةِ جِنًّا قَدْ اَسْلَمُوْا فَاِذَا رَاَيْتُمْ مِنْهُمْ شَيْئًا فَاٰذِنُوْهُ ثَلَاثَةَ اَيَّامٍ فَاِنْ بَدَا لَكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاقْتُلُوْهُ فَاِنَّمَا هُوَ شَيْطَانٌ۔ (مسلم، مشکوٰۃ)

ترجمہ: بے شک مدینہ منورہ میں جو جن تھے وہ مسلمان ہو گئے ہیں۔ جب تم ان میں سے کسی کو دیکھو تو تین دن ان کو خبردار کرو۔ اس کے بعد ظاہر ہو تو اسے قتل کر دو کیوں کہ وہ مسلمان نہیں ہے، شیطان ہے۔

فائدہ: اس حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ جن کافر اور مسلمان ہوتے ہیں اور گھروں میں رہتے ہیں، ان کو فوراً نہیں مارنا چاہیے۔ سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

اِنَّ لِهٰذِهِ الْبُيُوْتِ عَوَامِرَ فَاِذَا رَاَيْتُمْ مِنْهَا شَيْئًا فَحَرِّجُوْا عَلَيْهَا ثَلٰثًا فَاِنْ ذَهَبَ وَاِلَّا فَاقْتُلُوْهُ فَاِنَّهٗ كَافِرٌ۔ (مسلم، مشکوٰۃ، صفحہ:360)

ترجمہ: بے شک ان گھروں کے آباد کرنے والے ہیں، یعنی ان میں جنات رہتے ہیں۔ اب

تم کسی کو ان سے دیکھو تو تنگی پکڑو، اس پر تین بار یعنی اس کو کہو اَنْتَ فِی حَرَج۔ اگر چلا گیا تو ٹھیک ہے، ورنہ اس کو قتل کردو کیوں کہ وہ کافر ہے۔

حکایت: ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں ذکر کیا ہے کہ ایک شخص پیشاب کرنے کے لیے ایک ویران جگہ پر گیا، وہاں اس نے ایک سانپ دیکھا اور اس کو قتل کردیا، وہ سانپ دراصل ایک جن تھا۔ جنات اکٹھے ہوئے اور اس آدمی کو قتل کرنا چاہا، تو کسی جن نے مشورہ دیا کہ فلاں شیخ کے پاس چلو اور اس سے فتویٰ پوچھو۔ جنات اس آدمی کو اس شیخ کے پاس لے گئے۔ شیخ نے پوچھا کہ یہ مقتول جن کس صورت میں ظاہر ہوا تھا؟ انھوں نے کہا کہ سانپ کی صورت میں۔ شیخ نے کہا کہ میں نے لیلۃ الجن میں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سنا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جو جن اپنی غیر صورت پر قتل کیا گیا اس کے قاتل پر کچھ نہیں۔ لہٰذا اس آدمی کو چھوڑ دو۔ چنانچہ جنوں نے اس آدمی کو چھوڑ دیا۔ (فتاویٰ حدیثیہ، صفحہ:17)

حکایت: بیہقی نے نقل کیا ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ مکہ معظمہ جارہے تھے کہ راہ میں ایک سانپ مرا ہوا دیکھا۔ آپ نے اس کو کپڑے میں لپیٹ کر دفن کردیا۔ اس کے بعد ایک کہنے والے کی آواز سنی جو کہہ رہا تھا: رَحِمَكَ اللّٰهُ يَا سَرَقُ۔ اے سرق! (جن کا نام) تجھ پر اللہ تعالیٰ کا رحم ہو، پھر کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ فرمارہے تھے کہ اے سرق! تو فلاں جنگل میں مرے گا تو تجھے میری امت کا ایک بہترین انسان دفن کرے گا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا کہ خدا تجھ پر رحم کرے تو کون ہے؟ اس نے کہا کہ میں ایک جن ہوں اور یہ سرق جن کا نام ہے۔ جن جنوں نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی تھی ان میں سے سب انتقال کر گئے۔ ایک میں اور ایک یہ سرق باقی تھے اور مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ پیارے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ اے سرق! تیری موت ایک جنگل میں آئے گی اور تجھے میری امت کا ایک بہترین شخص دفن کرے گا۔ (فتاویٰ حدیثیہ، صفحہ:57)

حکایت: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ چند صحابہ کرام کے ساتھ سفر کر رہا تھا کہ راستے میں ایک سانپ قتل کیا ہوا ملا۔ ہمارے ایک ساتھی نے اس کو چادر

میں لپیٹ کر دفن کردیا۔ جب رات ہوئی تو ہم نے دو عورتیں دیکھیں جو اس کے بارے میں سوال کرتی تھیں۔ ان عورتوں نے بتایا کہ کافر جنوں نے مومن جنوں سے جنگ کی ہے اور اس کو قتل کردیا ہے اور یہ ان جنوں میں سے تھا جنھوں نے (بطن نخلہ میں) سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن سنا تھا اور آپ نے ان کو اپنی قوم پر مبلغ اسلام بنا کر بھیجا تھا۔

(فتاویٰ حدیثیہ، صفحہ:57)

☆☆☆

گیارہواں وعظ

نبی کریم حیوانوں کے بھی رسول ہیں

سبحان اللہ! ہمارے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تمام مخلوقات کے رسول ہیں، یہاں تک کہ حیوانوں، درختوں اور پتھروں کے بھی رسول ہیں۔ خود سرکار فرماتے ہیں: اُرْسِلْتُ اِلَی الْخَلْقِ کَافَّۃً۔ یعنی میں تمام مخلوق کی طرف رسول ہوں۔ لہٰذا آپ ہر شئے کے رسول ہیں۔ (رواہ مسلم)

حیوان بھی آپ کی امت ہیں اور آپ ان کے رسول اور نبی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حیوانات آپ کی اطاعت کرتے ہیں اور آپ کے سامنے سجدہ کرتے ہیں۔ آپ کے حضور فریادیں کرتے ہیں۔ حضرت یعلی بن مرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے آپ کے تین معجزوں سے ایک یہ معجزہ یہ دیکھا: بَیْنَا نَحْنُ نَسِیْرُ مَعَہٗ اِذْ مَرَرْنَا بِبَعِیْرٍ یُسْقٰی عَلَیْہِ فَلَمَّا رَاٰہُ الْبَعِیْرُ جَرْجَرَ فَوَضَعَ جِرَانَہٗ فَوَقَفَ عَلَیْہِ النَّبِیُّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ. فَقَالَ: اَیْنَ صَاحِبُ ھٰذَا الْبَعِیْرِ؟ فَجَاءَہٗ فَقَالَ: بِعْنِیْہِ فَقَالَ بَلْ نَہَبُہٗ لَکَ یَا رَسُوْلَ اللہِ وَاِنَّہٗ لِاَھْلِ بَیْتٍ مَا لَھُمْ مَعِیْشَۃٌ غَیْرُہٗ. قَالَ: اَمَّا اِذَا ذَکَرْتَ ھٰذَا مِنْ اَمْرِہٖ فَاِنَّہٗ شَکٰی کَثْرَۃَ الْعَمَلِ وَقِلَّۃَ الْعَلَفِ فَاَحْسِنُوْا اِلَیْہِ۔ (شرح السنہ، مشکوٰۃ، صفحہ:540)

ترجمہ: ایک بار ہم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر کر رہے تھے کہ ہم ایک ایسے اونٹ کے پاس سے گزرے جس پر پانی کھینچا جاتا تھا۔ جب اونٹ نے آپ کو دیکھا تو فریاد کی اور اپنی گردن کو (زمین پر) رکھ دیا۔ آپ اس کے پاس کھڑے ہو گئے اور فرمایا کہ اس اونٹ کا مالک کہاں ہے؟ مالک آپ کے پاس آیا تو فرمایا یہ مجھے بیچ دے۔ کہنے لگا بلکہ یارسول اللہ! میں آپ کو ہبہ کر دیتا ہوں۔ بے شک یہ ایسے گھر والوں کا ہے کہ جن کی گزر سوائے اس کے نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا: بہر حال جیسا تو نے اس اونٹ کا حال بیان کیا ہے۔ (لہٰذا میں خریدتا نہیں

لیکن وصیت کرتا ہوں) بے شک اس نے زیادہ کام اور کمی چارہ کی شکایت کی ہے، اس لیے اس کے ساتھ احسان کرو۔

فائدہ: دیکھو اونٹ جیسا جانور بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان رکھتا ہے اور آپ کو اپنا فریادرس اور مشکل کشا سمجھتا اور مانتا ہے، مگر برا ہو بدعقیدوں کا کہ وہ انسان ہو کر بھی سرکار مدینہ کو فریادرس نہیں مانتے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جن لوگوں کا دین سلب کر لیتا ہے ان کی عقل بھی ساتھ لے لیتا ہے، انھیں کچھ بھی سمجھاؤ، یہ نہیں سمجھیں گے۔

بھیڑیے حضور کو مانتے ہیں

جنگل کا ہر درندہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مانتا اور جانتا ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ایک بھیڑیا بکریوں کے چرواہے کے پاس آیا اور ان بکریوں سے ایک بکری پکڑلی۔ وہ چرواہا اس کے پیچھے دوڑا، اور اس بکری کو بھیڑیے کے منہ سے کھینچ لیا۔ راوی نے کہا کہ بھیڑیا ریت کے ٹیلے پر چڑھ کر بیٹھ گیا اور دم اپنے پاؤں میں دبالی اور کہا کہ بے شک میں نے رزق کا قصد کیا اور جو اللہ تعالیٰ نے مجھے دیا تھا میں نے اس کو پکڑا، پھر تو نے اس کو مجھ سے کھینچ لیا۔ تو اس شخص نے کہا کہ واللہ! میں نے آج کے دن جیسا عجیب امر نہیں دیکھا کہ بھیڑیا کلام کرتا ہے۔ بھیڑیے نے کہا کہ اس سے عجیب یہ ہے کہ ایک مرد خدا دو پہاڑیوں کے درمیان خرماستان (مدینہ منورہ) میں ہے اور جو کچھ گزر گیا ہے اور جو تمہارے بعد ہونے والا ہے اس کی خبر دیتا ہے۔ راوی نے کہا کہ وہ مرد یہودی تھا، وہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، آپ کو خبر دی اور مسلمان ہو گیا۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تصدیق کی۔

فائدہ: سبحان اللہ! بھیڑیے بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علم غیب کی شہادتیں دیتے ہیں کہ آپ کو ماکان وما یکون کا علم ہے، اور یہ شہادت آپ کے علم ماکان وما یکون کی اسلام کا سبب بنتی ہے۔ مگر آج کے بدعقیدے کے نزدیک نبی پاک کے لیے غیب ماننا اسلام سے بھی نکال دیتا ہے۔ گویا اس پرفتن زمانے میں گنگا الٹی بہنے لگی ہے۔

ہرنیاں حضور کا کلمہ پڑھتی ہیں

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روایت کرتی ہیں کہ سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک صحرا میں تشریف فرماتے تھے کہ ایک ہرنی نے آپ کو پکارا: یارسول اللہ! آپ نے ہرنی سے پوچھا: کیا بات ہے؟ ہرنی نے عرض کیا: یارسول اللہ! ایک اعرابی نے مجھے اپنے جال میں پھانس لیا ہے۔ میرے دو دودھ پیتے بچے اس پہاڑ میں ہیں، آپ مجھے چھوڑ دیں تاکہ میں اپنے دونوں بچوں کو دودھ پلا آؤں، دودھ پلا کر واپس آجاؤں گی۔ آپ نے پوچھا کہ سچ میں آجائے گی؟ عرض کیا: ہاں! آپ نے اس کو چھوڑ دیا۔ ہرنی گئی اور واپس آگئی۔ پھر آپ نے اس کو باندھ دیا۔ اتنے میں اعرابی جاگ پڑا اور عرض کرنے لگا: یارسول اللہ! کوئی حکم ہے؟ فرمایا: اس ہرنی کو چھوڑ دو۔ اس نے ہرنی کو چھوڑ دی۔ وہ ہرنی جنگل میں دوڑتی ہوئی جارہی تھی اور زبان سے یہ پڑھتی تھی: أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ۔ (مدارج النبوۃ، ج:۱، ص:231)

فائدہ: بدعقیدے اس ہرنی کے واقعے کا انکار کرتے ہیں، حالاں کہ اس واقعہ کو ائمہ نے متعدد طرح سے روایت کیا ہے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں: حدیث غزالہ کہ روایت کردہ اند وائمہ بطریق متعدد کہ تقویت میکند بعض او بعض را ذکر کردہ است قاضی عیاض در شفا وابونعیم در دلائل۔ (مدارج، جلد اول، صفحہ:231)

یعنی ہرنی والے واقعے کو متعدد طریقے ائمہ بیان کرتے ہیں، جیسے قاضی عیاض، شفا میں اور ابونعیم دلائل میں۔

قاضی عیاض شفا میں ان حدیثوں کے آخر میں لکھتے ہیں: وَالْحَدِیْثُ فِیْ هٰذَا الْبَابِ کَثِیْرٌ وَقَدْ جِئْنَا مِنْهُ بِالْمَشْهُوْرِ وَمَا وَقَعَ فِیْ کُتُبِ الْأَئِمَّةِ۔ (شفا، جلد اول، صفحہ:208)

یعنی اس باب میں (جانوروں کا آپ سے کلام کرنے میں) حدیثیں بہت ہیں۔ ہم نے ان سے مشہور کو بیان کیا اور جو ائمہ دین کی کتابوں میں ہیں۔ ائمہ دین تو اس واقعے کو اپنی کتابوں میں درج کریں اور اس کی صحت کی شہادت دیں مگر بے دین جن کا نہ کسی امام کے ساتھ اعتقاد اور نہ کسی بزرگ پر اعتماد، بلکہ پوچھو تو ان کو خود دین مصطفی پر نہ ایمان نہ ایقان، وہ اس کا سخت انکار کرتے

ہیں۔ یہ بے دین لوگ ہر اس بات کے منکر ہیں جس میں اللہ تعالیٰ کے محبوب کی تعظیم ہو۔

ضب (گوہ) کی شہادت

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کے ساتھ تشریف فرماتے۔ وہاں سے ایک اعرابی گزرا جس نے ایک ضب (گوہ) شکار کیا تھا۔ اعرابی نے پوچھا: یہ کون ہیں؟ صحابہ نے کہا: یہ اللہ کے نبی ہیں۔ اعرابی نے کہا کہ لات وعزیٰ کی قسم! میں اس نبی کے ساتھ ایمان نہ لاؤں گا جب تک یہ گوہ آپ کے ساتھ ایمان نہ لائے گا۔ اس نے گوہ آپ کے سامنے ڈال دیا۔ آپ نے فرمایا کہ اے ضب! ضب نے فصیح زبان میں کہا: لَبَّیْكَ وَسَعْدَیْكَ۔ اس کو سب حاضرین نے سنا۔

آپ نے فرمایا تو کس کی عبادت کرتا ہے؟ تو ضب نے نہایت ادب سے یہ جواب عرض کیا: اَلَّذِیْ فِی السَّمَاءِ عَرْشُهٗ وَفِی الْأَرْضِ سُلْطَانُهٗ وَفِی الْبَحْرِ سَبِیْلُهٗ وَفِی الْجَنَّةِ رَحْمَتُهٗ وَفِی النَّارِ عِقَابُهٗ۔

ترجمہ: اس کی عبادت کرتا ہوں جس کا عرش آسمانوں میں ہے اور جس کی سلطنت زمین میں اور جس کی راہ سمندر میں اور جس کی رحمت جنت میں اور جس کا عذاب دوزخ میں ہے۔

پھر آپ نے پوچھا: مَنْ أَنَا، میں کون ذات ہوں؟ ضب نے جواب دیا: رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَخَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ وَقَدْ أَفْلَحَ مَنْ صَدَّقَكَ وَخَابَ مَنْ كَذَّبَكَ۔

ترجمہ: آپ رب کریم کے سچے رسول ہیں اور سب نبیوں کے آخری نبی ہیں۔ بے شک کامیاب ہوا وہ جس نے آپ کی تصدیق کی اور نامراد ہوا وہ جو آپ کا منکر ہے۔

جب اعرابی نے ضب کی یہ صاف اور واضح تقریر سنی تو مسلمان ہو گیا اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا کلمہ پڑھ لیا۔ (شفا، جلد اول، صفحہ:204؛ انوار محمدیہ، صفحہ:282؛ مدارج، جلد اول)

اونٹ کا حضور کو سجدہ کرنا

انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں۔ انصار کے گھر کا ایک اونٹ تھا جس سے وہ

آبپاشی کرتے تھے، وہ سرکش ہو گیا اور کوئی چیز اپنی پشت پر لادنے نہیں دیتا تھا، اس لیے گھر والے بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر اپنے اونٹ کی شکایت کر کے عرض کیا کہ ہمارا اونٹ ہم پر سرکش ہو گیا ہے اور اپنی پشت سے ہم کو روک دیا ہے، کھجوریں اور کھیتی پیاسی ہو چکی ہے۔ آپ نے صحابہ سے فرمایا: چلو! سب حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ باغ میں پہنچے۔ وہ اونٹ باغ کے ایک کونے میں کھڑا تھا۔ آقائے رحمت صلی اللہ علیہ وسلم اونٹ کی طرف بڑھے تو انصار نے عرض کیا: یارسول اللہ! اونٹ کاٹنے والے کتے کی طرح ہو چکا ہے، اس لیے ہم خوف کرتے ہیں کہ آپ پر حملہ نہ کرے۔ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مصطفی کو اس سے کوئی ڈر نہیں۔
جب اونٹ کی نگاہ سردار کائنات صلی اللہ علیہ وسلم پر پڑی تو (محبت سے) آپ کی طرف بڑھا، جب سامنے آیا تو آپ کو سجدہ کیا۔ آپ نے اس کو پیشانی سے پکڑ کر کام میں لگا دیا۔ آپ کے صحابہ نے یہ نقشہ دیکھ کر عرض کیا: یارسول اللہ! بے عقل جانور آپ کو سجدہ کرتے ہیں اس لیے ہم عقلمند زیادہ حقدار ہیں کہ آپ کو سجدہ کریں، تو رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو جواب دیا کہ انسان کو زیبا نہیں کہ وہ کسی دوسرے انسان کو سجدہ کرے، اگر یہ سجدہ انسان کے لیے جائز ہوتا تو میں عورتوں کو حکم دیتا کہ وہ اپنے مردوں کو سجدہ کریں کیوں کہ عورتوں پر مردوں کے بڑے حقوق ہوتے ہیں۔ (مدارج، جلد اول، صفحہ:228؛ انوار محمدیہ، صفحہ:280)

دربار رسالت میں اونٹ کی فریاد

ایک اونٹ دربار مصطفی میں حاضر ہوا اور اپنی قوم کی شکایت کرتے ہوئے عرض کیا کہ یہ میری قوم نماز عشا پڑھنے سے قبل ہی سو جاتی ہے۔ مجھے ڈر رہتا ہے کہ اس قوم پر اللہ قہار کی جانب سے کوئی عذاب نازل نہ ہو۔ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قوم کو بلا کر منع کر دیا کہ نماز عشا سے قبل نہ سوئیں۔ (مدارج، جلد اول، صفحہ:229)

بکریوں نے حضور کو سجدہ کیا

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ ایک انصاری کے باغ میں حضور اقدس صلی اللہ

علیہ وسلم اور ابوبکر، عمر اور ایک انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہم داخل ہوئے۔ باغ میں ایک بکری تھی جس نے آپ کو سجدہ کیا۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! ہم بکری سے زیادہ حقدار ہیں کہ آپ کو سجدہ کریں مگر آپ نے فرمایا: کسی کو جائز نہیں کہ وہ کسی کو یعنی غیر خدا کو سجدہ کرے۔ (شفا، ج:1، ص:206، انوار محمدیہ، ص:281، مدارج النبوۃ، ج:1، ص:229)

حیوانات حضور پر عاشق تھے

جو چیز دنیا میں نظر آتی ہے، سرکش انسانوں اور جنوں کے سوا، سب میں مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کا عشق نظر آتا ہے۔ حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

كَانَ عِنْدَنَا دَاجِنٌ فَإِذَا كَانَ عِنْدَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَرَّ وَثَبَتَ مَكَانَهٗ فَلَمْ يَجِأْ وَلَمْ يَذْهَبْ وَإِذَا خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَاءَ وَذَهَبَ۔

(شفا، صفحہ:203؛ مدارج، جلد اول، صفحہ:229؛ انوار محمدیہ، صفحہ:283)

ترجمہ: ہمارے پاس ایک گھریلو بکری تھی۔ جب ہمارے رسول پاک موجود ہوتے تو یہ بکری ساکن اور ثابت رہتی اور آگے پیچھے نہ آتی جاتی اور جب حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لے جاتے تو یہ بکری بے قرار ہو کر آتی اور جاتی تھی۔

اس سے ثابت ہوا کہ حیوانات میں بھی عشق مصطفی موجزن رہتا ہے، جس کی وجہ سے وہ اکثر بے قرار رہتے ہیں۔

حکایت: حضرت ابن عساکر راوی ہیں کہ جب شہنشاہ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کو فتح فرمایا، تو آپ نے ایک گدھے سے پوچھا کہ تیرا نام کیا ہے؟ اس نے کہا کہ میرا نام یزید بن شہاب ہے، اور اللہ تعالیٰ نے میرے جد کی نسل سے ساٹھ گدھے پیدا فرمائے ہیں اور ان پر سوائے نبی کے کوئی سوار نہیں ہوا اور کوئی باقی نہیں ہے۔ انبیا سے بھی آپ کے سوا اب کوئی نبی نہیں ہوگا۔ گدھے نے کہا کہ اس سے قبل میں ایک یہودی کے قبضے میں تھا جس کو میں عمداً اپنی پشت سے گرا دیتا تھا، جس کی وجہ سے یہودی مجھے بھوکا رکھتا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ اب تیرا نام یعفور ہے۔ اس کے بعد یعفور خدمت اقدس میں رہتا۔ سرکار کبھی اس کو صحابہ کے بلانے کے لیے بھیجتے تو یہ

دروازہ پر جا کر سر مارتا اور اشارہ سے بتاتا کہ تم کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بلاتے ہیں۔ جب حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جہان سے رحلت فرمائی تو یہ گدھا تاب مفارقت نہ لا سکا۔ غم و اندوہ کرتے ہوئے ایک کنویں میں گر گیا۔ (شفا، صفحہ:207؛ مدارج، جلد اول، صفحہ:221)

☆☆☆

بارہواں وعظ

نبی کریم شجر و حجر کے بھی رسول ہیں

حضرات! حضور شہنشاہ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا پیارا ارشاد ہے:

مَا بَیْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ شَیْءٌ اَلَّا یَعْلَمُ اَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَّا عَاصِیَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ۔
(شفا، جلد اول، صفحہ:206)

ترجمہ: آسمانوں اور زمینوں کی ہر شئے جانتی ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں سرکش اور نافرمان جن اور انسان کے سوا۔

حجر بھی حضور کو سلام عرض کرتے ہیں

دنیا کے بے دین لوگ حضور کی شان جتنی گھٹائیں گے اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کی شان اور زیادہ بڑھائے گا۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

مٹ گئے مٹتے ہیں مٹ جائیں گے اعدا تیرے　　نہ مٹا ہے نہ مٹے گا کبھی چرچا تیرا

کتنی بلند شان ہے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی کہ حجر بھی سلام عرض کرتے ہیں۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنِّیْ لَاَعْرِفُ حَجَرًا بِمَکَّۃَ کَانَ یُسَلِّمُ عَلَیَّ قَبْلَ اَنْ اُبْعَثَ اِنِّیْ لَاَعْرِفُہُ الْاٰنَ۔ (مشکوٰۃ، صفحہ:524)

ترجمہ: سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں مکہ میں اس پتھر کو پہچانتا ہوں جو مجھ پر مبعوث ہونے سے پہلے سلام پیش کرتا تھا، بلکہ میں اب بھی اس کو جانتا ہوں۔

فائدہ: بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ وہ پتھر حجر اسود ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ وہ زقاق الحجر ہے جو مسجد اور حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر کے درمیان ہے، اس کی

زیارت کرتے ہیں اور برکت حاصل کرتے ہیں۔ حضرت ابن حجر مکی نے فرمایا ہے کہ اہل مکہ خلفاً سلفاً اس کی زیارت کرتے ہیں۔ (اشعۃ اللمعات، جلد رابع، صفحہ:517)

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: كُنْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَكَّةَ فَخَرَجْنَا فِيْ بَعْضِ نَوَاحِيْهَا فَمَا اسْتَقْبَلَهٗ جَبَلٌ وَلَا شَجَرٌ اِلَّا هُوَ يَقُوْلُ السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللهِ۔ (ترمذی، دارمی، مشکوٰۃ، صفحہ:540)

ترجمہ: میں سرکار دوعالم کے ساتھ مکہ میں تھا، ہم اس کے بعض طرف نکلتے تو جو پہاڑ اور درخت سامنے آتا وہ کہتا: السلام علیکم یارسول اللہ!

حضور کی تشریف آوری سے پہاڑ کا خوش ہونا

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اُحد پہاڑ پر تشریف لے جاتے ہیں تو وہ خوشی سے جھومنے لگتا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَعِدَ اُحُدًا وَاَبُوْبَكْرٍ وَعُمَرُ وَعُثْمَانُ فَرَجَفَ بِهِمْ فَضَرَبَهٗ بِرِجْلِهٖ فَقَالَ: اُثْبُتْ اُحُدُ فَاِنَّمَا عَلَيْكَ نَبِيٌّ وَصِدِّيْقٌ وَشَهِيْدَانِ۔ (بخاری، مشکوٰۃ، صفحہ:563)

ترجمہ: بے شک نبی پاک، ابوبکر، عمر اور عثمان احد پر چڑھے، تو وہ خوشی کی وجہ سے ہلنے لگا۔ آپ نے اُحد کو ٹھوکر مارتے ہوئے فرمایا کہ اے اُحد! ثابت رہو، بے شک تجھ پر نبی، صدیق اور دو شہید ہیں۔

فائدہ: اُحد پہاڑ کا ہلنا اور حرکت میں آنا کسی ناراضگی وغضب کی وجہ سے نہ تھا بلکہ سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سے خوش ہوا اور خوشی برداشت نہ کرسکا اور ہلنے لگا، اسی لیے آپ نے اسے فرمایا کہ ثابت رہ اور اس خوشی کو اپنے آپ میں جذب کرلے۔ کیوں کہ تیرے اوپر ایسی پاک ہستیاں ہیں جن سے سرور اور سکون وقرار حاصل ہوتا ہے۔ نیز اس حدیث پاک سے ثابت ہوتا ہے کہ سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم باذن اللہ غیب جانتے ہیں۔ کیوں کہ آپ نے حضرت عمر وعثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو شہید کہا۔ چنانچہ یہ دونوں حضرات اپنے اپنے زمانہ خلافت میں شہید ہوئے جیسا کہ سرکار نے فرمایا تھا۔

حضور کی آمد سے پہاڑ جیسی شے خوشی میں آکر جھومنے لگ جائے مگر بدعقیدہ لوگ اتنے سخت ہیں کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی خبریں سن کر ذرا بھی متاثر نہیں ہوتے، ایسے ہی لوگوں کے متعلق ارشاد باری ہے: كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً۔ یعنی ان بدبختوں کے دل پتھر ہوچکے ہیں بلکہ پتھروں سے بھی زیادہ سخت ہیں۔ کیوں کہ پتھر بھی متاثر ہوجاتے ہیں، مگر بددین ذرا بھی اثر قبول نہیں کرتا۔ اللہ ایسوں کی صحبت سے ہمارے سنی بھائیوں کو محفوظ فرمائے۔ (آمین)

درخت کا خدمت نبوی میں سلام عرض کرنا

حضرت یعلی بن مرۃ ثقفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ایک سفر میں تھا کہ: ثُمَّ سِرْنَا حَتّٰى نَزَلْنَا مَنْزِلًا فَنَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَاءَتْ شَجَرَةٌ تَشُقُّ الْاَرْضَ حَتّٰى غَشِيَتْهُ ثُمَّ رَجَعَتْ اِلٰى مَكَانِهَا فَلَمَّا اسْتَيْقَظَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَكَرْتُ لَهٗ فَقَالَ هِيَ شَجَرَةٌ اسْتَاْذَنَتْ رَبَّهَا فِيْ اَنْ تُسَلِّمَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَذِنَ لَهَا۔ (مشکوٰۃ، صفحہ:540)

ترجمہ: پھر ہم چلے یہاں تک کہ ایک جگہ پر قیام کیا اور سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم سو گئے، اسی بیچ ایک درخت زمین پھاڑتا ہوا آیا اور سرکار مدینہ کو اپنے سائے میں ڈھانپ لیا، پھر اپنی جگہ پر واپس ہوگیا۔ جب آقائے دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوئے تو میں نے اس بات کا ذکر آپ کی خدمت میں کیا۔ آپ نے فرمایا کہ اس درخت نے اپنے رب کریم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام عرض کرنے کی اجازت مانگی تھی، تو اللہ تعالیٰ نے اس کو اجازت بخش دی۔

فائدہ: سبحان اللہ! درخت اپنی جگہ سے چل کر وہاں جائیں جہاں دو جہاں کا سردار تشریف فرما ہوں، تاکہ آپ کی خدمت میں سلام پیش کریں اور لطف یہ کہ اللہ کریم نے بھی اس کی اجازت بخشے۔ مگر چودہویں صدی کے خودساختہ موحد اس کو شرک قرار دے کر روضۂ اطہر پر جانے اور سلام عرض کرنے سے منع کرتے ہیں۔

معلوم ہوا کہ درخت ان سے بہتر ہیں۔

درخت کا حضور پر سایہ کرنا

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ابوطالب ملک شام کی طرف گئے اور چند قریش مع حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ہمراہ تھے۔ جب وہ بحیرہ راہب کے مکان کے قریب پہنچے، تو وہاں قیام کیا، بحیرہ راہب اپنے مکان سے نکل کر ان کے پاس آیا۔ حالاں کہ وہ اس سے قبل جب کہ وہ گزرتے تھے ان کے پاس نہیں آتا تھا۔ اب جب انھوں نے اپنے سامان اور بوجھوں کو کھول دیا اور قیام کیا تو راہب ان کے پاس آیا اور حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک ہاتھ پکڑ کر کہنے لگا: هٰذَا سَيِّدُ الْعٰلَمِيْنَ هٰذَا رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ يَبْعَثُهُ اللّٰهُ رَحْمَةً لِّلْعَالَمِيْنَ فَقَالَ لَهٗ اَشْيَاخٌ مِّنْ قُرَيْشٍ مَا عِلْمُكَ. فَقَالَ: اِنَّكُمْ حِيْنَ اَشْرَفْتُمْ مِنَ الْعَقَبَةِ لَمْ يَبْقَ شَجَرٌ وَلَا حَجَرٌ اِلَّا خَرَّ سَاجِدًا وَلَا يَسْجُدَانِ اِلَّا لِنَبِيٍّ وَاِنِّيْ اَعْرِفُهٗ بِخَاتَمِ النُّبُوَّةِ.

ترجمہ: یہ تمام جہانوں کے سردار ہیں، یہ رب العالمین کے رسول ہیں، ان کو تمام جہان کے لیے رحمت بنا کر مبعوث فرمائے گا۔ یہ سن کر قریش کے سرداروں نے کہا کہ اس بات کو تو نے کیسے جانا؟ اس نے کہا کہ جب تم لوگ گھاٹی سے اوپر چڑھ رہے تھے تو کوئی درخت اور پتھر باقی نہ رہا مگر وہ سجدہ میں گر گیا اور یہ سجدہ نہیں کرتے مگر اپنے نبی کو اور میں آپ کو مہر نبوت سے پہچانتا ہوں۔

پھر وہ راہب واپس گیا اور ان کے لیے کھانا تیار کیا۔ جب کھانا لے کر آیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اونٹ چرا رہے تھے۔ راہب نے کہا کہ ان کو بلاؤ۔ آپ تشریف لائے تو دیکھا کہ بادل آپ پر سایہ کر رہا تھا۔ جب قریب پہنچے تو دیکھا کہ قوم درخت کے سائے کی طرف سبقت کر کے بیٹھے ہیں، آپ بھی بیٹھ گئے تو درخت کا سایہ آپ کی طرف جھک گیا۔ (حالاں کہ بادل کا سایہ آپ پر محض اعزاز و امتیاز کے لیے تھا) تو راہب نے کہا: اُنْظُرُوْا اِلٰى فَيْءِ الشَّجَرَةِ مَالَ عَلَيْهِ.

دیکھو درخت کے سائے کی طرف جو آپ کی طرف جھک گیا ہے۔

پھر پوچھا کہ ان کا متولی کون ہے؟ قریش نے کہا کہ ابوطالب! راہب نے قسمیں کھا کر ابوطالب سے کہا کہ حضور کو واپس بھیج دو۔ (سنن ترمذی، مشکوٰۃ، صفحہ:540)

کیکر نے رسالت کی شہادت دی

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں: كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ سَفَرٍ فَاَقْبَلَ اَعْرَابِيٌّ فَلَمَّا دَنٰى قَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ. قَالَ: وَمَنْ يَّشْهَدُ عَلٰى مَا تَقُوْلُ. قَالَ: هٰذِهِ السَّلَمَةُ فَدَعَاهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ بِشَاطِئِ الْوَادِيْ فَاَقْبَلَتْ تَخُدُّ الْاَرْضَ حَتّٰى قَامَتْ بَيْنَ يَدَيْهِ فَاسْتَشْهَدَهَا ثَلَاثًا فَشَهِدَتْ ثَلَاثًا اَنَّهٗ كَمَا قَالَ ثُمَّ رَجَعَتْ اِلٰى مَنْبَتِهَا. (دارمی، مشکوٰۃ، صفحہ:541)

ترجمہ: ہم رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں تھے کہ ایک اعرابی سامنے سے آیا، جب وہ قریب ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا کہ کیا تو اللہ کی وحدانیت اور محمد کی رسالت کی گواہی دیتا ہے؟ اعرابی نے کہا کہ کون گواہی دیتا ہے اس بات کی جو آپ کہتے ہیں، یعنی از جنس انسان؟ آپ نے فرمایا کہ یہ کیکر، آپ نے اس کیکر کو بلایا حالاں کہ آپ وادی کے دوسرے کنارے پر تھے، تو وہ زمین پھاڑتا ہوا آپ کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا آپ نے اس سے تین دفعہ شہادت طلب کی اور اس نے تینوں دفعہ گواہی دی کہ واقعی ایسا ہی ہے جیسا کہ آپ نے فرمایا ہے، پھر وہ اپنے جمنے کی جگہ کی طرف لوٹ گیا۔

فائدہ: شہنشاہ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم جب درخت کو بلا دیں تو وہ فوراً حاضر ہوں مگر سرکش انسان اور جن حضور کے بلانے پر حاضر نہیں ہوتے ہیں۔

صاحب قصیدہ بردہ کیا خوب فرماتے ہیں: ؎

جَاءَتْ لِدَعْوَتِهِ الْاَشْجَارُ سَاجِدَةً
تَمْشِيْ اِلَيْهِ عَلٰى سَاقٍ بِلَا قَدَمِ

کھجور کے گچھے کا اطاعت کرنا

ایک بادیہ نشین بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا: بِمَا اَعْرِفُ اَنَّكَ نَبِيٌّ، قَالَ: اِنْ

دَعَوْتُ هٰذَا الْعِذْقَ مِنْ هٰذِهِ النَّخْلَةِ يَشْهَدُ أَنِّي رَسُوْلُ اللّٰهِ فَدَعَاهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَعَلَ يَنْزِلُ مِنَ النَّخْلَةِ حَتّٰى سَقَطَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ: اِرْجِعْ فَعَادَ فَأَسْلَمَ الْأَعْرَابِيُّ۔ (ترمذی، مشکوۃ، صفحہ: 541)

ترجمہ: کس دلیل سے پہچانوں کہ آپ نبی ہے؟ آپ نے فرمایا اس دلیل سے پہچان کہ اگر کھجور کے اس گچھے کو بلاؤں جو یہ گواہی دے کہ میں رسول اللہ ہوں، چنانچہ وہ گچھا اترا، یہاں تک کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف گر پڑا، پھر آپ نے فرمایا کہ واپس ہو جا تو وہ واپس ہو گیا۔ یہ دیکھ کر اعرابی مسلمان ہو گیا۔

خشک کھجور کا آپ کے فراق میں رونا

مسجد نبوی میں کھجور کا ایک خشک ستون تھا جو سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فراق اور محبت میں روتا تھا، اس کے رونے کی آواز تمام نمازیوں نے سنی۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا خَطَبَ اسْتَنَدَ إِلٰى جِذْعِ نَخْلَةٍ مِنْ سَوَارِي الْمَسْجِدِ فَلَمَّا صُنِعَ لَهُ الْمِنْبَرُ فَاسْتَوٰى عَلَيْهِ صَاحَتِ النَّخْلَةُ الَّتِي كَانَ يَخْطُبُ عِنْدَهَا حَتّٰى كَادَتْ أَنْ تَنْشَقَّ فَنَزَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى أَخَذَهَا فَضَمَّهَا إِلَيْهِ فَجَعَلَتْ تَئِنُّ أَنِيْنَ الصَّبِيِّ الَّذِي يُسَكَّتُ حَتَّى اسْتَقَرَّتْ قَالَ: بَكَتْ عَلٰى مَا كَانَتْ تَسْمَعُ مِنَ الذِّكْرِ۔
(بخاری، مشکوۃ، صفحہ: 536)

ترجمہ: جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ پڑھتے تھے تو کھجور کے ایک ٹہنی کے ساتھ ٹیک لگاتے تھے۔ جب مسجد کے ستونوں سے نیا منبر بنایا گیا، حضور اس پر تشریف لائے تو کھجور کی وہ ٹہنی چیخنے لگی جس سے لگ کر آپ پہلے خطبہ دیتے تھے، ایسا لگ رہا تھا کہ وہ پارہ پارہ ہو جائے، حضور منبر سے اترے اور اس کو پکڑ کر اپنے گلے لگایا تو وہ ٹہنی پر سکون ہو گئی۔

ایک روایت میں ہے کہ واللہ! اگر میں اس ٹہنی کو گلے نہ لگاتا تو یہ قیامت تک روتی رہتی۔ (شفا: 199) ایک روایت میں آیا ہے کہ آپ نے اس سے فرمایا کہ اگر تو چاہے تو تجھے اپنے باغ میں لگا دیا جائے، تجھ پر ٹہنیاں اور پتے لگیں اور میوے لگ جائیں، اگر چاہے تو تجھے جنت میں

لگادیا جائے تاکہ اللہ کے بندے تیرا میوہ کھاتے رہیں، اور آپ نے اپنا کان مبارک اس کی طرف فرمادیا، تو وہ کہنے لگی کہ یا رسول اللہ! مجھے بہشت میں لگادینا تاکہ دوستان خدا میرا میوہ کھائیں اور پرانی اور فانی نہ ہوؤں، یہ بات ہر ایک نے سنی جو وہاں مسجد میں موجود تھا۔ آپ نے فرمایا کہ ایسا ہی کروں گا۔ نیز فرمایا کہ اس نے دار بقا کو دار فنا پر اختیار کیا۔ امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ رو کر فرماتے ہیں کہ اے اللہ کے بندو! جب خشک لکڑی حضور کی محبت میں روتی ہے تو تم انسان زیادہ لائق ہو کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار کے مشتاق بنو۔
(شفا، جلد اول، صفحہ: 200، مدارج النبوۃ، صفحہ: 236)

☆☆☆

تیرہواں وعظ 1:

حضور اقدس کی فضیلت تمام خلق پر

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ. بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ.

قَالَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی: تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰی بَعْضٍ. مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ. (سورہ بقرہ، آیت:253)

ترجمہ: یہ رسول ہیں کہ ہم نے ان میں ایک کو دوسرے پر افضل کیا، ان میں سے کسی سے اللہ نے کلام فرمایا اور کوئی وہ ہے جسے سب پر درجوں بلند کیا۔

حضرات! قرآن پاک کے یہ کلمات یعنی تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰی بَعْضٍ. اس مسئلے میں واضح ہے کہ انبیا علیہم السلام کے مراتب جداگانہ ہیں۔ بعض انبیا بعض سے افضل ہیں، اگرچہ وصف نبوت میں سب یکساں ہیں، مگر خصائص وکمالات میں درجات متفاوت ہیں۔ پھر اللہ تعالی نے فرمایا: وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ. یعنی بعض کو درجوں بلند کیا۔

اس سے واضح فرمادیا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باقی انبیا پر افضل ہیں، کیوں کہ اس بعض سے مراد باجماع اُمت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ جب آپ انبیائے کرام پر افضل ہوئے تو باقی مخلوق پر بطریق اولیٰ افضل ہوں گے۔ لہٰذا اس مختصر بیان سے ثابت ہوا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیا اور خلق سے افضل ہیں۔

مسئلہ: اُمت کا اس پر اجماع ہے کہ حضرت احمد مجتبیٰ محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم اکرم البشر اور افضل الانبیاء ہیں۔ اس اجماعی مسئلے کا ثبوت آیات قرآن اور صحیح احادیث سے اور اجماع اُمت سے ہے۔ اس وعظ میں پہلے آیات پیش کی جاتی ہیں: وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَآ اٰتَیْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ

وَلَتَنْصُرُنَّهٗ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰی ذٰلِكُمْ اِصْرِیْ قَالُوْا اَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِیْنَ. فَمَنْ تَوَلّٰی بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ.

(سورۂ آل عمران، آیت:81-82)

ترجمہ: اے محبوب! یاد کرو جب خدا نے پیغمبروں سے عہد لیا کہ جو میں تم کو کتاب وحکمت دوں، پھر تمہارے پاس آئے رسول تصدیق فرماتا اس کی جو تمہارے ساتھ ہے، تم ضرور ان پر ایمان لانا اور اُن کی مدد کرنا، فرمایا کہ کیا تم نے اقرار کیا اور اس پر میرا اہم ذمہ لیا۔ سب نے عرض کیا کہ ہم ایمان لائے، پھر فرمایا کہ ایک دوسرے پر گواہ ہوجاؤ اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں، اب جو اس کے بعد پھر گیا وہی لوگ فاسق ہیں۔

آیت کے مضمون کا مہتم بالشان ہونا

اس آیت کریمہ سے صریح معلوم ہورہا ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم رسولوں کے رسول ہیں، مگر دیکھنا یہ ہے کہ اللہ تعالی نے اس مضمون کو کس قدر اہتمام شان سے بیان فرمایا ہے:

اولاً: انبیا علیہم الصلوٰۃ والثناء معصوم ہوتے ہیں، اس لیے حکم الٰہی کی خلاف ورزی ان سے متصور نہیں، لہٰذا صرف اتنا کافی تھا کہ رب تعالی ان کو حکم فرمادیتا کہ اگر وہ نبی تمہارے پاس آئے تو اُن پر ایمان لانا اور اس کی مدد کرنا، مگر اسی پر اکتفانہ فرمائی بلکہ ان سے عہد وپیمان لیا اور یہ عہد اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ کے بعد دوسرا عہد ہے، جیسے کلمہ طیبہ میں لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کے ساتھ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ہے، تاکہ معلوم ہوجائے کہ تمام مخلوق پر پہلا فرض ربوبیت الٰہیہ کا اذعان ہے، پھر اس کے برابر رسالت محمدیہ پر ایمان۔

ثانیاً: اس عہد کو لام قسم سے مؤکد فرمایا: لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ. جس طرح نوابوں سے سلاطین کی بیعت پر قسمیں لی جاتی ہیں۔

ثالثاً: پھر نون تاکید سے مؤکد کیا اور وہ بھی ثقیلہ لاکر تاکید کو اور پختہ کردیا۔

رابعاً: اب مقام یہ تھا کہ انبیائے کرام جواب دیں، مگر حضرات انبیا کے جواب دینے سے قبل خود تقدیم فرما کر پوچھا: ءَاَقْرَرْتُمْ؟ کیا تم اس بات کا اقرار کرتے ہو، یعنی اللہ تعالی کو کمال

تعمیل مقصود ہے۔

خامساً: صرف اقرار پر بھی اکتفانہ فرمائی، بلکہ ارشاد فرمایا: وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِیْ۔ خالی اقرار نہیں، بلکہ اس پر میرا بھاری ذمہ لو۔

سادساً: انبیائے کرام کا اقرار سے مکر جانا غیر معقول ہے، مگر پھر بھی فرمایا کہ ایک دوسرے پر گواہ ہو جاؤ۔

سابعاً: پھر کمال یہ ہے کہ فقط ان کی گواہیوں پر بھی اکتفانہ فرمائی، بلکہ ارشاد فرمایا: وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِیْنَ۔ میں خود بھی تمہارے ساتھ گواہوں سے ہوں۔

ثامناً: اتنی بڑی تاکید کے باوجود انبیائے کرام معصوم ہیں، ان کو شدید تہدید فرمائی کہ فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ۔ اب جو اس اقرار سے پھرے گا فاسق ٹھہرے گا۔ باری تعالیٰ نے کمال اہتمام کی وجہ سے جس طرح انبیائے معصومین سے فرمایا اسی طرح اپنی توحید میں ملائکہ معصومین کے حق میں بھی ارشاد فرماتا ہے: وَمَنْ یَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّیْۤ اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ فَذٰلِكَ نَجْزِیْهِ جَهَنَّمَ كَذٰلِكَ نَجْزِی الظّٰلِمِیْنَ۔ (پارہ:17)

یعنی جو اُن سے کہے گا کہ میں اللہ کے سوا معبود ہوں اسے جہنم کی سزا دیں گے اور ظالموں کو ہم ایسی ہی سزا دیتے ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ باری تعالیٰ کو جیسا اول حصہ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کے ساتھ ایمان لانے کا اہتمام ہے، ایسے ہی بغیر کسی کمی بیشی کے کلمہ کے دوسرے جز مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کے ساتھ ایمان لانا بھی کمال مقصود ہے، یعنی اللہ ایسا معبود برحق ہے کہ ملائکہ مقربین بھی اس کی بندگی سے منہ نہیں پھیر سکتے اسی طرح حبیب خدا ایسے رسول ہیں کہ انبیاو مرسلین بھی ان کا کلمہ پڑھتے ہیں۔

انبیائے کرام نے اپنا عہد پورا کیا

حضرات انبیا علیہم الصلوٰۃ والثناء اس عہد ربانی کو پورا کرتے رہے اور اپنی مجالس ومحافل میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح وثنا کرتے اور اپنی امتوں سے حضور پر ایمان لانے اور مدد کرنے کا عہد لیتے، یہاں تک کہ آخری مژدہ رساں حضرت مریم کا پاک بیٹا حضرت مسیح کلمۃ

اللہ صلوٰۃ اللہ علیہ مُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ۔ کہتا تشریف لایا۔

ابن عساکر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی ہیں:

لَمْ یَزَلِ اللّٰهُ یَتَقَدَّمُ فِی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اٰدَمَ فَمَنْ بَعْدَهٗ وَلَمْ تَزَلْ اُمَمٌ تَتَبَاشَرُ بِهٖ وَتَسْتَفْتِحُ بِهٖ حَتّٰی اَخْرَجَهُ اللّٰهُ فِیْ خَیْرِ اُمَّةٍ وَّفِیْ خَیْرِ قَرْنٍ وَّفِیْ خَیْرِ اَصْحَابٍ وَّفِیْ خَیْرِ بَلَدٍ۔

ترجمہ: ہمیشہ سے اللہ تعالیٰ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں آدم اور ان کے بعد انبیا کو پیشین گوئی فرماتا رہا اور تمام اُمتیں آپ کی آمد کی خوشیاں مناتیں اور آپ کے واسطے سے طلب فتح کرتیں، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہترین امت، بہترین زمانہ، بہترین اصحاب اور بہترین شہر میں ظاہر فرمایا۔

قرآن پاک میں اس کی تصدیق موجود ہے: وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ یَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِیْنَ۔ (بقرہ، آیت:89)

ترجمہ: حضور کے ظہور سے پہلے کافروں پر اس کے وسیلے سے فتح چاہتے، پھر جب وہ جانا پہچانا ان کے پاس تشریف لایا تو وہ منکر ہو گئے، پس اللہ کی پھٹکار ہو منکروں پر۔

حضرات مفسرین فرماتے ہیں کہ جب یہود مشرکوں سے لڑتے تو یہ دعا کیا کرتے: اَللّٰهُمَّ انْصُرْ عَلَیْهِمْ بِالنَّبِیِّ الْمَبْعُوْثِ فِیْ اٰخِرِ الزَّمَانِ۔ (جلالین 14)

یا اللہ! اس نبی کے واسطے سے ہماری مدد فرما جو آخر زمانہ میں مبعوث ہوگا اسی عہد ومیثاق کا سبب ہے کہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: لَوْ كَانَ مُوْسٰى حَیًّا مَا وَسِعَهٗۤ اِلَّا اتِّبَاعِیْ۔
(مدارج، جلد اول، صفحہ:98، الیواقیت والجواہر، صفحہ:22)

ترجمہ: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے۔ اگر آج موسیٰ علیہ السلام دنیا میں ہوتے تو میری پیروی کے سوا اُن کے پاس کوئی گنجائش نہ ہوتی۔

ایک حدیث پاک میں ہے: لَوْ كَانَ مُوْسٰى وَعِیْسٰى حَیَّیْنِ مَا وَسِعَهُمَاۤ اِلَّا اتِّبَاعِیْ۔
(الیواقیت والجواہر، جلد دوم، صفحہ:22)

ترجمہ: اگر موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام دنیا میں ہوتے تو میری پیروی کے سوا اُن کے پاس کوئی گنجائش نہ ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ جب آخر زمانے میں حضرت سیدنا موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام

نزول فرمائیں گے تو گو وہ بدستور منصب رسالت پر ہی ہوں گے، مگر پھر بھی سیدالمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے اُمتی بن کر رہیں گے اور حضور ہی کی شریعت پر عمل کریں گے۔ حضور کے اُمتی امام مہدی کے پیچھے نماز ادا کریں گے۔ جیسا کہ سیدالمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

كَيْفَ أَنْتُمْ إِذَا نَزَلَ ابْنُ مَرْيَمَ فِيكُمْ وَإِمَامُكُمْ مِنْكُمْ۔

(رواہ الشیخان، مشکوۃ، صفحہ:480)

ترجمہ: تمہارا کیا حال ہوگا جب ابن مریم تم میں آئیں گے اور تمہارا امام تم میں سے ہوگا۔

امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: اِعْلَمْ أَنَّهُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَبِيُّ الْأَنْبِيَاءِ لِلْعَهْدِ الَّذِي أَخَذَ عَلَى الْأَنْبِيَاءِ بِسِيَادَتِهِ عَلَيْهِمْ وَنُبُوَّتِهِ فِي قَوْلِهِ تَعَالَى وَإِذْ أَخَذَ اللهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ۔ (الیواقیت والجواہر، صفحہ:22)

ترجمہ: جان لو! بے شک حضور صلی اللہ علیہ وسلم نبی الانبیاء ہیں اس عہد کے واسطے جو انبیا پر لیا گیا ہے کہ آپ ان پر سردار اور نبی ہوں گے اس آیت کے تحت کہ وَإِذْ أَخَذَ اللهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ۔

سیدالمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت پر دوسری دلیل، قرآن فرماتا ہے:

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِلْعَالَمِينَ۔ (سورۂ انبیا)

ترجمہ: اے محبوب! ہم نے آپ کو سارے جہان کے لیے رحمت بنا کر بھیجا۔

عالم کا معنی

عالمین جمع عالم کی ہے اور عالم کا معنی مَا يُعْلَمُ بِهِ ہے، جس سے رب کی پہچان ہو۔ لہٰذا اس کا اطلاق ہر چیز پر ہوتا ہے جو ماسوی اللہ ہو اور عالم میں انبیا و ملائکہ سب داخل ہیں، تو یقیناً حضور پرنور سیدالمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم ان سب کے لیے رحمت و نعمت ہوئے اور سب حضور کی بارگاہ سے بہرہ ور اور مستفیض ہوتے ہیں، لہٰذا آپ سب سے افضل ہیں۔

☆☆☆

چودھواں وعظ: 2

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت

قَالَ اللهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى:

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهِ۔ (سورۂ ابراہیم، آیت:4)

ترجمہ: ہم نے ہر رسول کو اس کے قوم کی زبان کے ساتھ مبعوث کیا۔

اس آیت کریمہ سے ثابت ہوا کہ انبیائے سابقین سب کے سب خاص اپنی قوم پر رسول بنا کر بھیجے گئے، جیسا کہ قرآن پاک کی ان آیتوں سے ثابت ہے:

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَى قَوْمِهِ۔ وَإِلَى عَادٍ أَخَاهُمْ هُودًا۔ وَإِلَى ثَمُودَ أَخَاهُمْ صَالِحًا۔ وَلُوطًا إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ۔ وَإِلَى مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا۔ وَتِلْكَ حُجَّتُنَا آتَيْنَاهَا إِبْرَاهِيمَ عَلَى قَوْمِهِ۔

ترجمہ: واقعی ہم نے نوح کو اپنی قوم کی طرف بھیجا، ہم نے قوم عاد کی طرف ان کے بھائی ہود کو بھیجا، قوم ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو بھیجا، لوط نے جب اپنی قوم سے کہا اور مدین کی طرف ان کے بھائی شعیب کو بھیجا، یہ حجتیں ہیں جو ہم نے ابراہیم کو اپنی قوم پر دی ہیں۔

عیسیٰ علیہ السلام سے حکایتاً فرمایا: وَرَسُولًا إِلَى بَنِي إِسْرَائِيلَ۔ میں بنی اسرائیل کی طرف رسول بن کر آیا ہوں۔ حضور سیدالمرسلین علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں: كَانَ النَّبِيُّ يُبْعَثُ إِلَى قَوْمِهِ خَاصَّةً وَبُعِثْتُ إِلَى النَّاسِ عَامَّةً۔ (متفق علیہ، مشکوۃ، صفحہ:512)

ترجمہ: (پہلے) خاص نبی اپنی قوم کی طرف بھیجا جاتا اور میں تمام انسانوں کی طرف بھیجا گیا ہوں۔ بعض نبی صرف ایک بستی کی طرف مبعوث ہوتے اور اس سے آگے تجاوز نہ کرتے، یہ حال انبیائے عظام علیہم السلام کا تھا، مگر اللہ نے ہمارے رسول پاک کو تمام انسانوں کا رسول بنا کر بھیجا، جیسا کہ قرآن کریم کا ارشاد ہے: وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ۔ (پارہ:12، رکوع:9)

ترجمہ: نہیں بھیجا ہم نے آپ کو مگر سب لوگوں کی طرف خوشخبری اور ڈر سناتا لیکن اکثر لوگ بے خبر ہیں۔

دوسرے مقام پر فرماتا ہے: قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا۔ (پارہ:9، رکوع:10)

ترجمہ: آپ فرمادیں کہ اے لوگو! تم سب کی طرف میں اللہ کا رسول ہوں۔

حضور صرف انسانوں ہی کے لیے رسول بن کر تشریف نہیں لائے بلکہ انسانوں، جنوں اور فرشتوں، حیوانوں، شجر و حجر، غرض کہ ہر مخلوق خدا کے لیے رسول ہیں۔ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے:

تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا۔ (سورۂ فرقان، آیت:1)

ترجمہ: بڑی برکت والا ہے وہ جس نے قرآن اپنے بندے پر نازل فرمایا کہ وہ سارے جہان کو ڈر سنانے والا ہو۔

خود دونوں جہان کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: اُرْسِلْتُ اِلَى الْخَلْقِ كَافَّةً وَّخُتِمَ بِيَ النَّبِيُّوْنَ۔ (مسلم، مشکوٰۃ، صفحہ:512)

ترجمہ: میں تمام مخلوق کی طرف بھیجا گیا ہوں اور میں خاتم النبیین ہوں۔

شہنشاہ ہفت کشور

بھلا یہ تو سوچو کہ ایک تو صرف ایک بستی کا حاکم یا صرف ایک ولایت کا بادشاہ ہے اور ایک وہ ہے جو ہفت اقلیم اور ساری دنیا کا شہنشاہ ہے۔ کیا شہنشاہ ہفت اقلیم ان سے افضل نہ ہوگا؟ ضرور ہوگا، لہٰذا ماننا پڑے گا کہ سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم سب رسولوں اور نبیوں سے افضل ہیں۔ بعینہٖ یہی دلیل حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت پر دی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں:

اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى فَضَّلَ مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْاَنْبِيَاءِ وَعَلٰى اَهْلِ السَّمَاءِ۔

ترجمہ: بے شک اللہ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام انبیا اور ملائکہ سے افضل کیا۔

حاضرین نے انبیا علیہم السلام پر وجہ تفصیل پوچھی تو فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى قَالَ: وَمَا

اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ وَقَالَ لِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ فَاَرْسَلَهٗ اِلَى الْجِنِّ وَالْاِنْسِ۔ (دارمی، مشکوٰۃ، صفحہ:515)

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ (اور رسولوں کے واسطے) ہم نے نہ بھیجا کوئی رسول مگر اس کے قوم کی زبان کے ساتھ اور سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ ہم نے آپ کو سب لوگوں کے لیے رسول بنا کر بھیجا۔

معلوم ہوا کہ آپ کو تمام انسانوں اور جنوں کے لیے رسول بنایا ہے۔

اعلیٰ حضرت عظیم البرکت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مضمون کو اس شعر میں ادا فرمایا:

سب سے اعلیٰ و اولیٰ ہمارا نبی
سب سے بالا و والا ہمارا نبی

دیگر وجہ فضیلت

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: هُوَ الَّذِيْۤ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا۔ (سورۂ فتح، آیت:28)

ترجمہ: وہی ہے جس نے اپنا رسول ہدایت اور سچا دین لے کر بھیجا کہ اسے غالب کرے سب دینوں پر اور اللہ کی شہادت کافی ہے۔

اور امت مسلمہ کے متعلق ارشاد ہوتا ہے: كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ۔ (پارہ:4)

ترجمہ: تم سب سے بہتر امت ہو کہ لوگوں کے لیے ظاہر کیے گئے۔

اوپر کی دونوں آیتوں سے واضح ہوتا ہے کہ حضور کا دین تمام دینوں سے اعلیٰ و اکمل ہے اور آپ کی اُمت سب اُمتوں سے افضل و بہتر، تو اس دین کا مالک اور اس اُمت کا آقا بھی تمام دین اور اُمت والوں سے افضل و اعلیٰ ہوگا۔

قاعدہ ہے کہ جب بادشاہ اپنے تمام امرا کو نام لے کر پکارے اور ان میں ایک کو یوں بلائے کہ اے مقرب بارگاہ! اے نائب سلطنت! اے صاحب عزت! اے سید مملکت! تو ہر ذی ہوش انسان سمجھ جاتا ہے کہ بادشاہ کی بارگاہ میں زیادہ عزت و وجاہت اسی کی ہے اور اس سے بڑھ کر اور کوئی زیادہ پیارا نہیں ہے، بس یہی اس کو زیادہ پیارا ہے۔ بلاتشبیہ بادشاہ حقیقی جب اپنے نبیوں اور رسولوں کو پکارتا ہے، بلاتا ہے، تو نام لے کر، جیسا کہ فرمایا:

یٰاٰدَمُ اسْکُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ۔ یٰنُوْحُ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا۔ یٰۤاِبْرٰهِیْمُ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْیَا۔ یٰمُوْسٰۤی اِنِّیْۤ اَنَا اللّٰهُ۔ یٰعِیْسٰۤی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ۔ یٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِیْفَةً۔ یٰزَكَرِیَّاۤ اِنَّا نُبَشِّرُكَ۔ یٰیَحْیٰی خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ۔

دیکھ لو، ان حضرات کو بلایا، پکارا، ندا فرمائی تو نام لے کر مگر جب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی باری آئی تو آپ کو نام لے کر نہیں پکارا بلکہ اوصاف جمیلہ اور القاب جمیلہ سے پکارا، چنانچہ فرمایا: یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ۔ اے نبی! تجھے رسول بنایا۔

یٰۤاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ۔ اے رسول! وہ پہنچا جو تیری طرف نازل ہوا۔

یٰۤاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ۔ قُمِ الَّیْلَ۔ اے کپڑا اوڑھے لیٹنے والے! رات میں قیام فرما۔

یٰۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ۔ قُمْ فَاَنْذِرْ۔ اے جھرمٹ مارنے والے! کھڑا ہو اور ڈر سنا۔

یٰسٓ۔ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِیْمِ۔ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ۔ اے سردار! قسم ہے حکمت والے قرآن کی، بے شک تو مرسلوں سے ہے۔

طٰهٰ۔ مَاۤ اَنْزَلْنَا عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰۤی۔ اے چودھویں کے چاند! ہم نے تجھ پر قرآن اس لیے نہیں نازل کیا کہ آپ مشقت میں پڑیں۔

کسی عربی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

فَدَعَا جَمِیْعَ الرُّسُلِ كُلًّا بِاسْمِهٖ — وَدَعَاكَ وَحْدَكَ بِالرَّسُوْلِ وَبِالنَّبِیْ

یعنی تمام رسول کو ان کے نام سے پکارا، اور صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول اور نبی کے خطاب سے پکارا۔

فائدہ: یٰسین اور طٰہٰ کے متعلق علما کے کئی اقوال ہیں، یا تو یہ دونوں حضور علیہ السلام کے نام ہیں یا: ا کا معنی یَا رَجُلُ یا ان کا معنی یَا اِنْسَانُ ہے اور یٰسین کا معنی یا سید ہے۔ جیسا کہ مدارج، جلد اول، صفحہ:89 اور شفا، صفحہ:20 میں ہے اور طٰہٰ بمعنی طاہر کے معنی میں ہے یا ہادی کے۔ نیز علما نے فرمایا ہے کہ طا کے عدد، حساب ابجد میں نو ہیں اور ہا کے پانچ، تو مجموعہ چودہ ہوئے۔ اس کا معنی یہ ہوا کہ اے چودھویں رات کے چاند! جیسا کہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے مدارج، جلد اول، صفحہ:89 میں لکھا ہے:

ترا عز لولاک تمکین بس است — ثنائے تو طٰہٰ و یٰسین است

یا آدم است با پدر خطاب — یَاَیُّهَا النبی خطاب محمد است

یعنی یا رسول اللہ! آپ کی عزت کا ذکر لولاک میں ہے، آپ کی ثنا طٰہٰ و یٰس ہے، بابا آدم کو یا آدم سے خطاب کیا گیا جب کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو یٰۤاَیُّهَا النبی کہہ کر خطاب کیا جا رہا ہے۔

فضیلت کی آخری وجہ

انبیائے سابقین کے زمانے کے کفار خود اپنے نبی کو اُن کا نام لے کر پکارتے تھے، جیسا کہ قرآن پاک میں ہے کہ اسباط نے کہا: یٰعِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ هَلْ یَسْتَطِیْعُ رَبُّكَ۔

مگر قربان حبیب خدا کی عظمت شان پر کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے نام لیواؤں کو اپنا حکم سنا کر آگاہ فرما دیا کہ خبردار! میرے حبیب کو اُن کا نام لے کر کوئی نہ پکارے، بلکہ نام سے بلانے اور پکارنے کو اُمت پر حرام قرار دے دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَیْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا۔ (سورۂ نور)

ترجمہ: رسول کریم کو ایسے نہ بلاؤ جیسے تم آپس میں ایک دوسرے کو بلاتے ہو۔

یعنی اے زید! اے عمر! بلکہ ادب سے پکارو اور یوں کہو یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ یَا نَبِیَّ اللّٰهِ یَا سَیِّدَ الْمُرْسَلِیْنَ یَا خَاتَمَ النَّبِیِّیْنَ یَا شَفِیْعَ الْمُذْنِبِیْنَ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ۔

اگر کوئی نام لے کر پکارے تو بے ادب و گستاخ شمار کیا جائے گا، کیوں کہ خود خالق و مالک اور بادشاہ حقیقی نے کسی بھی مقام پر حضور کو نام لے کر نہیں پکارا، تو غلام کی کیا مجال ہے کہ وہ اپنے آقا و مولیٰ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اُن کا نام پاک لے کر پکارے۔

مسئلہ: جن روایتوں میں یا محمد کا لفظ آجائے، تو وہاں یا رسول اللہ! یا نبی اللہ! کہنا چاہیے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ جب پہلی اُمتوں کو ندا فرماتا ہے، تو یٰۤاَیُّهَا الْمَسٰكِیْنُ فرماتا ہے۔ تورات میں جابجا یہ لفظ ارشاد ہے اور قرآن مجید میں ہے یا بنی اسرائیل وغیرہ، مگر اس اُمت مرحومہ کے لیے اپنے حبیب کے صدقے میں عمدہ خطاب اور شیریں ندا اختیار کی اور فرمایا: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا۔

یعنی اے ایمان والو! اُمتی کے لیے اس سے زیادہ اور کیا فضیلت ہوگی۔ واقعی سچ ہے کہ محبوب کا محبوب بھی محبوب ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے: فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ۔

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرو، اللہ کے محبوب بن جاؤ گے۔

پندرہواں وعظ: 3

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت

اللہ جل مجدہٗ نے مخلوق کی ہدایت کی خاطر بے شمار انبیا مبعوث فرمائے، مگر کسی کی جان، زمان، اُن کے شہر اور اُن کی باتوں کی قسم نہ کھائی، مگر اپنے حبیب کو وہ مرتبۂ جلیلہ عطا فرمایا کہ حضور کی جان، عمر اور بقا کی قسم کھائی، ارشاد باری ہے:

لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ۔ (حجر:۷۲)

ترجمہ: اے محبوب! آپ کی جان کی قسم وہ کافر اپنے نشے میں اندھے ہورہے ہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل بڑے بڑے پیغمبر گزر چکے ہیں۔ وہ ضرور کلیم بھی تھے اور خلیل بھی تھے، مگر اُن میں سے کسی کی جان اور عمر کی قسم نہیں کھائی، اگر جان کی قسم کھائی تو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی۔

ثابت ہوا کہ اللہ کا پیارا محبوب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سب سے افضل ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں:

مَا خَلَقَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَمَا ذَرَأَ وَمَا بَرَأَ نَفْسًا اَكْرَمَ عَلَيْهِ مِنْ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَا سَمِعْتُ اللّٰهَ اَقْسَمَ بِحَيَاةِ اَحَدٍ غَيْرِهٖ۔ (مدارج النبوۃ، جلد اول، صفحہ:82)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے ایسا کوئی نہ بنایا، نہ پیدا کیا جو اُسے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ عزیز ہو اور میں نے اللہ تعالیٰ سے نہیں سنا کہ حضور کی حیات اور عمر کے سوا کسی اور کی حیات کی قسم کھائی ہو۔

اجلہ تابعین سے حضرت ابو جوزا رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: مَا اَقْسَمَ اللّٰهُ تَعَالٰى بِحَيَاةِ اَحَدٍ غَيْرِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِاَنَّهٗ اَكْرَمُ الْبَرِيَّةِ عِنْدَهٗ۔ (شفا، ج:۱، صفحہ:20)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے کسی کی حیات کی قسم نہیں فرمائی سوائے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے، کیوں کہ اللہ کے یہاں حضور تمام مخلوقات سے زیادہ عزیز ہیں۔

حضور کے زمانے کی قسم

اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمان برکت نشان کی قسمیں کھائی ہے۔ خود ارشاد فرماتا ہے: وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ۔ (پارہ:30)

ترجمہ: قسم ہے زمانۂ مصطفیٰ کی، بے شک انسان گھاٹے میں ہے۔

فائدہ: امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس عصر سے مراد زمان برکت نشان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے اور فرمایا کہ علما نے حضور کی حدیث سے حجت پکڑی ہے کہ عصر سے مراد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ ہے۔ حدیث پاک یہ ہے: اِنَّمَا مَثَلُكُمْ وَمَثَلُ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ مَثَلُ رَجُلٍ اِسْتَاْجَرَ اُجَرَاءَ فَقَالَ مَنْ يَعْمَلُ مِنَ الْفَجْرِ اِلَى الظُّهْرِ بِقِيْرَاطٍ فَعَمِلَتِ الْيَهُوْدُ ثُمَّ قَالَ: مَنْ يَعْمَلُ مِنَ الظُّهْرِ اِلَى الْعَصْرِ بِقِيْرَاطٍ فَعَمِلَتِ النَّصَارٰى، ثُمَّ قَالَ: مَنْ يَعْمَلُ مِنَ الْعَصْرِ اِلَى الْمَغْرِبِ بِقِيْرَاطَيْنِ، فَغَضِبَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصَارٰى وَقَالُوْا: نَحْنُ اَكْثَرُ عَمَلًا وَّاَقَلُّ اَجْرًا فَقَالَ اللّٰهُ وَهَلْ نَقَصْتُكُمْ مِنْ اَجْرِكُمْ شَيْئًا؛ قَالُوْا: لَا قَالَ: فَذٰلِكَ فَضْلِيْ اُوْتِيْهِ مَنْ اَشَاءُ فَكُنْتُمْ اَقَلَّ عَمَلًا وَّاَكْثَرَ اَجْرًا۔ (بخاری، انوار محمدیہ، صفحہ:389)

ترجمہ: بے شک تمہاری اور تم سے پہلوں کی مثال اس شخص کی طرح ہے جس نے بہت سے مزدور مزدوری پر لیے اور کہا کہ جو فجر سے ظہر تک کام کرے گا اسے قیراط ملے گا، یہودیوں نے عمل کیا، پھر کہا کہ جو شخص ظہر سے عصر تک کام کرے گا اُسے قیراط ملے گا، نصرانیوں نے کام کیا، پھر فرمایا کہ جو شخص عصر سے مغرب تک کام کرے گا اُسے دو قیراط ملیں گے، یہود اور نصرانی ناراض ہوئے اور کہنے لگے کہ کام ہمارا زائد اور مزدوری کم، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کیا میں نے تمہاری مزدوری کم کی ہے؟ انھوں نے کہا کہ نہیں، فرمایا کہ یہ میرا فضل ہے جسے چاہتا ہوں دیتا ہوں۔ پس اے مسلمانو! تم کام تھوڑا کرتے ہو اور اجرت زیادہ لیتے ہو۔

علما نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ زمانے سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا

زمانہ ہے، اسی طرح شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی لکھتے ہیں:

بعضے گفتہ اند کہ مراد از عصر پیغمبر ماست صلی اللہ علیہ وسلم کہ بسبب بعثت او بازار سود وزیاں گرم شد ہر کہ اطاعت ایشاں نمود سُودے حاصل کرد تا ابدالآباد باقیست و ہر کہ نافرمانی او کرد زیانے بدست بدست آمرورد کہ نہایت ندارد۔ پس آں عصر بسبب کثرت انوار الٰہی و فیضان علوم لامتناہی ونزدیک کردن دراں و آمرزیدن گنہگاراں عظمتے دارد کہ از ابتدائے آدم تا ایندم در ہیچ روزگارے عشر عشیر آں بوجود نیامدہ ونخواہد آمد۔ والنعم ما قیل:

خوشا عہدے کہ مردم آدم بے سایہ را دیدند
غریب است ایں زماں گر سایہ آدم شود پیدا

(تفسیر عزیزی عم، صفحہ:275)

ترجمہ: بعض علمائے کرام نے فرمایا ہے کہ عصر سے مراد زمانہ ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے کہ آپ کی بعثت کے سبب نفع ونقصان کا بازار گرم ہوگیا۔ جس نے آپ کی اطاعت کی ایسا نفع پایا کہ ہمیشہ ہمیشہ باقی ہے اور جس نے نافرمانی کی اس نے ایسا نقصان پایا کہ اس کی انتہا کوئی نہیں، تو وہ زمانہ بسبب کثرت انوار الٰہی اور غیر متناہی علوم کے فیضان سے اور دوسروں کو نزدیک کرنا اور گنہگاروں کو بخشنا ایسا بڑا شان رکھتا ہے کہ ابتدائے آدم علیہ السلام سے لے کر کسی زمانے میں بھی اس کا عشر عشیر بھی وجود میں نہیں آیا اور نہ ہی آئے گا۔

آپ کے شہر کی قسم

حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کو بارگاہِ الٰہی میں وہ عظمت وکرامت حاصل ہے کہ اللہ اس شہر کی قسم کھاتا ہے جس میں مصطفی کے قدم لگے ہیں، کیوں کہ محاورہ ہے کہ شرف المکان بالمکین۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: لَاۤ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ، وَاَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ۔

یعنی میں قسم کھاتا ہوں اس شہر کی جس شہر میں آپ جلوہ افروز ہیں۔

فائدہ: اس شہر مقسم بہ میں اختلاف ہے۔ بعض نے فرمایا ہے کہ وہ مدینہ منورہ ہے۔ اکثر کا مذہب ہے کہ وہ مکہ معظمہ ہے۔ اللہ مکہ معظمہ کی قسم کھاتا ہے، مگر اس لیے نہیں کہ وہاں خانہ کعبہ

ہے یا منٰی ہے یا مقام ابراہیم ہے یا میزاب رحمت ہے یا عرفات ہے، بلکہ اس لیے قسم کھاتا ہے کہ اس شہر کی گلیوں میں مصطفی کے قدموں کے تلوے لگے ہیں، اس لیے قسم اٹھائی گئی، اور یہی وہ چیز ہے جو امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کرتے ہیں:

بِأَبِي أَنْتَ وَأُمِّي يَا رَسُولَ اللہ! بتحقیق رسیدہ است فضیلت تو نزد خدا بمرتبۂ خدا کہ سوگند خود اللہ تعالیٰ بحیات تو نہ بحیات سائر انبیا علیہم السلام ورسیدہ است فضیلت تو نزد خدا تعالیٰ بحدیکہ سوگند خورد بخاک پائے تو وگفت لَاۤ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ۔

(مدارج النبوۃ، جلد اول، صفحہ:83)

ترجمہ: میرے ماں باپ حضور پر قربان، بے شک حضور کی بزرگی اللہ کے نزدیک اس حد کو پہنچی ہے کہ حضور کی زندگی کی قسم کھائی، نہ باقی انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کی اور بے شک حضور کی فضیلت اللہ کے یہاں اس نہایت کی ٹھہری کہ حضور کی خاکِ پا کی قسم کھائی کہ وہ خود فرماتا ہے مجھے اس شہر کی قسم ہے۔

حضور کے چہرۂ اقدس کی قسم

کمال ہے کہ رب العالمین اپنے محبوب کے چہرے اور زلفوں کی قسم کھاتا ہے۔

قرآن پاک ارشاد فرماتا ہے:

وَالضُّحٰى، وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰى۔ (پارہ:30)

ترجمہ: قسم ہے چہرۂ حبیب کی اور اُن زلفوں کی جب وہ چہرے پر چھا جاتی ہیں۔

فائدہ: اگرچہ ضحیٰ اور لیل سے مراد مفسرین نے مختلف لیے ہیں، مگر عشاق کے یہاں ضحیٰ سے چہرۂ اقدس مراد ہے اور لیل سے مراد آپ کے سیاہ گیسو ہیں۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی فرماتے ہیں: بعض گویند کہ مراد از ضحیٰ روئے پیغمبر است صلی اللہ علیہ وسلم واز لیل موئے او کہ در سیاہی ہمچوں شب است۔ (تفسیر عزیزی، صفحہ:217)

ترجمہ: بعض علما فرماتے ہیں کہ ضحیٰ سے چہرۂ مصطفی مراد ہے اور لیل سے مراد آپ کے گیسو

ہیں جو رات کی طرح سیاہ تھے۔

حضور کی کتاب کی قسم

اللہ تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کتاب کی قسم کھاتے ہوئے فرماتا ہے:

یٰسٓ۔ وَالْقُرْاٰنِ الْحَکِیْمِ۔ اِنَّکَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ۔ (سورہ یٰسین، آیت:1 تا 3)

ترجمہ: حکمت والے قرآن کی قسم! بے شک تم رسولوں میں سے ہو۔

دیکھو اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کی جو مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی کتاب ہے قسم کھائی ہے۔

کلمہ یٰسین متشابہات سے ہے، اس لیے اس کے صحیح معنی تو رب ہی جانتا ہے یا اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم، مگر بعض علما نے اس کی کچھ تاویلیں بیان فرمائی ہیں:

۱۔ سرکار مدینہ کا اسم گرامی ہو جیسا کہ روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں میرے بارہ نام ہیں، ان میں سے طٰہٰ اور یٰسین کا ذکر فرمایا۔ اس صورت میں حرف ندا محذوف ہوگا تو تقدیر عبارت اس طرح ہوگی کہ اے یٰسین! یعنی اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم)

۲۔ امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یٰسین سے مراد یا سید ہے، اب اس کا معنی ہوگا کہ اے سردار!

۳۔ بعض نے کہا کہ یٰسین کا معنی یا رَجُل ہے۔ بعض نے کہا کہ اس کا معنی یا انسان ہے۔ بہر تقدیر مراد اس سے ذات مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم ہے، پھر یا تو آپ کو ندا ہے یا آپ کے ساتھ قسم ہے تو دو قسمیں ہو جائیں گی: ایک آپ کے نام کے ساتھ اور ایک آپ کی کتاب کے ساتھ۔

(مدارج، جلد اول، صفحہ:83، شفا، جلد اول، صفحہ:20)

حاصل مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اپنے محبوب کی رسالت کی قسم کھائی، حالاں کہ دیگر کسی نبی کی رسالت کی قسم اللہ تعالیٰ نے نہیں کھائی۔

حضرت نقاش رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: لَمْ یُقْسِمِ اللّٰہُ تَعَالٰی لِاَحَدٍ مِّنْ اَنْبِیَائِہٖ بِالرِّسَالَۃِ فِیْ کِتَابِہٖ اِلَّا لَہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔ (شفا، جلد اول، صفحہ:20)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے کسی نبی کی رسالت کے ساتھ اپنی کتاب میں قسم نہیں کھائی مگر پیارے

رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی قسم کھائی۔

حضور کے والد کی قسم

اللہ تعالیٰ نے سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والد کی بھی قسم کھائی ہے:

وَوَالِدٍ وَّمَا وَلَدَ۔ (پارہ:30) یعنی قسم ہے والد اور مولود کی۔

والد سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں، تو آپ کے والد کی قسم کھائی گئی، یا والد سے مراد حضرت ابراہیم و اسمٰعیل ہیں۔ سرکار مدینہ کے یہ بھی والد ہیں، اور مَا وَلَدَ سے مراد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، گویا اللہ تعالیٰ نے وَوَالِدٍ وَّمَا وَلَدَ میں دو قسمیں کھائی ہیں: ایک آپ کے والد کی اور ایک آپ کی۔ (صلی اللہ علیہ وسلم) (شفا، جلد اول، صفحہ:21)

حضور کے قلب کی قسم

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰی۔ (پارہ:27)

مفسرین نے نجم کے بہت معانی بیان کیے ہیں مگر عشاق کے یہاں پسندیدہ معنی وہ ہے جو حضرت امام جعفر بن محمد رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر فرمایا ہے کہ نجم سے مراد یا تو ذات مصطفی ہے یا قلب مصطفی، اگر ذات مراد ہے تو معنی یہ ہوگا کہ اس چمکتے تارے محمد کی قسم! جب آپ معراج سے اترے، اگر قلب مصطفی مراد ہو تو معنی یہ ہوگا کہ قلب مصطفی کی قسم! جب انوار الٰہیہ سے منشرح ہوا۔

(شفا، جلد اول، صفحہ:21-22؛ مدارج، جلد اول، صفحہ:84)

☆☆☆

سولھواں وعظ: 4

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مطلق فضیلت

حضور سب سے افضل ہیں

حضور سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت پر ایک بڑی دلیل یہ ہے کہ انبیائے سابقین کی بارگاہ میں کفار جب کوئی سخت کلامی اور بے ہودہ گوئی کرتے تو انبیا حضرات خود اُن کافروں کو جواب دیتے، مثلاً: قوم نوح نے سیدنا نوح علیہ السلام سے کہا: إِنَّا لَنَرَاكَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ۔
یعنی بے شک ہم تمھیں کھلا گمراہ دیکھتے ہیں۔

سیدنا نوح علیہ السلام نے جواب دیا: يَا قَوْمِ لَيْسَ بِي ضَلَالَةٌ وَلَٰكِنِّي رَسُولٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ۔ اے میری قوم! مجھے گمراہی سے کچھ علاقہ نہیں، میں تو پروردگار عالم کی طرف سے رسول ہوں، اسی طرح قوم عاد نے سیدنا ہود علیہ السلام سے کہا: إِنَّا لَنَرَاكَ فِي سَفَاهَةٍ وَإِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكَاذِبِينَ۔ یعنی ہم تمھیں حماقت میں خیال کرتے ہیں، اور ہمارے گمان میں تم جھوٹے ہو۔ اس کا جواب سیدنا ہود علیہ السلام نے دیا: يَا قَوْمِ لَيْسَ بِي سَفَاهَةٌ وَلَٰكِنِّي رَسُولٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ۔ اے میری قوم! مجھ میں اصلاً سفاہت نہیں، میں تو رب العالمین کا پیغمبر ہوں۔

اہل مدین نے سیدنا شعیب علیہ السلام سے کہا: إِنَّا لَنَرَاكَ فِينَا ضَعِيفًا وَلَوْلَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنَاكَ وَمَا أَنتَ عَلَيْنَا بِعَزِيزٍ۔
یعنی ہم تم کو اپنے میں کمزور دیکھتے ہیں اور اگر تمہارے ساتھ یہ چند آدمی نہ ہوتے تو ہم تمھیں پتھروں سے مارتے اور تم ہمارے نزدیک عزت والے نہیں۔

آپ نے جواب دیا: يَا قَوْمِ أَرَهْطِي أَعَزُّ عَلَيْكُم مِّنَ اللَّهِ وَاتَّخَذْتُمُوهُ وَرَاءَكُمْ ظِهْرِيًّا۔

یعنی اے میری قوم! میرے کنبے کے یہ محدود لوگ تمہارے نزدیک اللہ سے زیادہ زور آور ہیں اور انھیں تم بالکل بھلا بیٹھے ہو۔

فرعون نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا: إِنِّي لَأَظُنُّكَ يَا مُوسَىٰ مَسْحُورًا۔
یعنی اے موسیٰ! میرے گمان میں تم پر جادو ہوا ہے۔

آپ نے جواب دیا: لَقَدْ عَلِمْتَ مَا أَنزَلَ هَٰؤُلَاءِ إِلَّا رَبُّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ بَصَائِرَ وَإِنِّي لَأَظُنُّكَ يَا فِرْعَوْنُ مَثْبُورًا۔ تو خوب جانتا ہے کہ انھیں آسمان و زمین کے مالک ہی نے نازل کیا ہے، دلوں کی آنکھیں کھولنے کے لیے اور میرے یقین میں اے فرعون! تو ہلاک ہونے والا ہے۔

معترض کو رب العالمین کا جواب

سبحان اللہ! سید المرسلین خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان نرالی ہے کہ جب کسی گستاخ نے آپ کی شان میں کوئی گستاخی کا کلمہ کہا تو خود رب العالمین نے اس کا منہ توڑ جواب دیا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جواب دینے کی ضرورت ہی نہ رہتی۔ یہ وہ مرتبہ عظمیٰ ہے جس کی انتہا نہیں: ذَٰلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ۔

مثال کے طور پر کفار نے بکواس کیا کہ حضور (معاذ اللہ) مجنون ہیں اور کہا: يَا أَيُّهَا الَّذِي نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ إِنَّكَ لَمَجْنُونٌ۔ اے وہ شخص جس پر قرآن نازل ہوا بے شک تم مجنون ہو۔

چنانچہ حق تعالیٰ نے ان گستاخوں کو جواب دیتے ہوئے فرمایا:

نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُونَ۔ مَا أَنتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُونٍ۔ وَإِنَّ لَكَ لَأَجْرًا غَيْرَ مَمْنُونٍ۔ وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ۔ فَسَتُبْصِرُ وَيُبْصِرُونَ۔ بِأَييِّكُمُ الْمَفْتُونُ۔

ترجمہ: قسم ہے قلم اور نوشتہائے ملائک کی! آپ اپنے رب کے فضل سے ہرگز مجنون نہیں اور بے شک آپ کے لیے بے حساب اجر ہے۔ بے شک آپ اعلیٰ اخلاق والے ہو، عنقریب آپ بھی دیکھیں گے اور وہ بھی دیکھ لیں گے کہ آپ میں سے کس کو جنون ہے۔

ایسے ہی حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر کچھ دنوں تک وحی اترنے میں دیر لگی تو کافر کہنے

لگے: اِنَّ مُحَمَّدًا وَدَّعَهُ رَبُّهُ وَقَلَاهُ۔

یعنی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اُن کے رب نے چھوڑ دیا اور دشمن پکڑا۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے کفار کی اس بے ہودگی کا ایسا جواب دیا جس سے شانِ مصطفیٰ چمک گئی۔ ارشاد باری ہے: وَالضُّحٰى. وَاللَّيْلِ إِذَا سَجٰى. مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى. وَلَلْآخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْأُولٰى. وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى۔

ترجمہ: (اے محبوب) قسم ہے آپ کے روئے روشن کی اور قسم ہے آپ کی زلفوں کی جب چمکتے یہ رخساروں پر بکھر کر آئے۔ نہ تجھے آپ کے رب نے چھوڑا اور نہ دشمن بنایا۔ آخرت آپ کے لیے دنیا سے بہتر ہے۔ قریب ہے کہ آپ کو آپ کا رب اتنا دے گا کہ آپ راضی ہوجائیں گے۔

کفار نے گستاخی کی لَسْتَ مُرْسَلًا۔ کہ آپ رسول نہیں، تو اللہ تعالیٰ نے خود اس کا جواب یوں دیا: يٰسٓ. وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيمِ. إِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ. مجھے قسم ہے حکمت والے قرآن کی! بے شک آپ رسول ہیں۔

عبداللہ ابن ابی ملعون نے یہ کلمہ ملعونہ کہا: لَئِنْ رَّجَعْنَا إِلَى الْمَدِينَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْأَعَزُّ مِنْهَا الْأَذَلَّ۔ کہ جب ہم مدینہ واپس ہوں گے تو عزت والا ذلیل کو مدینہ سے نکال دے گا، تو اللہ تعالیٰ نے جواب دیا: وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَلٰكِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَا يَعْلَمُونَ۔

یعنی عزت تو تمام اللہ ورسول اور مومنین ہی کے لیے ہے، مگر منافقوں کو خبر نہیں۔

جب کفار نے اعتراض کرتے ہوئے کہا: مَالِ هٰذَا الرَّسُولِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِي فِي الْأَسْوَاقِ۔ یعنی یہ کیسا رسول ہے کہ کھانا بھی کھاتا ہے اور بازار میں چلتا بھی ہے، تو خود اللہ تعالیٰ نے جواب دیا: مَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا إِنَّهُمْ لَيَأْكُلُونَ الطَّعَامَ وَيَمْشُونَ فِي الْأَسْوَاقِ۔ نہیں بھیجے ہم نے تجھ سے پہلے رسول مگر یہ کہ وہ سب کھانا کھاتے اور بازار میں آتے جاتے تھے۔ جب کفار نے کہا: لَوْ نَشَاءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَا إِنْ هٰذَا إِلَّا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ۔ اور ہم چاہیں تو ایسا کہہ سکتے ہیں کہ یہ نہیں ہے مگر پہلے لوگوں کے قصے۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان بے دینوں کو جواب دیا: قُلْ فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّنْ مِّثْلِهِ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِينَ۔ اے حبیب ان سے فرمادیں کہ اگر تم سچے ہو تو ایک چھوٹی سی سورت کی شل بنا کر لاؤ۔ نیز یہ بھی فرمایا: قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْجِنُّ

وَالْإِنْسُ عَلٰى أَنْ يَّأْتُوا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْآنِ لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ۔ آپ فرمادیں کہ اگر تمام جن اور انسان اکٹھے ہوجائیں کہ اس قرآن کی مثل لائیں تو اس کی مثل نہ لاسکیں گے۔

جب کفار نابنجار نے حبیب خدا کو شاعری کا عیب لگایا تو خدا نے جواب دیا: وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهُ إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ وَّقُرْآنٌ مُّبِينٌ۔ نہ ہم نے انھیں شعر سکھایا اور نہ وہ اس کے لائق تھا، وہ نہیں مگر نصیحت اور روشن بیان والا قرآن۔

عاص بن وائل بدبخت نے جب صاحبزادۂ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال پر حضور کو ابتر یعنی نسل بریدہ کہا تو خدائے ذوالجلال نے جواب دیا: إِنَّا أَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ۔ بے شک ہم نے تمھیں خیر کثیر عطا فرمائی، یعنی اولاد سے نسل چلنے کو تمھاری بلندیٔ ذکر سے کیا نسبت ہے لاکھوں صاحب اولاد گزرے جن کا نام تک بھی کوئی نہیں جانتا۔ اے محبوب! تمھاری ثنا کا ڈنکا تو قیام قیامت تک اکناف عالم واطراف جہان میں بجے گا اور تمھارے نام نامی کا خطبہ ہمیشہ ہمیشہ تمام عالم میں مربوط ہوگا۔ اس کے علاوہ تمام مسلمان تمھارے بال بچے ہیں اور تم سا مہربان باپ ان کے لیے کوئی نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ تمام عالم تمھاری معنوی اولاد ہے، اگر تم نہ ہوتے تو کچھ بھی نہ ہوگا اور تمھارے ہی نور سے سب کی آفرینش ہے۔ اس لیے اے محبوب! اشقیا کی زبان درازی سے ملول نہ ہو بلکہ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ. إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ۔ آپ اپنے رب کی نماز پڑھیں اور قربانی کریں، بے شک آپ کا دشمن ہی نسل بریدہ ہے۔

جن بیٹوں پر اُسے ناز ہے، وہ یعنی عمرو ہشام دونوں مسلمان ہوکر تمھارے دینی بیٹے ہوجائیں گے اور اُس کے دشمن۔ اس جواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی انتہائی عظمت ہے جو اہل ایمان کی نگاہ ایمانی سے پوشیدہ نہیں۔

جب سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قریبی رشتے داروں کو جمع فرما کر اسلام اور اپنی اطاعت کی طرف دعوت دی تو ایک شقی ازلی ابولہب بولا: تَبًّا لَكَ سَائِرَ الْيَوْمِ أَلِهٰذَا جَمَعْتَنَا؟ یعنی ہلاکت ہو تیرے لیے کہ اسی لیے تو نے ہمیں جمع کیا ہے؟

یہ کلمہ ملعونہ ایسا تھا جس سے مسلمان جل گئے۔ اللہ قہار غضب میں آیا اور نابنجاروں کو جواب دیا: تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ وَّتَبَّ. مَا أَغْنٰى عَنْهُ مَالُهُ وَمَا كَسَبَ. سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ

لَهَبٍ وَّامْرَاَتُهٗ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ فِیْ جِیْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ۔

ترجمہ: ٹوٹ گئے دونوں ہاتھ ابولہب کے، وہ ہلاک ہوا، اور اس کے کچھ کام نہ آیا مال جو اس نے کمایا، اب داخل ہوگا بھڑکتی آگ میں اور اس کی عورت لکڑیوں کا گٹھا سر پر لیے اس کے گلے میں مونجھ کی رسی ہے۔

مسلمانو! مقام غور ہے کہ جب اراکین سلطنت وعمائد مملکت سے باغیان سرکش بے ادبانہ پیش آئیں اور بادشاہ ان سب کے جواب انھیں پر چھوڑ دے، مگر ایک سردار عالی وقار کی طرف سے مخالفوں کو خود جواب دے اور خود سے کچھ بولنے نہ دے تو کیا ہر سمجھ دار اس معاملے کو دیکھ کر یہ یقین نہ کرے گا کہ بارگاہ سلطانی میں جو اس خاص امیر کا اعزاز واکرام ہے وہ کسی کا نہیں اور یہی امیر تمام امراسے افضل ہے۔

مزید سنیے! جب زلیخا نے سیدنا یوسف علیہ السلام پر تہمت لگائی تو اللہ تعالیٰ نے ایک دودھ پیتے بچے کے ذریعے حضرت یوسف علیہ السلام کو لوگوں کی بدگمانی سے نجات بخشی۔ اسی طرح جب یہود نے حضرت مریم پر بدگمانی کی تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے جو ابھی چند روز کے تھے، ان سے گواہی دلا کر ان کو بدگمانی سے بچایا، مگر جب ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر منافقوں نے بہتان باندھا تو رب تعالیٰ نے خود ان کی پاک دامنی کی گواہی دی اور سترہ آیتیں نازل فرمائیں، اگر چاہتا تو ایک درخت اور پتھر سے بھی گواہی دلوا سکتا تھا، مگر منظور یہ ہوا کہ محبوبہ محبوب کی طہارت وپاکی پر خود گواہی دیں اور ان کی عزت وامتیاز بڑھائیں۔

☆☆☆

سترہواں وعظ: 5

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت

حضور کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے

حضرت احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت بعینہ اللہ کی اطاعت اور حضور کی نافرمانی بعینہ رب کی نافرمانی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَمَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ۔
یعنی جس نے اطاعت کی رسول پاک کی اس نے اطاعت کی اللہ پاک کی۔

فائدہ: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کیا یہ فضیلت کم ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

مِنْ فَضِیْلَتِكَ عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ جَعَلَ طَاعَتَكَ طَاعَتَهٗ فَقَالَ تَعَالٰی وَمَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ۔ (شفا، جلد اول، صفحہ: 12)

یعنی یارسول اللہ! آپ کی فضیلت عند اللہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی اطاعت کو اپنی اطاعت فرمایا، پس فرمایا: مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ۔

نیز فرمایا: بِاَبِیْ اَنْتَ وَاُمِّیْ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَقَدْ بَلَغَ مِنْ فَضِیْلَتِكَ عِنْدَهٗ اَنَّ اَهْلَ النَّارِ یَوَدُّوْنَ اَنْ یَّكُوْنُوْا اَطَاعُوْكَ وَهُمْ بَیْنَ اَطْبَاقِهَا یُعَذَّبُوْنَ یَقُوْلُوْنَ یٰلَیْتَنَا اَطَعْنَا اللّٰهَ وَاَطَعْنَا الرَّسُوْلَ۔ (شفا، صفحہ: 28)

یعنی یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، آپ کی فضیلت اتنی ہے کہ دوزخی تمنا کریں گے کہ آپ کی اطاعت کرتے حالاں کہ دوزخ کے طبقات میں معذب ہوں گے اور کہیں گے کہ کاش! ہم نے اللہ ورسول کی اطاعت کی ہوتی۔

یدِ مصطفیٰ یداللہ ہے

بارگاہِ الٰہی میں مصطفیٰ سراپا رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ بلند شان ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کے دست اقدس کو اپنا دست فرماتا ہے، جیسا کہ ارشاد فرماتا ہے: اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَكَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰهَ یَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ۔ بے شک جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں حقیقت میں وہ اللہ سے بیعت کرتے ہیں، کیوں کہ اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے۔

اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ بدر میں اپنے دست اقدس سے کفار پر کنکرے پھینکے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنا پھینکنا فرمایا۔ خود ارشاد ربانی ہے:

وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰی۔ اے محبوب! تم نے جو کنکریاں پھینکیں وہ تم نے نہیں پھینکیں بلکہ خود اللہ نے پھینکیں۔

تمام خلق پر حضور شاہد ہیں

سید المرسلین محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کے میدان میں سب پر گواہ ہوں گے، مگر حضور پر کوئی شاہد نہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَجِئْنَا بِكَ عَلٰی هٰۤؤُلَآءِ شَهِیْدًا۔ (پارہ:5، رکوع:3) یعنی ہم آپ کو ان سب پر گواہ لائیں گے۔

اُمتِ مصطفیٰ بھی گواہ ہوگی

پھر لطف اور مزے کی بات یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خدام اور نیاز مند اُمتی بھی دوسری اُمتوں پر گواہ ہوں گے، مگر اِس اُمت مرحومہ پر کوئی گواہ نہیں ہوگا۔ اللہ فرماتا ہے:

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَی النَّاسِ وَیَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَیْكُمْ شَهِیْدًا۔ (سورۂ بقرہ، آیت:143)

اسی طرح کیا ہم نے تم کو بہترین اُمت تاکہ ہو تم لوگوں پر گواہ، اور رسول تم پر گواہ۔

فائدہ: میدان قیامت میں انبیائے کرام سے سوال ہوگا کہ تم نے تبلیغ کی یا نہیں؟ انبیا

علیہم الصلوٰۃ والسلام عرض کریں گے: مولیٰ! ہم نے کما حقہ تبلیغ کی ہے۔ اس پر کفار انکار کریں گے کہ ہم کو کوئی تبلیغ نہیں کی گئی ہے، تو سید المرسلین محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم بطور گواہ پیش ہوں گے۔ آپ انبیا علیہم السلام کی تصدیق فرمائیں گے اور کفار کی تکذیب اور آپ کی یہ گواہی بغیر کسی گواہ کے قبول ہوگی اور یہ ایک حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت بڑی بزرگی ہے جو کسی دوسرے رسول کو حاصل نہیں۔ شفا شریف میں ہے: وَهِیَ مِنْ خَصَائِصِهٖ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ۔ (جلد اول، صفحہ:16) یعنی یہ گواہ بننا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے۔

امام ابوالحسن رحمۃ اللہ علیہ اسی مقام پر فرماتے ہیں: اَبَانَ اللّٰهُ تَعَالٰی فَضْلَ نَبِیِّنَا صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَفَضْلَ اُمَّتِهٖ بِهٰذِهٖ۔ (شفا، جلد اول، صفحہ:16)

ظاہر کیا اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی کے فضل اور آپ کی اُمت کے فضل کو اس آیت سے۔

حضور دیگر انبیا سے ممتاز ہیں

قرآن پاک کی آیات سے پتہ چلتا ہے کہ ہمارے رسول پاک کی شان ممتاز نظر آتی ہے۔ حضرت خلیل خود عرض کرتے ہیں: وَلَا تُخْزِنِیْ یَوْمَ یُبْعَثُوْنَ۔ (پارہ:19، رکوع:9)

یعنی مولیٰ مجھے رسوا نہ کرنا جس دن لوگ اٹھائے جائیں۔

مگر حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے خود ارشاد فرمایا: یَوْمَ لَا یُخْزِی اللّٰهُ النَّبِیَّ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ۔ (پارہ:28، رکوع:20) یعنی جس دن خدا رسوا نہ کرے گا اپنے نبی اور اس کے ساتھ والوں کو۔ حضرت خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام سے تمنائے وصال نقل کرتے ہوئے فرمایا:

اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰی رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ۔ (پارہ:23، رکوع:7) یعنی بے شک میں جانے والا ہوں اپنے رب کی طرف اور وہ عنقریب مجھے راہ پر لائے گا، مگر حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو خود بلا کر عطائے دولت کی خبر دی۔ سُبْحٰنَ الَّذِیْۤ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ۔ (پارہ:15)

ترجمہ: پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے خاص بندے کو سیر کرائی۔

پھر یہ کہ حضرت خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام ہدایت کے خود آرزومند ہیں، مگر حبیب خدا سے خود فرمایا: وَیَهْدِیَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِیْمًا۔ (پارہ:26، رکوع:9)

ترجمہ: آپ کو سیدھے راہ کی ہدایت فرماتا ہے۔

حضرت خلیل کے لیے فرمایا کہ فرشتے ان کے معزز مہمان ہوئے: هَلْ اَتٰكَ حَدِيْثُ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ الْمُكْرَمِيْنَ۔ مگر حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے فرمایا کہ فرشتے آپ کی فوج کے سپاہی اور لشکری ہے: وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا يُمْدِدْكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ۔ حضرت کلیم کے متعلق فرمایا کہ انھوں نے اللہ کی رضا چاہی: وَعَجِلْتُ اِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضٰى۔ حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بتایا کہ اللہ نے خود اُن کی رضا چاہی: فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا۔ نیز فرمایا: وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى۔ کلیم اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے طور پر کلام کیا اور اُسے سب پر ظاہر فرمادیا: اَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوْحٰى۔ اِنَّنِيْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِيْ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ۔ مگر حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے آسمانوں کے اوپر کلام فرمائی اور سب سے چھپائی: فَاَوْحٰٓى اِلٰى عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰى۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق ارشاد ہوا: وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔ خواہش کی پیروی نہ کرنا کہ خدا کی راہ سے بہکادے، مگر اپنے حبیب کے بارے میں بقسم فرمایا: وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى۔ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى۔ آپ کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کہتے، وہ تو نہیں مگر وحی جو القا ہوتی ہے۔ نوح وہود علیہما الصلوٰۃ والسلام سے دعا نقل فرمائی: رَبِّ انْصُرْنِيْ بِمَا كَذَّبُوْنِ۔ الٰہی! میری مدد فرما اس کے مقابلے کہ انھوں نے مجھے جھٹلایا اور حبیب پاک سے خود ارشاد فرمایا: وَيَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِيْزًا۔ اللہ آپ کی زبردست مدد فرمائے گا۔ حضرات ہارون وکلیم اللہ علیہما الصلوٰۃ والسلام کے لیے فرمایا کہ انھوں نے فرعون کے پاس جانے سے اپنا خوف ظاہر کیا: رَبَّنَآ اِنَّنَا نَخَافُ اَنْ يَّفْرُطَ عَلَيْنَآ اَوْ اَنْ يَّطْغٰى۔ اس پر حکم ہوا: لَا تَخَافَآ اِنَّنِيْ مَعَكُمَآ اَسْمَعُ وَاَرٰى۔ ڈرو نہیں کہ میں تمہارے ساتھ ہوں، سنتا اور دیکھتا ہوں، مگر اپنے حبیب پاک کو خود اپنی حفاظت کی خوشخبری دی: وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ۔ حضرت مسیح علیہ السلام کے حق میں فرمایا: اے مریم کے بیٹے! کیا تو نے لوگوں سے کہہ دیا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ کے سوا دو خدا ٹھہرالو۔

معالم میں ہے کہ اس سوال پر خوف الٰہی سے حضرت روح الامین صلوٰۃ اللہ وسلامہ علیہ کا بند بند کانپ اٹھے گا اور بال کی ہر جڑ سے خون کا فوارہ بہے گا۔ پھر جواب عرض کریں گے کہ جس کی

اللہ تعالیٰ تصدیق فرماتا ہے، مگر حبیب خدا نے جب غزوۂ تبوک کا قصد فرمایا اور منافقوں نے جھوٹے بہانے بنا کر جنگ پر نہ جانے کی اجازت لے لی، اس پر سوال تو حضور سے بھی ہوا، مگر یہاں جو شان لطف ومحبت ہے وہ قابل غور ہے۔ ارشاد فرمایا: عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ۔

یعنی اللہ آپ کو معاف فرمائے، آپ نے کیوں انھیں اجازت دے دی؟

سبحان اللہ! سوال اور یہ محبت کا کلمہ! عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے نقل فرمایا کہ انھوں نے اپنی اُمتوں سے مدد طلب کی فَلَمَّآ اَحَسَّ عِيْسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ: مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ۔ مگر حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت اللہ تعالیٰ نے انبیا ومرسلین کو حکم دیا کہ آپ کی مدد کرو۔ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ۔ الغرض جو کسی محبوب کو ملا وہ سب اور اُس سے افضل واعلیٰ حبیب پاک کو ملا، مگر جو انھیں ملا وہ کسی کو نہ ملا:

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

صلی اللہ تعالی علیہ وسلم وعلی الہ واصحابہ وبارك وسلم والحمدللہ رب العالمین۔

☆☆☆

اٹھارہواں وعظ:6

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت

اس وعظ میں وہ حدیثیں یہاں کی جاتی ہیں جن سے سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت باقی مخلوقات پر ثابت ہوجاتی ہے:

1- حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بُعِثْتُ مِنْ خَیْرِ قُرُوْنِ بَنِیْ اٰدَمَ قَرْنًا فَقَرْنًا حَتّٰی کُنْتُ مِنَ الْقَرْنِ الَّذِیْ کُنْتُ مِنْہُ۔ (بخاری، مشکوۃ، صفحہ:511)

یعنی میں بہترین طبقہ فرزندان آدم سے قرناً بعد قرن بھیجا گیا ہوں، یہاں تک کہ میں اس قرن سے ہوا جس سے میں تھا۔

فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ خیر قرون بنی آدم سے مبعوث ہوا ہوں۔ اس قرون بنی آدم سے مراد ہر وہ طبقہ ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آبا اس طبقے میں تھے اور ان کی پشت میں تھے۔ ثابت ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آبائے کرام اپنے اپنے زمانے میں سب سے بہتر تھے اور سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ اپنے آبا سے افضل اور بہتر ہیں۔ تو معلوم ہوا کہ آپ تمام بنی آدم سے بہتر اور افضل ہیں۔

مسئلہ: اس حدیث پاک میں خیر قرون کا کلمہ موجود ہے، یعنی طبقہ فرزندان آدم، تو ثابت ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آباواجداد توحید واسلام پر تھے، اگر ان میں سے کوئی کفر وشرک پر ہوتے تو حضور ان کو خیر نہ فرماتے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اما آبائے کرام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پس ہم ایشاں از آدم تا عبداللہ طاہر ومطہر اند از دنس کفر ورجس شرک چناں کہ فرمود بیروں آمدہ آمدم از اصلاب طاہرہ بارحام طاہرہ۔ وحاشا اللہ کہ

ایں نور پاک را در جائے ظلماتی پلید بہ نہند ودر عرصات آخرت بہ تعذیب وتحقیر آبا وا خزی ومخزول گردانند۔ (اشعۃ اللمعات، جلد رابع، صفحہ:466)

یعنی سرکار کے تمام آباواجداد حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عبداللہ تک کفر کی گندگی اور شرک کی نجاست سے پاک وصاف ہیں، جیسا کہ سرکار نے خود فرمایا ہے کہ میں پاک پشتوں اور پاک رحموں سے باہر آیا ہوں۔ اس لیے ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا کہ یہ نور پاک وپلید جگہ رکھا جائے اور قیامت کے میدان میں آپ کے آبا کی تحقیر وتعذیب سے آپ کو رسوا کیا جائے۔

2- حضرت عباس نے کفار سے کوئی بے ادبی کی بات سنی اور خشم ناک ہوکر سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو سرکار مدینہ ممبر پر جلوہ افروز ہوئے اور اپنی فضیلت کا اظہار ان مبارک الفاظ میں فرمایا: مَنْ اَنَا فَقَالُوْا: اَنْتَ رَسُوْلُ اللّٰہِ قَالَ: اَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عَبْدِالْمُطَّلِبِ اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ الْخَلْقَ فَجَعَلَنِیْ فِیْ خَیْرِہِمْ ثُمَّ جَعَلَہُمْ فِرْقَتَیْنِ فَجَعَلَنِیْ فِیْ خَیْرِہِمْ فِرْقَۃً ثُمَّ جَعَلَہُمْ قَبَائِلَ فَجَعَلَنِیْ فِیْ خَیْرِہِمْ قَبِیْلَۃً ثُمَّ جَعَلَہُمْ بُیُوْتًا فَجَعَلَنِیْ فِیْ خَیْرِہِمْ بَیْتًا فَاَنَا خَیْرُہُمْ نَفْسًا وَّخَیْرُہُمْ بَیْتًا۔ (ترمذی، مشکوۃ، صفحہ:512)

ترجمہ: میں کون ہوں؟ صحابہ نے عرض کیا کہ آپ رسول اللہ ہیں، فرمایا کہ میں محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب ہوں۔ بے شک اللہ نے مخلوق پیدا کی تو مجھے بہترین مخلوق میں رکھا، پھر ان کے دو گروہ کیے تو مجھے بہترین گروہ میں رکھا، پھر ان کے دو قبیلے بنائے تو مجھے بہترین قبیلہ میں رکھا، پھر ان کے خاندان بنائے تو مجھے بہترین خاندان میں رکھا، اس لیے میں تمام مخلوق سے خود بھی بہتر ہوں اور میرا خاندان بھی سب خاندانوں سے بہتر ہے۔

3- حضرت ابوسعید فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَنَا سَیِّدُ وُلْدِ اٰدَمَ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ وَلَا فَخْرَ وَبِیَدِیْ لِوَاءُ الْحَمْدِ وَلَا فَخْرَ وَمَا مِنْ نَبِیٍّ یَوْمَئِذٍ اٰدَمَ فَمَنْ سِوَاہُ اِلَّا تَحْتَ لِوَائِیْ وَاَنَا اَوَّلُ مَنْ تَنْشَقُّ عَنْہُ الْاَرْضُ وَلَا فَخْرَ۔ (ترمذی، مشکوۃ، صفحہ:513)

ترجمہ: میں قیامت میں فرزندان آدم کا سردار ہوں اور یہ بات بطور فخر نہیں کہتا بلکہ از جہت شکر وتحدیث نعمت کہتا ہوں۔ میرے ہاتھ میں حمد کا جھنڈا ہوگا اور یہ بھی میں فخر سے نہیں کہتا بلکہ اس دن بنی آدم اور ان کے سوا مخلوق بھی میرے زیر لوا ہوں گے اور ان میں پہلا ہوں گا جس

کی قبر شق ہوگی اور یہ بھی میرے کچھ فخر کی بات نہیں ہے۔

فائدہ: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ فرمایا ہے کہ میں قیامت میں اولادِ آدم کا سردار ہوں۔ قیامت کی تخصیص سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ اس دنیا میں سردار نہیں بلکہ آپ دنیا اور آخرت ہر دو جگہ سردار ہیں۔ تخصیص محض اس لیے ہے کہ آقائے دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیادت اور بہتری کا ظہور قیامت کے دن خوب ہوگا۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں: تخصیص ذکر روز قیامت بہ جہت ظہور آثار وانوار سیادت و بہتری است درآں والاوے صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ سید ست ومتصف بسیادت است چہ دنیا وچہ در آخرت۔ (اشعۃ اللمعات، جلد رابع، صفحہ:475)

ترجمہ: اگر کوئی یہ کہے کہ اس حدیث سے حضور کی فضیلت اولادِ آدم پر ثابت ہوئی اور آدم علیہ السلام پر ثابت نہ ہوئی تو اُس کا جواب یہ ہے کہ وُلدِ آدم سے مراد عرف میں نوعِ انسان ہے کہ آدم علیہ السلام بھی اس میں داخل ہیں، اسی لیے روایت میں ہے: اَنَا سَیِّدُ النَّاسِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ۔ میں قیامت کے دن تمام انسانوں کا سردار ہوں، اس سے ثابت ہوا کہ آپ یقیناً آدم علیہ السلام سے بھی افضل ہیں۔

4- حضرت ابوہریرہ کا بیان ہے کہ سرکارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

فُضِّلْتُ عَلَی الْاَنْبِیَاءِ بِسِتٍّ اُعْطِیْتُ جَوَامِعَ الْکَلِمِ وَنُصِرْتُ بِالرُّعْبِ وَاُحِلَّتْ لِیَ الْغَنَائِمُ وَجُعِلَتْ لِیَ الْاَرْضُ مَسْجِدًا وَّطَهُوْرًا وَّاُرْسِلْتُ اِلَی الْخَلْقِ کَافَّۃً وَّخُتِمَ بِیَ النَّبِیُّوْنَ۔ (مسلم، مشکوٰۃ، صفحہ:512)

یعنی مجھے انبیا پر چھ باتوں سے فضیلت دی گئی، مجھے جامع کلمات دیے گئے، رعب کے ساتھ میری مدد دی گئی، میرے لیے غنیمتوں کو حلال کیا گیا، میرے لیے زمین کو مسجد اور پاک کرنے والی بنائی گئی، مجھے ساری مخلوق کی طرف بھیجا گیا اور مجھ پر سلسلۂ نبوت کو ختم کیا گیا۔

5- حضرت انس کا بیان ہے کہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اٰتِیْ بَابَ الْجَنَّۃِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ فَاَسْتَفْتِحُ فَیَقُوْلُ الْخَازِنُ مَنْ اَنْتَ؟ فَیَقُوْلُ مُحَمَّدٌ، فَیَقُوْلُ: بِكَ اُمِرْتُ اَنْ لَّا اَفْتَحَ لِاَحَدٍ قَبْلَكَ۔ (مسلم، مشکوٰۃ، صفحہ:511)

یعنی میں قیامت کے دن جنت کے دروازے پر آؤں گا اور کھلواؤں گا، داروغہ عرض کرے گا کہ آپ کون ہیں؟ میں کہوں گا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)۔ وہ کہے گا کہ آپ ہی کے لیے مجھے دروازہ کھولنے کا حکم دیا گیا اور آپ سے پہلے کسی کے لیے نہیں۔

6- حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ دوجہان کے بادشاہ نے ارشاد فرمایا:

بُعِثْتُ بِجَوَامِعِ الْکَلِمِ وَنُصِرْتُ بِالرُّعْبِ وَبَیْنَا اَنَا نَائِمٌ رَاَیْتُنِیْ اُوْتِیْتُ بِمَفَاتِیْحِ خَزَائِنِ الْاَرْضِ فَوُضِعَتْ فِیْ یَدِیْ۔ (متفق علیہ، مشکوٰۃ، صفحہ:512)

یعنی مجھے جامع کلمات کے ساتھ بھیجا گیا ہے، میری مدد رعب کے ساتھ کی گئی ہے، اس بیچ خواب میں دیکھا کہ میرے پاس زمین کے خزانوں کی کنجیاں لائی گئیں اور وہ کنجیاں میرے ہاتھ میں رکھ دی گئیں۔

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ خزانوں کی چابیاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دست اقدس میں ہیں۔ ارشاد ہے: اِنِّیْ قَدْ اُعْطِیْتُ مَفَاتِیْحَ خَزَائِنِ الْاَرْضِ۔ (مشکوٰۃ، صفحہ:547) اس حدیث کو شیخ بخاری ومسلم دونوں نے تخریج کی ہے، پھر بھی کوئی انکار کرے تو اس کی اپنی بدقسمتی ہے۔

7- حضرت ابن عباس راوی ہیں کہ سید الکل صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک طویل حدیث میں فرمایا: اَنَا اَوَّلُ مَنْ یُّحَرِّكُ حَلَقَ الْجَنَّۃِ فَیَفْتَحُ اللّٰہُ لِیْ فَیُدْخِلُنِیْہَا وَمَعِیْ فُقَرَاءُ الْمُؤْمِنِیْنَ وَلَا فَخْرَ وَاَنَا اَکْرَمُ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ وَلَا فَخْرَ۔ (ترمذی، مشکوٰۃ، صفحہ:514)

یعنی میں سب سے پہلے دروازۂ جنت کی زنجیر ہلاؤں گا، اللہ تعالیٰ میرے لیے دروازہ کھولے گا اور مجھے اس میں داخل کرے گا۔ میرے ہمراہ فقرا مومنین بھی ہوں گے اور عنداللہ میں سب اولین وآخرین سے زیادہ عزت والا ہوں گا اور یہ تمام باتیں میرے لیے قابل فخر نہیں۔

8- حضرت ابی بن کعب راوی ہیں کہ امام المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اِذَا کَانَ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ کُنْتُ اِمَامَ النَّبِیِّیْنَ وَخَطِیْبَہُمْ وَصَاحِبَ شَفَاعَتِہِمْ غَیْرَ فَخْرٍ۔ (مشکوٰۃ، صفحہ:514)

یعنی جب قیامت کا دن ہوگا میں تمام نبیوں کا پیشوا ہوں گا اور ان کا خطیب اور ان کے درمیان سفارش کرنے والا، اور یہ میرے لیے کوئی فخر کی بات نہیں۔

فائدہ: اس حدیث پاک سے واضح ہوتا ہے کہ آپ کی امامت وسیادت انبیاء پر ودیگر مخلوق پر بدرجہ اولیٰ ثابت ہے۔

9۔ حضرت ابوہریرہ راوی ہیں کہ سید الانس والجان صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

فَأُكْسٰى حُلَّةً مِنْ حُلَلِ الْجَنَّةِ ثُمَّ أَقُوْلُ: عَنْ يَمِيْنِ الْعَرْشِ لَيْسَ أَحَدٌ مِنَ الْخَلَائِقِ يَقُوْمُ ذٰلِكَ الْمَقَامَ غَيْرِيْ۔ (ترمذی، مشکوۃ، صفحہ:514)

یعنی مجھے جنت کے جوڑوں سے ایک جوڑا پہنایا جائے گا، پھر میں عرش کے دائیں طرف کھڑا ہوں گا۔ میرے سوا خلق میں سے کسی کو یہ مقام حاصل نہیں کہ وہ اس مقام پر کھڑا ہو۔

فائدہ: ثابت ہوا کہ قیامت کے دن سب سے پہلے جنت کا جوڑا جسے پہنایا جائے گا اور دولہا بنایا جائے گا وہ اللہ کے پیارے حبیب حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

10- حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

أَنَا أَوَّلُ النَّاسِ خُرُوْجًا إِذَا بُعِثُوْا وَأَنَا قَائِدُهُمْ إِذَا وَفَدُوْا وَأَنَا خَطِيْبُهُمْ إِذَا أَنْصَتُوْا وَأَنَا مُسْتَشْفِعُهُمْ إِذَا حُبِسُوْا وَأَنَا مُبَشِّرُهُمْ إِذَا أَيِسُوْا الْكَرَامَةُ وَالْمَفَاتِيْحُ يَوْمَئِذٍ بِيَدِيْ وَأَنَا أَكْرَمُ وُلْدِ آدَمَ عَلٰى رَبِّيْ يَطُوْفُ عَلَيَّ أَلْفُ خَادِمٍ كَأَنَّهُمْ بَيْضٌ مَكْنُوْنٌ أَوْ لُؤْلُؤٌ مَنْثُوْرٌ۔ (ترمذی، دارمی، مشکوۃ، صفحہ:514)

یعنی میں سب لوگوں سے پہلے نکلنے والا ہوں جب وہ قبر سے اٹھائے جائیں گے، میں ان کا پیشوا ہوں گا جب وہ اللہ کی بارگاہ میں آئیں گے، میں ان کا خطیب ہوں گا جب وہ خاموش ہوں گے، میں شفاعت کروں گا جب وہ روکے گئے ہوں گے، میں ان کو خوشخبری سنانے والا ہوں گا جب وہ ناامید ہوں گے، بزرگی اور چابیاں میرے ہاتھ میں ہوں گی اور میں بارگاہ الٰہی میں اولادِ آدم سے زیادہ معزز ہوں اور میرے اردگرد ہزاروں خادم ہوں گے جو پوشیدہ انڈے کی طرح ہوگے یا موتی بکھرے ہوئے موتی کی طرح۔

فائدہ: حضور کا ارشاد ہے کہ اس دن کنجیاں میرے دست اقدس میں ہوں گی اور کنجیوں سے مراد جنت کی کنجیاں ہیں۔ (اشعۃ اللمعات، جلد رابع، صفحہ:477)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

أَتَانِيْ جِبْرِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَقَالَ: قَلَّبْتُ مَشَارِقَ الْأَرْضِ وَمَغَارِبَهَا فَلَمْ أَرَ رَجُلًا أَفْضَلَ مِنْ مُحَمَّدٍ وَلَمْ أَرَ بَيْتًا أَفْضَلَ مِنْ بَنِيْ هَاشِمٍ۔ (شفا، جلد اول، صفحہ:99)

یعنی میرے پاس حضرت جبرئیل حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میں نے مشرق ومغرب سب کو الٹ کر دیکھا، کسی کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل نہیں دیکھا اور نہ خاندان بنی ہاشم سے بہتر دیکھا کوئی خاندان۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ سردار کائنات فخر دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

أَنَا سَيِّدُ النَّاسِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ (شفا، جلد اول، صفحہ:128)

یعنی میں قیامت کے دن سب کا سردار ہوں گا۔

ایک حدیث میں ہے: أَمَا تَرْضَوْنَ أَنْ يَكُوْنَ إِبْرَاهِيْمُ وَعِيْسٰى فِيْكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ثُمَّ قَالَ: إِنَّهُمَا فِيْ أُمَّتِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ (شفا، جلد اول، صفحہ:128)

یعنی کیا تم اس بات سے راضی نہیں کہ ابراہیم وعیسیٰ روز قیامت تم میں ہوں، پھر فرمایا کہ وہ دونوں قیامت کے دن میری اُمت میں ہوں گے۔

الحاصل: غرض کہ محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص اور فضائل کا شمار کرنا ناممکن ہے۔ جس مصنف نے جو لکھا جتنا لکھا وہ آپ کے فضائل کے دفاتر کا ایک نکتہ بھی نہیں ہوسکتا اور سمندر ناپیدا کنار کا ایک قطرہ بھی نہیں بن سکتا۔ اسی لیے علامہ بوصیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

فَإِنَّ فَضْلَ رَسُوْلِ اللّٰهِ لَيْسَ لَهُ　　حَدٌّ فَيُعْرِبَ عَنْهُ نَاطِقٌ بِفَمِ

یعنی اللہ کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فضل کی کوئی حد نہیں، تاکہ بولنے والا اس کو اپنی زبان سے بیان کر سکے۔

اللہ نے سچ فرمایا

اللہ تعالیٰ نے اپنے پاک کلام میں سچ فرمایا: قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ أَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا۔ (سورۂ کہف، آیت:109)

یعنی آپ فرمادیں کہ اگر سمندر میرے رب کی باتوں کے لیے سیاہی ہو تو ضرور ختم ہو جائے گا سمندر اور مرے رب کی باتیں ختم نہ ہوں گی، اگرچہ ہم ویسا ہی اور اس کی مدد کو لے آئیں۔

فائدہ: مطلب یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کے کلمات لکھے جائیں اور ان کے لیے تمام سمندروں کا پانی سیاہی بنادیا جائے اور تمام خلق لکھے تو وہ کلمات ختم نہ ہوں اور اتنا ہی اور بھی ختم ہو جائے۔ کلمات سے مراد محققین کے نزدیک وہ فضائل وکمالات وحقائق معارف ہیں جو اللہ رب العزت نے اپنے حبیب پاک کو عطا فرمائے ہیں۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

مراد بایں کلمات نزد اہل تحقیق فضائل وکمالات وحقائق ومعارف است کہ حضرت ذوالجلال والاکرام برخاصگان درگاہ خود از انبیا واصفیا، خصوصاً برسید انبیا سند اصفیا افاضہ نمودہ والا آنچہ صفت حق وشیون ذات مطلق است۔ منزہ ومقدس است کہ بایں تمثیل وتنظیر نمایند۔

(مدارج النبوۃ، جلد اول، صفحہ:94)

سوال: علمائے حق نے قرآن وحدیث اور بزرگان دین سے یہ مسئلہ ثابت کردیا کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم تمام خلق خدا سے افضل اور بزرگ ہیں۔ بعض کم فہم اور کج ذہن اور کم عقل وکم علم کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو دوسرے انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام پر بزرگی دینی ہی ناجائز ہے، کیوں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا۔ ارشاد ہے:

لَا اَقُوْلُ اِنَّ اَحَدًا اَفْضَلُ مِنْ يُوْنُسَ بْنِ مَتّٰى وَفِيْ رِوَايَةِ اَبِيْ سَعِيْدٍ قَالَ: لَا تُخَيِّرُوْا بَيْنَ الْاَنْبِيَاءِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِيْ رِوَايَةِ اَبِيْ هُرَيْرَةَ لَا تُفَضِّلُوْا بَيْنَ اَنْبِيَاءِ اللّٰهِ۔ (مشکوٰۃ، صفحہ:507)

یعنی میں نہیں کہتا کہ کوئی یونس علیہ السلام سے افضل ہو، حضرت ابوسعید کی روایت میں ہے کہ پیغمبروں کے درمیان بزرگی دینے کا طریقہ نہ اپناؤ، حضرت ابوہریرہ کی روایت میں ہے کہ انبیا کو آپس میں ایک دوسرے پر بزرگی نہ دو۔

مَا يَنْبَغِيْ لِعَبْدٍ اَنْ يَّقُوْلَ اِنِّيْ خَيْرٌ مِّنْ يُوْنُسَ بْنِ مَتّٰى۔ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِيْ رِوَايَةٍ لِلْبُخَارِيِّ قَالَ: مَنْ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْ يُوْنُسَ بْنِ مَتّٰى فَقَدْ كَذَبَ۔ (مشکوٰۃ، صفحہ:507)

یعنی کسی بندے کے لیے مناسب نہیں وہ یہ کہے کہ میں بہتر ہوں۔

بخاری میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جو یہ کہے کہ میں یونس سے بہتر ہوں بے شک اس نے

جھوٹ کہا۔ نیز فرمایا: لَا تُخَيِّرُوْنِيْ عَلٰى مُوْسٰى۔ (مشکوٰۃ، صفحہ:507)

مجھے موسیٰ پر (علیہ السلام)
نہ فضیلت دو

ان کم علموں نے کہا کہ دیکھو ان حدیثوں میں وضاحت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی پیغمبر پر فضیلت نہیں، برابر ہیں۔ نیز قرآن پاک میں ارشاد ہے: لانفرق بين احد منهم ہم ان میں سے یعنی پیغمبروں سے کسی کے درمیان فرق نہیں کرتے۔ اس سے بھی ثابت ہوا کہ انبیا علیہم السلام سب برابر ہیں۔ ان میں سے کسی کو فضیلت دینی ناجائز ہے۔

آیت کا جواب: معترض نے اس آیت کا مطلب نہیں سمجھا۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ ہم کسی پیغمبر میں تفریق ایمان میں نہیں کرتے کہ بعض انبیا پر ایمان لائیں اور بعض کے ساتھ نہ لائیں، ارشاد باری ہے: اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ۔ (سورۂ نسا، آیت:150)

ترجمہ: جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں کے ساتھ کفر کرتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان تفریق کرنا چاہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم بعض پر ایمان لاتے ہیں اور بعض کے ساتھ کفر کرتے ہیں۔

اس میں الفاظ قرآن کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ کسی پیغمبر کو دوسرے پیغمبر پر فضیلت نہ دو، کیوں کہ فضیلت کا مسئلہ خود نص قرآن سے ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتا ہے:

وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيّٖنَ عَلٰى بَعْضٍ۔ (سورۂ بنی اسرائیل، آیت:55)

یعنی ہم نے بعض نبیوں کو بعض پر فضیلت دی ہے۔

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا: تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ۔

یعنی ہم نے بعض رسولوں کو بعض پر فضیلت عطا فرمائی۔

ایسی صریح آیات میں فضیلت کا مسئلہ صریح ہے اور اس کا انکار صرف جاہل یا معاند متعصب ہی کرسکتا ہے ورنہ انکار فضیلت کی کوئی گنجائش نہیں۔

حدیث پاک کا جواب: جب آیات بینات اور احادیث کثیرہ سے افضلیت حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم ثابت ہے، لہٰذا معترض کی پیش کردہ حدیث قابل تاویل ہوگی، ورنہ نصوص

قرآنی وکثیر حدیثوں کا انکار لازم آئے گا جو موجب کفر ہے۔ اہل تحقیق نے ان جیسی حدیثوں کی مختلف تاویلیں بیان فرمائی ہیں جو یہاں پیش کی جاتی ہیں:

1- تفضیل سے نفی اس وقت تھی جب کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ وحی نہیں آئی تھی کہ آپ سید الانبیاء اور افضل البشر اور سید اولاد آدم ہیں۔ جب وحی آگئی کہ آپ افضل ہیں تو اب نفی کا حکم اٹھ جائے گا۔ (شفا، جلد اول، صفحہ:142، مدارج النبوۃ، جلد اول، صفحہ:101)

2- جہاں فضیلت سے منع کیا گیا اس فضیلت سے منع کیا گیا جس سے کسی نبی کی تنقیص شان اور اہانت لازم آئے مگر اہل سنت سید دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کو باقی انبیا پر فضیلت بیان کرتے ہیں جو قرآن وحدیث میں وارد ہے۔ (شفا، جلد اول، صفحہ:143، مدارج النبوۃ، صفحہ:101)

3- سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا کہ مجھے موسیٰ علیہ السلام پر یا یونس علیہ السلام پر فضیلت نہ دو۔ یہ آپ نے بطور تواضع فرمایا اور اپنی ذات سے تکبر اور عجب کی نفی کی۔ (شفا، صفحہ:142، مدارج النبوۃ، صفحہ:101)

4- فضیلت سے جو منع کیا گیا ہے وہ منع صرف اصل نبوت ورسالت میں ہے یعنی یوں نہ کہو کہ فلاں نبی فلاں نبی سے نبوت ورسالت میں افضل ہے۔ کیوں کہ نبوت میں سب انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام برابر ہیں۔ (شفا، جلد اول، صفحہ:143، مدارج النبوۃ، صفحہ:101)

5- حضور اکرم نے اپنی امت پر شفقت فرماتے ہوئے فرمادیا کہ مجھے حضرت یونس علیہ السلام پر فضیلت نہ دو تا کہ کوئی میرا اُمتی اپنے زہد وتقویٰ کی بنا پر یہ نہ کہہ سکے کہ میں فلاں نبی سے افضل ہوں کیوں کہ اُمتی کو کسی نبی سے افضل ماننا صریح کفر ہے۔ (شفا، جلد اول، صفحہ:144)

علما نے تصریح فرمائی ہے کہ کوئی ولی نبی کے درجے کو نہیں پہنچ سکتا۔ منقول ہے کہ حضرت غوث الثقلین شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے عہد میں ایک شیخ وقت نے دعویٰ کیا کہ میں حضرت یونس علیہ السلام سے افضل ہوں اور میرا مقام ان کے مقام سے بلند ہے۔ حضرت غوث الثقلین نے سنا اور سخت ناراض ہوئے۔ اس وقت آپ کے دست مبارک میں دو سرہانے تھے، اس کی طرف پھینکے جو اس کے سینے یا دل پر لگے۔ وہ وہیں ہلاک ہوگیا۔
(اشعۃ اللمعات، جلد رابع، صفحہ:445)

انیسواں وعظ

حضور اقدس جامع کمالات ہیں

قَالَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی:

أُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ۔ (سورۂ انعام، آیت:90)

ترجمہ: یہ انبیا وہ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی تو آپ بھی ان کی راہ پر چلو۔

حضور اقدس جامع کمالات ہیں

اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو جو کمال بھی عنایت فرمایا وہ کمال مع زائد اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمایا، لہٰذا جتنے انبیا علیہم السلام کو مجموعی طور پر جو کمالات حاصل ہوئے، ہمارے رسول پاک ان تمام کمالات کے جامع ہیں اور دیگر بے شمار کمالات وخصوصیات کے بھی حامل ہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: أُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ۔

یعنی یہ انبیا وہ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی تو آپ بھی ان ہی کی راہ پر چلو۔

اللہ تعالیٰ نے انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کو اوصاف حمیدہ سے موصوف کیا۔ اس کے بعد اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا: أُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ۔ اپنے حبیب کو حکم فرمایا، ان کی اقتدا کے ساتھ امتثال امر واجب ہوا۔ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام وہ خصال وکمال جو انبیائے کرام کو دیے گئے تھے ادا کردیے۔ پس وہ خصال وکمال جو ہر ایک نبی کو الگ الگ حاصل تھے وہ تمام کے تمام حبیب خدا میں جمع ہوگئے۔ (مدارج النبوۃ، جلد اول، صفحہ:100)

کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ نے اس مضمون کو ان الفاظ میں ادا فرمایا ہے:

كُلُّ اٰيٍ اَتَى الرُّسُلُ الْكِرَامُ بِهَا — فَاِنَّمَا اتَّصَلَتْ مِنْ نُّوْرِهٖ بِهِمِ

ترجمہ: ہر نشانی و معجزہ جو رسول لائے ہیں وہ آپ کے نور پاک سے متصل ہیں۔

فَاِنَّكَ شَمْسُ فَضْلٍ هُمْ كَوَاكِبُهَا — يُظْهِرْنَ اَنْوَارَهَا لِلنَّاسِ فِي الظُّلَمِ

ترجمہ: آپ فضل وعظمت کے سورج ہیں اور تمام پیغمبر آپ کے تارے ہیں، آپ نے لوگوں کے لیے اندھیروں میں نور ظاہر کیا۔

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب فرمایا ہے:

یہ انبیا مرسلیں تارے ہیں تم مہر مبین
سب جگمگائے رات بھر چمکے جو تم کوئی نہیں

اب میں چند امور بطور مثال پیش کرتا ہوں، تا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان امتیازی معلوم ہو جائے۔

موسیٰ علیہ السلام کا عصا

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عصا عطا فرمایا جو دشمن کے مقابلے میں سانپ بن جاتا تھا، اس میں ایک جامد چیز حیوان بن جاتی تھی، مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لکڑی کو ناطق بنایا۔ ستون حنانہ مسجد اقدس میں صحابہ کے سامنے رو دیا جسے سب نے سنا، اگر وہاں عصا سانپ بنتا تھا تو یہاں لکڑیاں کلام کرنے والیاں بن جاتی ہیں، اس طرح اگر وہ عصا دشمن کے مقابلے میں ایک سانپ نظر آتا ہے تو پیارے رسول پاک کے دشمنوں کے لیے دو سانپ نظر آتے تھے، جیسا کہ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ ایک روز ابو جہل لعین نے سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پتھر مارنا چاہا تو آپ کی طرف دیکھا کہ اس کو دو سانپ نظر پڑے، جو حضور کے کندھوں کے پاس پہرہ دے رہے تھے۔ یہ دیکھتے ہی وہ الٹے قدم بھاگا۔ (مدارج النبوۃ، جلد اول، صفحہ:113، انوار محمدیہ، صفحہ:301)

موسیٰ علیہ السلام کا ید بیضا

اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو ید بیضا عطا فرمایا تھا جس کی روشنی میں آنکھیں چندھیا جاتی تھیں، مگر اس فضل وکرم والے رب نے اپنے حبیب پاک کو سر سے قدم تک سارا نور ہی نور بنا دیا تھا، جس سے ایمانداروں کی آنکھیں چندھیا جاتی تھیں اور آپ کو پورے طور پر نہیں دیکھ سکتی تھیں۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: آنحضرت بتمام از سر تا قدم ہمہ نور بود کہ دیدہ در جمال با کمال وے خیرہ می شد مثال ماہ آفتاب تاباں و روشن بود و اگر نہ نقاب بشریت پوشیدہ بودے ہیچکس را مجال نظر و ادراک حسن او ممکن نبودے۔ (مدارج النبوۃ، ج:۱، ص:137)

یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سر سے پا تک سراپا نور تھے کہ دیکھنے والی آنکھیں چندھیا جاتی تھی۔ آفتاب وماہتاب کے مثل روشن اور چمک دار تھے۔ اگر آپ بشریت کے لبادے میں نہ ہوتے تو کسی آنکھ کی مجال نہیں تھی کہ وہ آپ کو دیکھ سکے اور آپ کے حسن کا ادراک کر سکے۔

آپ کا ہاتھ لگنے سے جگہ کا نورانی ہونا

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایسے نورانی تھے کہ جس چیز پر ہاتھ مبارک لگ جاتا وہ چیز بھی نورانی ہو جاتی۔ ایک دفعہ سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی طفیل بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اسلام کی تبلیغ کریں۔ اس صحابی نے نشانی کی درخواست کی تا کہ وہ اس کی قوم پر حجت کا کام دے۔ آپ نے اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان اپنی انگلی مبارک رکھ دی تو اُس جگہ سے نور پیدا ہو گیا، یعنی وہ جگہ منور ہو گئی۔ صحابی نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ لوگ سفید داغ خیال کریں گے۔ آپ نے وہ نور اُس کے تازیانے میں منتقل کر دیا۔ تو وہ تازیانہ اندھیری رات میں چمکتا تھا، جس کی وجہ سے لوگوں نے اس کا نام ذوالنور رکھ دیا تھا۔

(مدارج النبوۃ، صفحہ:137، شفا، جلد اول، صفحہ:216)

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ نے عشا کی نماز سید المرسلین محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ادا کی، رات ابر آلود اور اندھیری تھی۔ آپ نے ان کو

ایک کھجور کی ٹہنی عطا کر کے فرمایا کہ اس کو ساتھ لے جاؤ، راستے میں دس گز تیرے آگے سے اور دس گز پیچھے سے روشنی کرے گی، جب تو گھر میں داخل ہوگا وہاں ایک سیاہ سانپ دیکھے گا، اس کو مار کر باہر پھینک دینا۔ (مدارج، جلد اول، صفحہ:137، شفا، جلد اول، صفحہ:219)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اس مقام پر لکھتے ہیں:

ایں احادیث اول دلیل اند بر نورانیت آنحضرت و سرایت نورانیت وے بخادمان در گوہ بماند عصا و تازیانہ چہ جائے ذوات و اعضائے ایشاں۔ (مدارج، جلد اول، صفحہ:13)

یعنی یہ حدیثیں اول نبی کریم کی نورانیت پر دال ہیں اور پھر خادمان نبی میں سرایت کرنے پر دال ہیں۔

آپ نے قتادہ کے چہرے پر ہاتھ پھیرا، جس سے چہرہ ایسا نورانی اور چمکدار ہو گیا کہ جیسا شیشہ میں جو چیز نظر آتی تھی وہ اس کے چہرے میں نظر آتی تھی۔ (شفا، جلد اول، صفحہ:120)

موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اللہ کے حکم سے اپنا عصا مار کر دریا کو پھاڑا تھا، مگر حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگلی کے اشارے سے چاند کو چیر دیا۔ موسیٰ علیہ السلام کا تصرف زمین پر تھا اور باذن اللہ حبیب خدا کا تصرف آسمان پر تھا۔

شبِ معراج دریا کا چیرنا

یہ بات ٹھیک ہے کہ موسیٰ علیہ السلام دریا کو چیر کر پار ہو گئے، مگر حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم شبِ معراج اس بڑے دریا کو چیر کر پار ہو گئے جو آسمان اور زمین کے درمیان ہے اور جس کے مقابلے زمین کے دریا ایک قطرہ ہیں۔ سبحان اللہ!

(مدارج، جلد اول، صفحہ:128، انوار محمدیہ، صفحہ:302)

موسیٰ علیہ السلام پتھر سے پانی نکال دیتے تھے تو حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم اپنی انگلیوں سے پانی نکال دیتے تھے۔ پتھر سے تو پانی نکلا ہی کرتے ہیں مگر انگلی سے پانی نکال کر دکھانا بہت بڑا کمال ہے۔ حضرت موسیٰ کو اللہ تعالیٰ نے وہ مقام عطا فرمایا کہ بلاواسطہ اپنے رب سے کوہ طور پر کلام فرمائی، مگر حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ بلند مقام عنایت ہوا کہ آپ نے آسمانوں کے

اوپر سدرۃ المنتہیٰ اور مستوی کے اوپر اپنے رب سے بلاواسطہ کلام فرمایا لیکن یہ فرق ضرور تھا کہ موسیٰ علیہ السلام نے پس پردہ کلام فرمایا اور حبیب خدا نے بلا پردہ کلام فرمایا۔

حسن یوسف و حسن مصطفی صلوٰۃ اللہ علیہما

اللہ تعالیٰ نے ساری دنیا کو جتنا حسن دیا اتنا اکیلے صرف یوسف علیہ السلام کو عطا فرمایا، مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک کو کل حسن اور سارا حسن عنایت فرمایا کہ اس میں کوئی بھی شریک نہیں، اگرچہ حسن یوسفی پر زنان مصر نے اپنی اپنی انگلیاں کاٹ لی تھیں مگر حسن محمدی پر عرب وعجم کے بہادروں نے اپنی اپنی جانیں قربان کر دیں۔

زورِ داؤد اور زورِ مصطفی صلوٰۃ اللہ علیہما

اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کو وہ زور بازو عطا فرمایا تھا کہ آپ کے ہاتھ میں لوہے جیسی سخت شے بھی موم ہو جاتی، مگر زور بازوئے مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عالم کہ آپ کے لیے سخت پتھر بھی نرم ہو جاتا، لوہا تو نرم ہوتا ہی رہتا ہے مگر پتھر کا نرم کرنا بہت بڑا کمال ہے۔

(مدارج النبوۃ، جلد اول، صفحہ:139)

کمال سلیمانی اور کمالِ محمدی صلوٰۃ اللہ علیہما

حضرت سلیمان علیہ السلام کا یہ کمال علمی تھا کہ وہ پرندوں کی بولیاں جانتے تھے، مگر حضرت سیدالمرسلین کا علمی کمال یہ ہے کہ آپ پرندوں کی بولیاں جانتے ہیں، جانوروں کی بولیاں جانتے ہیں اور پھر یہ بھی کمال ہے کہ آپ پتھروں کی بولیاں جانتے ہیں اور ان سے کلام کرتے ہیں۔

(مدارج، جلد اول، صفحہ:139، انوار محمدیہ، صفحہ:303)

حضرت سلیمان کی سواری ہوا تھی جو آپ کے تخت کو اڑا کر جہاں چاہتی لے جاتی اور اتنی تیز رفتار کہ مہینوں کا سفر ایک دن میں طے ہو جاتا: غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّرَوَاحُهَا شَهْرٌ۔ مگر حبیب خدا کو براق کی وہ سواری دی گئی جو اتنی تیز رفتار کہ جس نے ایک گھنٹے میں فرش سے لے کر عرش پہنچا دیا۔ (مدارج، جلد اول، صفحہ:139، انوار محمدیہ، صفحہ:304)

حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے ہوا کو مسخر اور تابع بنایا گیا تھا تاکہ وہ آپ کو زمین کے مختلف اطراف و جوانب میں لے جایا کرے، مگر حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ساری زمین ہی لپیٹ کر سامنے پیش کر دی گئی، تاکہ اپنے مقام پر بیٹھے ہوئے تمام زمین کا ملاحظہ فرمالیں۔

کتنا عظیم فرق ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام خود زمین کی طرف سعی کرتے ہیں اور حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف خود زمین سعی کرتی ہے۔

(مدارج، جلد اول، صفحہ:129، انوار محمدیہ، صفحہ:30)

جنات حضرت سلیمان کے تابع تھے مگر مومن نہ تھے، لیکن حبیب خدا پر جنات بھی ایمان لائے۔ الحاصل حضرت سلیمان نے جنوں کو تابع بنایا اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنوں کو مومن اور ایماندار بنایا۔ واہ واہ! کیا شان مصطفائی ہے۔ وَحُشِرَ لِسُلَيْمٰنَ جُنُوْدُهٗ مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ وَالطَّيْرِ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ۔ (سورہ نمل، آیت:17)

یعنی حضرت سلیمان کے لیے اس کے لشکر جنوں، آدمیوں اور پرندوں سے جمع کیے گئے۔

مگر حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے لشکری جن نہیں بلکہ فرشتے آپ کے لشکری ہوتے تھے جو جنوں سے کئی درجہ بہتر اور اعلیٰ ہوتے ہیں۔

دست عیسیٰ اور دستِ مصطفیٰ صلوٰۃ اللہ علیہما

حضرت عیسیٰ کے دستِ پاک کی یہ برکت تھی کہ مادر زاد اندھوں کی آنکھوں پر ہاتھ پھیر دیتے تو اُس کی آنکھوں میں نور اور روشنی آجاتی، مگر دستِ حبیب اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت تھی کہ نکلی ہوئی آنکھوں کو دستِ مبارک سے اس کے مقام پر لگا دیا تو وہ پہلے سے زیادہ روشن ہوگئی۔ (مدارج النبوۃ، جلد اول، صفحہ:140، انوار محمدیہ، صفحہ:304)

آپ کا ہاتھ مبارک تو الگ رہا، بلکہ آپ کی زبان سے نکلے ہوئے کلمات نابینا نے پڑھ لیتا تو بینا اور آنکھ والا ہو جاتا۔ حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک اندھا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور عرض کیا: یا رسول اللہ! میرے حق میں دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے نور اور روشنی عطا فرمائے۔ آپ نے فرمایا: جاؤ وضو کر کے دو رکعت نماز

پڑھو، اس کے بعد یہ دعا پڑھنا: اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ وَاَتَوَجَّهُ اِلَيْكَ بِنَبِيِّكَ مُحَمَّدٍ نَبِيِّ الرَّحْمَةِ يَا مُحَمَّدُ اِنِّيْ اَتَوَجَّهُ بِكَ اِلٰى رَبِّكَ اَنْ يَّكْشِفَ عَنْ بَصَرِيْ اَللّٰهُمَّ شَفِّعْهُ فِيَّ۔

راوی کا بیان ہے کہ اندھا تھوڑی دیر کے بعد واپس آیا تو اُس کی آنکھیں نورانی ہو چکی تھیں۔ (شفا، جلد اول، صفحہ:213)

حضور کی پھونک سے اندھے کا شفا پانا

دست اقدس تو دست اقدس ہے، بلکہ حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی پھونک میں بھی اتنا اثر ہے کہ نابینا، بینا ہو جاتا ہے۔ حبیب بن فُدیک رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ان کے والد کی آنکھیں بالکل سفید ہوگئی تھیں اور ان سے کچھ نظر نہیں آتا تھا، حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر پھونک ماردی تو ان کی آنکھیں اس قدر روشن ہوگئیں کہ میں نے ان کو دیکھا کہ وہ اسّی سال کی عمر میں بھی سوئی میں تاگا ڈال لیتے تھے۔ (شفا، جلد اول، صفحہ:213)

برص کی بیماری سے شفا

حضرت عیسیٰ برص کے بیماروں پر اپنا ہاتھ پھیر کر باذن اللہ شفا دیتے تھے، مگر حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم برص کی بیماری کو لکڑی سے دور کر دیتے تھے۔ حضرت معاذ کی بیوی کو برص کی بیماری تھی، انھوں نے خدمت اقدس میں حاضر ہو کر اس کی شکایت کی۔ نبی کریم کے دست اقدس میں ایک لکڑی موجود تھی، آپ نے وہی لکڑی برص والی جگہ پر پھیر دی تو برص کی بیماری اللہ کے حکم سے ہمیشہ کے لیے دور ہوگئی۔ (مدارج، جلد اول، صفحہ:140)

مردوں کو زندہ کرنا

حضرت عیسیٰ اللہ کے اذن سے مردے زندہ فرماتے تھے، مگر حبیب خدا تو حبیب خدا ہیں، آپ کے ماننے والے اور مخلص مومنوں نے بھی مردے زندہ کیے ہیں، جیسا کہ حضرت غوث الثقلین پیر دستگیر سیدنا و مولانا عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ نے کئی مردے زندہ کیے۔ سرکار مدینہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی باذن اللہ متعدد مردوں کو زندہ فرمایا ہے۔

ایک بار آپ کی خدمت پاک میں ایک شخص آیا اور عرض کرنے لگا کہ اگر آپ میری لڑکی کو زندہ کر ڈالیں تو میں آپ پر ایمان لاؤں گا۔ یہ سن کر شہنشاہ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس لڑکی کی قبر پر بہ نفس نفیس تشریف لے گئے اور آواز دی: اے فلانی! تو قبر سے آواز آئی: لَبَّیْکَ وَسَعْدَیْکَ یَارَسُوْلَ اللہِ۔ (مدارج، جلد اول، صفحہ:140؛ انوار محمدیہ، صفحہ:305)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک انصاری نوجوان انتقال کر گیا، اس کی ماں بوڑھی اور اندھی تھی، ہم نے اس کو کپڑے سے ڈھانک دیا اور اس کی ماں کے پاس ماتم پرسی کی۔ وہ عورت بولی کہ میرا بیٹا مر گیا ہے۔ ہم نے کہا: ہاں! تو بوڑھی نے یوں دعا کی کہ مولیٰ! تو جانتا ہے کہ میں نے تیرے اور تیرے رسول کی طرف ہجرت کی اس امید پر کہ ہر مصیبت میں میری اعانت کرنا، مجھ پر یہ مصیبت نہ ڈالنا، تھوڑی دیر گزری کہ میت نے اپنے چہرے سے کپڑا اُٹھایا اور روٹی کھائی اور ہم نے بھی کھائی۔ (شفا، جلد اول، صفحہ:211)

گھر کی چیزوں کی خبر دینا

حضرت عیسیٰ کا علمی کمال یہ تھا کہ لوگوں کو اُن چیزوں کی خبر دیتے جو وہ کھا کر آتے یا گھر میں چھوڑ کر آتے۔ قرآن پاک کا ارشاد ہے: اُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ۔ (سورۂ آل عمران) یعنی میں تم کو اس کی خبر دیتا ہوں جو کچھ تم کھاتے ہو اور جو ذخیرہ کرتے ہو۔

مگر جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف گھر کی خبریں بتائیں بلکہ قیامت تک کے تمام حالات ایک ایک کر کے صحابہ کے سامنے بیان فرمادیے۔ حدیث پاک میں ہے:

عَنْ عُمَرَ قَالَ: فِیْنَا رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَقَامًا فَاَخْبَرَنَا عَنْ بَدْءِ الْخَلْقِ حَتّٰی دَخَلَ اَهْلُ الْجَنَّةِ مَنَازِلَهُمْ وَاَهْلُ النَّارِ مَنَازِلَهُمْ حَفِظَ ذٰلِكَ مَنْ حَفِظَهٗ وَنَسِيَهٗ مَنْ نَسِيَهٗ۔ (بخاری، مشکوۃ، صفحہ:506)

یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہمارے درمیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے، یعنی خطبہ پڑھا اور ہم کو پیدائش کی ابتدا سے یہاں تک کی خبر دی کہ اہل جنت

اپنی منزل میں اور اہل دوزخ اپنی منزل میں داخل ہوں گے، تو اس کو یاد رکھا جس نے یاد رکھا اور اس کو بھلا دیا جس نے بھلا دیا۔

فائدہ: سردار دو جہان صلی اللہ علیہ وسلم کو اول سے آخر تک کا سارا علم ہے، جیسا کہ حدیث پاک سے واضح ہوا۔ شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی تشریح فرماتے ہوئے لکھتے ہیں: یعنی احوال مبدأ و معاد از اول تا آخر ہمہ را بیان کرد۔ (اشعۃ اللمعات، جلد رابع، صفحہ:444)

یعنی از ابتدا تا انتہا تمام احوال بیان کردیے۔

مسلمانو! دیکھ لو! اہل سنت کی یہ ایک بین دلیل ہے کہ ہمارے رسول معظم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ماکان ومایکون کا علم ہے۔ ایسی صریح حدیث سے بھی بدعقیدہ انکار کریں تو ان کی اپنی بدقسمتی۔

☆☆☆

بیسواں وعظ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم رحمت عالم ہیں

قَالَ اللّٰہُ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی:

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۔ (سورہ توبہ، آیت:128)

ترجمہ: بے شک تمہارے پاس تشریف لائے تم میں سے وہ رسول جن پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں ہے۔ تمہاری بھلائی کے زیادہ چاہنے والے مسلمانوں پر کمال مہربان۔

فائدہ: ترجمہ سے واضح ہے کہ ہمارے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت پر شفیق اور رحم کرنے والے ہیں۔ ایک دوسرے مقام پر ارشاد خداوندی ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۔ (سورۂ انبیا)

ترجمہ: ہم نے تمھیں سارے جہان کے لیے رحمت بنا کر بھیجا۔

حضرات! اللہ کریم کی صفت ایجاد تمام عالم کے ہر فرد کو شامل ہے، جیسا کہ اس نے خود فرمایا ہے: اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۔ اللہ ہر شئے کا خالق اور موجد ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کی صفت ربوبیت ہر ذرۂ عالم کو محیط ہے۔ عالم میں سے کوئی ایسی شئے نہیں ہے جس کا اللہ تعالیٰ رب نہ ہو۔ ارشاد خداوندی ہے: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۔ اگر اللہ کریم سارے جہان کا رب ہے، تو اس کا پیارا حبیب اسی جہان کے لیے رحمت ہیں۔ سارے جہان میں کوئی ایسی شئے نہیں ہے جس کو رحمتِ مصطفی سے حصہ نہ ملا ہو۔ رب تعالیٰ خود فرماتا ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۔ یعنی ہمارا محبوب دو جہانوں کے لیے رحمت ہیں۔ عالم دنیا کے لیے رحمت اور عالم آخرت کے لیے بھی رحمت، اور پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

حالت حیات میں بھی رحمت اور حالت ممات میں بھی رحمت ہیں۔ خود سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: حَيَاتِيْ خَيْرٌ لَّكُمْ وَمَمَاتِيْ خَيْرٌ لَّكُمْ ۔ (شفا، جلد اول، صفحہ:10)

یعنی میری حیات اور میری ممات تمہارے لیے بہتر ہے۔

یوں تو ہر نبی اپنی امت کے حق میں رحمت ہوتے ہیں، مگر اللہ کے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم عین رحمت ہیں۔ علامہ نبہانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

قَالَ بَعْضُ الْعَارِفِيْنَ الْاَنْبِيَاءُ خُلِقُوْا كُلُّهُمْ مِنَ الرَّحْمَةِ وَنَبِيُّنَا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَيْنُ الرَّحْمَةِ ۔ (انوار محمدیہ، صفحہ:371)

ترجمہ: بعض عارفوں نے فرمایا ہے کہ انبیا سب کے سب رحمت سے پیدا کیے گئے ہیں، مگر ہمارے پیارے نبی عین رحمت ہیں۔

حضور کا مومن کے لیے رحمت ہونا

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا ہے کہ ہمارے آقا سراپا رحمت ہیں، مومن کے لیے بھی رحمت ہیں اور کافر کے لیے بھی۔

(شفا، جلد اول، صفحہ:10، مدارج، جلد اول، صفحہ:80)

حضرت فاضل سمرقندی نے فرمایا ہے کہ آپ انسانوں اور جنوں ہر ایک کے لیے رحمت ہیں۔ (شفا، صفحہ:10) یہ سب کچھ درست ہے مگر آپ کی رحمت جنوں وانسانوں اور مومنوں و کافروں میں منحصر نہیں بلکہ ہر شئے کے لیے رحمت ہیں، خواہ مومن ہو خواہ کافر ہو، جن وانس ہوں، فرشتے ہوں، آسمان ہو، زمین ہو، غرض کہ تمام اجزائے عالم کے لیے آپ رحمت ہیں۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں: بعضے علما در حصول بوجود حضرت سید العالمین است صلی اللہ علیہ وسلم در اجزائے عالم۔ (مدارج، جلد اول، صفحہ:80)

یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود تمام اجزائے عالم کے لیے ہے۔

مومن کے لیے آپ کی رحمت یہ ہے کہ آپ کی وجہ سے اسے اسلام ملا، ہدایت ملی اور جنت ملے گی، ورنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سے قبل دوزخ کے قریب تھے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا۔

ترجمہ: تم دوزخ کے گڑھے کے کنارے پر تھے تو اس نے تم کو اس سے نکال لیا۔

حضور کا غلاموں کے لیے رحمت ہونا

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بچوں، ضعیفوں اور خادموں اور غلاموں پر خصوصی طور پر رحیم و کریم تھے، ان کی ہر جائز درخواست منظور ومقبول فرماتے۔ خادم رسول حضرت انس بیان کرتے ہیں: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا صَلَّى الْغَدَاةَ جَاءَ خَدَمُ الْمَدِيْنَةِ بِاٰنِيَتِهِمْ فِيْهَا الْمَاءُ فَمَا يَأْتُوْنَ بِاِنَاءٍ اِلَّا غَمَسَ يَدَهٗ فِيْهَا فَرُبَّمَا جَاءُوْهُ بِالْغَدَاةِ الْبَارِدَةِ فَيَغْمِسُ يَدَهٗ فِيْهَا۔ (مسلم، مشکوۃ، صفحہ:519)

ترجمہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب صبح کی نماز پڑھ لیتے تو مدینہ کے غلام پانی کے برتن لاتے اور آپ کے سامنے برتن پیش کرتے، تو برکت کے لیے آپ اپنا ہاتھ اس میں ڈبوتے، بسا اوقات وہ ٹھنڈی صبح میں بھی لاتے تو بھی آپ اپنا ہاتھ اس میں ڈبودیتے۔

فائدہ: اس حدیث پاک سے تین باتیں ثابت ہوئیں: اولاً یہ کہ مقبولان بارگاہ الٰہی کے جسم اقدس کے کسی جز سے برکت حاصل کرنا اہل ایمان کا کام ہے، ثانیاً حضور سراپا رحمت غلاموں، ضعیفوں پر خاص رحمت فرماتے اور ثالثاً آقائے رحمت اتنے رحیم تھے کہ سردی میں بھی سرد پانی ہونے کے باوجود اپنا ہاتھ اس میں ڈالتے تاکہ انھیں برکت حاصل ہو اور سردی کی پرواہ نہ کرتے۔

حضور کا کم عقلوں کے لے رحمت ہونا

حضور پرنور سراپا رحمت صلی اللہ علیہ وسلم اتنے رحیم وکریم تھے کہ بے وقوفوں، کم عقلوں پر بھی آپ کی شفقت بے حد تھی اور ان کا کام بھی آپ بڑے شوق سے کرتے تھے، جیسا کہ حدیث میں ہے: اِنَّ امْرَاَةً كَانَتْ فِيْ عَقْلِهَا شَيْءٌ فَقَالَتْ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِلَيْكَ حَاجَةٌ. فَقَالَ: يَا اُمَّ فُلَانٍ اُنْظُرِيْ اَيَّ السِّكَكِ شِئْتِ حَتّٰى اَقْضِيَ لَكِ حَاجَتَكِ فَخَلَا مَعَهَا فِيْ بَعْضِ الطُّرُقِ حَتّٰى فَرَغَتْ مِنْ حَاجَتِهَا۔ (مسلم، مشکوۃ، صفحہ:519)

ترجمہ: ایک عورت جس کی عقل کمزور تھی وہ عرض کرتی کہ یا رسول اللہ! مجھے آپ سے حاجت ہے، تو آپ فرماتے کہ اے ام فلاں! کون سے کوچے میں جانا چاہتی ہو، تا کہ میں تیرا کام کردوں، آپ بعض راستے میں اس کے ساتھ چلتے، یہاں تک کہ وہ اپنی حاجت پوری کرلیتی۔

فائدہ: بڑے سے بڑا کوئی متحمل اور شفیق ہو، تب بھی بے عقلوں سے گھبرا اٹھتا ہے، مگر حضور سراپا رحمت کی رافت وشفقت کا کیا کہنا کہ کم عقلوں سے نہیں گھبراتے اور جب تک ان کا کام پورا نہ کرلیں اس وقت تک ان سے الگ نہیں ہوتے۔

حضور کا خاص غلاموں کے لیے خاص رحمت ہونا

یوں تو رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم سب پر رحمت فرماتے، مگر اپنے خاص خداموں اور غلاموں اور ہم سفروں پر خصوصی رحمت فرماتے ہیں، اگر ان سے کوئی کمی بیشی ہو بھی جاتی تو بھی معاف فرمادیتے۔ حضرت انس دس سال تک اپنے آقائے رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کرتے رہے اس درمیان کبھی کوئی ایسی بات نہ ہوئی جوان کے لیے باعث پریشانی ہو۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

خَدَمْتُهٗ عَشْرَ سِنِيْنَ فَمَا لَامَنِيْ عَلٰى شَيْءٍ قَطُّ اُتِيَ فِيْهِ عَلٰى يَدَيَّ فَاِنْ لَامَنِيْ لَائِمٌ مِنْ اَهْلِهٖ قَالَ دَعُوْهُ فَاِنَّهٗ لَوْ قُضِيَ شَيْءٌ كَانَ۔ (مشکوۃ، صفحہ:519)

ترجمہ: میں نے دس سال تک آپ کی خدمت کی، کبھی بھی کسی چیز پر آپ ملامت نہ فرماتے جو میرے ہاتھ سے ہلاک ہوجاتی۔ اگر کوئی آپ کا رشتہ دار مجھے ملامت کرتا تو آپ فرماتے کہ چھوڑ دو، کیوں کہ جو شئے مقدر ہوتی ہے وہ ہو کر رہتی ہے۔

منافقوں کے لیے رحمت ہونا

اس سے پہلے جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہ مومن پر آپ کی رحمت وشفقت کا بیان تھا۔ آپ منافقوں کے لیے بھی رحمت ہیں، کیوں کہ آپ کی رحمت سے منافقوں کی جان قتل سے محفوظ اور مال لٹنے سے محفوظ ہوگیا۔

کافروں کے لیے رحمت ہونا

حضور سراپا رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کافروں کے لیے بھی رحمت ہیں کہ ان کی صورتیں مسخ نہیں ہوتیں، جیسا کہ پہلی امتوں کی شکلیں تبدیل ہوجاتی تھیں۔ نیز ان سے عذاب موخر ہوگیا، جب کہ سابقہ اُمتیں جب کوئی ناجائز کام کرتیں تو فوراً اُن پر عذاب نازل ہوجاتا۔ مگر آپ کی رحمت سے اب کفار سے وہ عذاب مؤخر ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے: وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ۔ ترجمہ: اللہ کی شان یہ نہیں کہ اُن کو عذاب دے، جب تک آپ اُن میں ہیں۔

جب کفار آپ کو ستاتے، تکلیف دیتے، تو صحابہ عرض کرتے: یارسول اللہ! ان کے حق میں بددعا فرمادیں، آپ فرماتے: إِنِّي لَمْ أُبْعَثْ لَعَّانًا وَإِنَّمَا بُعِثْتُ رَحْمَةً۔ (صحیح مسلم)

ترجمہ: مجھے لعنت کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا بلکہ مجھے رحمت بنا کر بھیجا گیا۔

ملائکہ کے جبرئیل لیے رحمت ہونا

آقائے رحمت صلی اللہ علیہ وسلم ملائکہ عظام کے لیے بھی رحمت ہیں، کیوں کہ آپ جب معراج کو تشریف لے گئے تو فرشتوں نے آپ سے بعض علوم و معارف اور اسرار کا استفادہ کیا۔ نیز آپ پر درود شریف پڑھنے کی برکت سے رحمت الٰہی کے حقدار بنتے ہیں۔ (معارج النبوۃ، صفحہ:107)

حضرت جبرئیل کے لیے رحمت ہونا

رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت کا کیا کہنا کہ جبرئیل علیہ السلام بھی آپ کی رحمت سے بہرہ ور ہیں۔ جب یہ آیت: وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۔ نازل ہوئی تو آپ جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا کہ خالق دوجہاں نے مجھے سب جہانوں کے لیے رحمت بنایا ہے۔ میری رحمت سے تجھے کیا فائدہ حاصل ہوا؟ تو جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں اپنے انجام سے ڈرا کرتا تھا اور شیطان کا معاملہ دیکھ کر اپنی عاقبت سے خوف کرتا تھا، لیکن جب آپ پر قرآن مجید نازل ہوا اور مجھے اس کے نازل کرنے میں واسطہ مقرر کیا گیا، تو اللہ تعالیٰ نے میرے حق میں قرآن پاک میں فرمایا: ذِیْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِی الْعَرْشِ مَكِیْنٍ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِیْنٍ ۔ یہ سن کر مجھے اطمینان حاصل ہوگیا۔ (شفا، جلد اول، صفحہ:10، مدارج، جلد اول، صفحہ:80، معارج، مقدمہ، صفحہ:107)

شیطان کے لیے رحمت ہونا

اقبح ترین مخلوق شیطان ہے، اس کو بھی رحمت مصطفی سے حصہ ملا کہ وہ فرشتے کی مار سے بچ گیا۔ منقول ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنی بارگاہ سے ابلیس لعین کو مردود فرمایا تو ایک فرشتہ کو حکم فرمایا کہ ہر روز ایک طمانچہ غضب اس کے منہ پر مارا کرے۔ اس کی وجہ سے اس کو نہایت درد و الم ہوتا اور اثر اس کا دوسرے دن تک باقی رہتا۔ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مسند رسالت پر متمکن فرمایا اور آپ کے حق میں آیت وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۔ نازل فرمائی تو شیطان لعین نے رو کر عرض کیا: مولیٰ! تمام عالم میں سے میں بھی ہوں، کیا اس رحمت سے کچھ حصہ ملے گا؟ تو اللہ تعالیٰ نے اس فرشتہ کو حکم دیا کہ آج سے طمانچہ مارنا چھوڑ دے تا کہ وہ بھی رحمت محمدی سے حصہ پالے۔ (معارج، مقدمہ، صفحہ:110)

حکایت: کسی نے شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ ابلیس کو رحمت مصطفی سے کیا حصہ پہنچا؟ آپ نے فرمایا کہ آپ کی حقانیت و ہدایت اس مرتبہ کو پہنچ گئی کہ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۔ یعنی باطل بالکلیہ مٹ جائے۔ اس اعتبار سے تو ابلیس کا نابود ہوجانا ضروری تھا، مگر اس کا باقی و موجود رہنا اور معدوم نہ ہونا یہ صرف رحمت مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کا اثر تھا۔ (مدارج النبوۃ، صفحہ:80)

جنوں کے لیے رحمت

آپ جنوں کے لیے بھی رحمت ہیں کہ وہ آپ کی دعوت سے سماع قرآن سے مشرف ہوئے اور ایمان و عرفان کی دولت سے مالا مال ہوئے اور طریقہ رشد و ہدایت معلوم ہوا۔

اجزائے عالم کے لیے رحمت

زمین کو آپ کی رحمت سے یہ فائدہ ہوا کہ کفر و شرک سے پاک ہوئی اور اس پر نور و عرفان کا دور دورہ ہوا۔ مسجدیں بنیں، اذانیں ہونے لگیں۔ اللہ و رسول کا نام اس زمین پر بلند ہونے لگا۔

پانی کو حضور کی رحمت سے یہ نفع ہوا کہ وہ ہلاک کرنے سے محفوظ رہی۔ آگ کو حضور کی رحمت سے یہ حصہ ملا کہ اسے صدقات کے جلانے سے باز رکھی گئی۔ آسمان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت سے یہ فائدہ ہوا کہ وہ شیاطین کے پہنچنے اور آسمانی باتیں سننے سے محفوظ رہا۔ چرند و پرند وحوش و طیور وغیرہ کے حق میں آپ کی رحمت یہ ہوئی کہ قبل پیدائش حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم قحط عظیم پڑا، تو تمام عالم خشک سالی کی وجہ سے تنگ ہو گیا تھا، پھل پھول، گھاس وغیرہ سوکھ گئی تھی، چرند و پرند و درند سب لقمۂ اجل بن چکے تھے۔ لیکن جب رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں تشریف لائے تو بارش برسی، خشک سالی دور ہوئی، درخت سرسبز وشاداب ہوئے اور جنگل میں منگل ہو گیا۔

(معارج النبوۃ، مقدمہ، صفحہ:110)

سوال: بعض لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ جب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب کے لیے رحمت ہیں تو کفار سے جہاد کیوں فرمایا؟

جواب: رحمت کا معنی یہ نہیں کہ سب کو دودھ ہی پلایا جائے۔ سانپ کو مار دینا اور جسم کے خراب اور گلے ہوئے عضو کو کاٹ ڈالنا، فصد کھول کر خون فاسد نکال دینا یہ سب کے لیے رحمت ہے، اسی طرح حکومت کا چوروں اور ڈاکوؤں کو سزا دینا۔ ملک کو ان سے محفوظ رکھنا عین حکمت اور رحمت ہے، اسی طرح کفار کے غلبے کو توڑ دینا اور کلمۂ الٰہی کا بلند کرنا یہ سب بندگان خدا پر رحمت ہے۔ بلاتشبیہ پروردگار عالم رحمن ورحیم ہے، مگر پھر بھی کسی کو غریب رکھنا، کسی کو مالدار، کسی کو عالم اور کسی کو بے عالم رکھنا چہ معنی دارد؟ چنانچہ معلوم ہوا کہ یہ تمام کام حکمت ومصلحت سے ہیں، خلاف رحمت نہیں۔

☆☆☆

اکیسواں وعظ

حضور کے اسم مبارک کی شہرت وعظمت

قَالَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی:

هُوَ الَّذِیْۤ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَكَفٰی بِاللّٰهِ شَهِیْدًا ۔ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَی الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا۔ (سورۂ فتح، آیت:28)

ترجمہ: وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا کہ اسے سب دینوں پر غالب کرے، اور اللہ کافی ہے شہادت کے لیے، محمد رسول اللہ، ان کے ساتھی، کافروں پر سخت اور آپس میں نرم دل ہیں، جنھیں تم رکوع کرتے، سجدے کرتے اور اللہ کا فضل ورضا چاہتے دیکھو گے۔

حضرات! اس وعظ میں اپنے آقا ومولیٰ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک نام کی شہرت وعظمت کا ذکر ہوگا۔

اللہ کی پہچان رسول اللہ سے

پہلے آیت مذکورہ کا مختصر مطلب سمجھیں کہ اللہ ارشاد فرماتا ہے: **اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ** ۔ اللہ وہ ذات ہے جس نے اپنے رسول پاک کو ہدایت اور سچا دین دے کر بھیجا۔

یعنی اللہ رب العزت نے اپنی پہچان اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کرائی کہ لوگو! اگر اپنے خالق کو پہچاننا چاہتے ہو تو اس طرح پہچانو کہ رب وہ ہے جس نے اپنے پاک رسول کو رسول بنا کر بھیجا ہے۔ مثال کے طور پر یوں سمجھو کہ جب کوئی قابل استاذ اپنی قابلیت دکھانا چاہے تو کہتا

ہے کہ میں وہ ہوں جس نے فلاں شاگرد کو پڑھایا ہے، اگر لوگ میری لیاقت اور قابلیت دیکھنا چاہیں تو میرے فلاں شاگرد کو دیکھ لیں کہ وہ میرے علم وفضل کا نمونہ ہے۔ بلا تشبیہ یہاں بھی قادر مطلق اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر فخر فرماتا ہے کہ اگر مخلوقات میری قدرت اور علم وحکمت کا نظارہ کرنا چاہتی ہے تو میرے رسول پاک کو دیکھ لے کہ وہ میری ذات کا مظہر اتم ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اما وجہ شریف وے صلی اللہ علیہ وسلم مرآت جمال الٰہی است ومظہر انوار نامتناہی۔ (مدارج النبوۃ، جلد اول، صفحہ:5)

یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ انور جمال الٰہی کا آئینہ اور انوار غیر متناہی کا مظہر ہے۔

آپ کے اسمائے مبارک کثیر ہیں

ہمارے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اسمائے مبارکہ کثیر ہیں۔ کچھ قرآن پاک میں، کچھ احادیث نبویہ میں اور کچھ دیگر کتب سماویہ میں۔ غرض کہ اسمائے مبارکہ کی کثرت کی وجہ سے علمائے کرام نے اختلاف کیا ہے۔ بعض نے اسمائے الٰہی کی طرح ننانوے اسمائے نبویہ جمع کیے ہیں، بعض نے تین سو، اور بعض نے چار سو۔ قاضی ابوبکر بن عربی جو اعاظم علمائے مالکیہ سے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ بعض صوفیا نے فرمایا کہ حق تعالیٰ کے ہزار نام ہیں اور اُس کے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی ہزار نام ہیں۔ (اشعۃ اللمعات، جلد چہارم، صفحہ:481)

اور کثرت اسما دلالت کرتی ہے شرف مسمّٰی پر، کیوں کہ اسما کا اشتقاق صفات اور افعال سے ہوتا ہے اور ہر اسم کسی نہ کسی صفت یا فعل سے مشتق ہوتا ہے، تو ثابت ہوا کہ جس کے اسما کثیر ہوں گے وہ متصف بصفات کثیرہ ہوگا۔ لہٰذا ہمارے آقا و مولیٰ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کثیر صفتوں کے مالک ہیں۔ (مدارج، جلد اول، صفحہ:303)

سب سے مشہور نام محمد ہے (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

ان تمام اسمائے مبارکہ سے مشہور اور عظیم اسم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے، جیسا کہ ذات الٰہی کے کثیر ناموں سے اللہ ہے اور باقی اسمائے صفات ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس اسم عظیم کی اتنی

حفاظت وصیانت فرمائی کہ خلق کی آفرینش سے لے کر قرب زمانۂ نبوی تک کسی نے بھی اپنے بچے کا نام محمد نہیں رکھا تا کہ آپ کے نام میں بھی کوئی شریک نہ ہو، لیکن جب آپ کے ظہور کا وقت قریب ہوا، تو علمائے اہل کتاب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی خوش خبریاں سنائیں اور عوام میں نام اقدس ظاہر ہوا، اس وقت بعض لوگوں نے اس امید پر کہ وہ آخر الزماں نبی میرا بیٹا ہو اور مجھے ہی یہ نعمت عظمیٰ اور دولت کبریٰ نصیب ہو اپنے بچوں کا نام محمد رکھا، مگر اللہ رب العزت نے ان سب کو ادعائے نبوت سے محفوظ رکھا۔ (مدارج النبوۃ، جلد: اول، ص:303)

دنیا میں بہت بادشاہ گزرے، دولت مند آئے، مصلح اور ہادی پیدا ہوئے مگر اُن کے نام نے اتنی شہرت نہ پائی جتنی شہرت ہمارے آقا و مولیٰ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک نام نے حاصل کی۔ یہ مانا کہ کسی بادشاہ کا نام اپنے ملک وسلطنت میں مشہور ہے مگر دوسرے ملک کے رہنے والے اس کے نام سے نا آشنا ہوتے ہیں، اگر فرض کیا جائے کہ اس بادشاہ کا نام ساری دنیا میں مشہور ہے مگر مرنے کے بعد اس کا نام بھی کچھ مدت کے بعد مٹ جاتا ہے۔ لیکن شہنشاہ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نہ صرف عرب وعجم میں مشہور ہے بلکہ تمام آسمانوں اور زمین کے گوشے گوشے پر، بلکہ جنت کے غلمانوں اور حوروں میں بھی مشہور ہے۔

پھر بچہ ہو، جوان ہو، بوڑھا ہو، مرد ہو، عورت ہو، ہر زمانے میں انسان ہمارے آقا کا نام اور اسم گرامی جانتا ہے، پھر لطف یہ ہے کہ دشمن بھی اس نام پاک کو جانتے ہیں۔

غرض کہ جتنی شہرت نام مصطفی کو حاصل ہوئی کسی اور نام کو نہ ہوئی۔

آسمانوں میں مشہور نام مصطفی ہے

آقائے دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی اسم گرامی آسمانوں میں بھی مشہور ومعروف ہے۔

چنانچہ ابن عساکر کعب احبار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے رُاوی ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے بیٹے حضرت شیث علیہ السلام کو وصیت فرمائی کہ اے فرزند دلبند! تم میرے بعد میرے خلیفہ ہوگے۔ عمادِ تقویٰ کو مضبوط پکڑنا اور اللہ تعالیٰ کے ذکر کے ساتھ نام مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر

ضرور کرنا کہ میں نے ان کا نام نامی بحالت آب وگل ساق عرش پر منقوش پایا اور جب میں نے طواف سبع سماوات کیا تو ہر جگہ ان کے نام کو لکھا ہوا دیکھا، پھر جب اللہ تعالیٰ نے مجھے بہشت میں مکان عطا فرمایا تو میں نے جنت کا کوئی محل اور چوبارہ نام محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے خالی نہ پایا اور تمام حوران خلد بریں کے سینوں اور ملائکۂ الٰہی کی آنکھوں میں حتیٰ کہ درخت طوبیٰ اور سدرۃ المنتہیٰ کے پتوں پر نام محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم لکھا ہوا پایا۔

اے فرزند! تم میرے بعد اُن کے ذکر سے ہروقت رطب اللسان رہنا اور اُن کے نام کو اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ ذکر کیا کرنا۔ (مدارج النبوۃ، جلد: اول، صفحہ: 307)

ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ جب حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام سے لغزش سرزد ہوئی تو بارگاہ الٰہی میں عرض کیا: اَللّٰھُمَّ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ اِغْفِرْلِیْ خَطِیْئَتِیْ وَفِیْ رِوَایَۃٍ وَتَقَبَّلْ تَوْبَتِیْ۔

یعنی بحق محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میری خطا معاف فرما، یا میری توبہ قبول کر۔ خطاب آیا تو نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو کہاں سے پہچانا؟ عرض کیا کہ میں نے بہشت میں ہر جگہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ لکھا پایا تو پہچانا کہ وہ تیرے نزدیک تمام خلق سے بزرگ اور محبوب ترین ہے۔ (مدارج، جلد اول، صفحہ: 307، شفا، جلد اول، صفحہ: 104)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب مجھے آسمان پر لے گئے تو میں کسی ایسے آسمان پر نہ گزرا کہ جس پر میرا نام محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نہ لکھا ہو۔

(مدارج، جلد اول، صفحہ: 307)

ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب مجھے معراج کی شب آسمانوں کی طرف سیر کرائی گئی تو میں نے دیکھا کہ عرش پر لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ لکھا ہوا ہے۔ (شفا، جلد اول، صفحہ: 104)

ان روایتوں سے یہ امر بخوبی واضح ہوجاتا ہے کہ شہنشاہ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک عالم بالا میں ہر جگہ ہے، یہاں تک کہ عرش عظیم پر بھی لکھا ہوا ہے۔

عالم اسفل میں

اب یہ بھی سن لو کہ ہمارے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی عالم اسفل میں بھی منقوش ہوتا رہا اور ہوتا رہے گا، جو آپ کے صدق نبوت پر واضح دلیل ہے۔

1- ایک پتھر پر یہ الفاظ عبرانی زبان میں لکھے ہوئے پائے گئے: اَللّٰھُمَّ جَاءَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّکَ بِلِسَانٍ مُّبِیْنٍ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کَتَبَہٗ مُوْسَی بْنُ عِمْرَانَ ذَکَرَہُ ابْنُ الْیَمَنِ عَنْ مَعْمَرٍ عَنِ الزُّھْرِیِّ۔ (مدارج، جلد اول، صفحہ: 308)

2- ایک پرانے پتھر پر یہ لکھا ہوا دیکھا گیا: مُحَمَّدٌ تَقِیٌّ مُّصْلِحٌ وَّسَیِّدٌ اَمِیْنٌ۔

(شفا، جلد اول، صفحہ: 105؛ مدارج، جلد اول، صفحہ: 308)

3- بعض نے بلاد ہند میں ایک درخت پر ایک سرخ رنگ کا پھول کھلا ہوا دیکھا جس پر سفید خط سے لکھا ہوا تھا: لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔

(شفا، جلد اول، صفحہ: 105؛ مدارج النبوۃ، جلد اول، صفحہ: 308)

4- عبداللہ بن مرزوق عبداللہ ابن صبوحان سے نقل کرتے ہیں کہ وہ بحر ہند میں کشتی پر سوار تھے کہ تیز ہوا چلی، تو انھوں نے ایک جزیرے پر کشتی لنگر انداز کیا اور وہاں ایک پھول سرخ رنگ تیز خوشبو والا دیکھا، جس پر بخط سفید لکھا ہوا تھا: لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔

(مدارج النبوۃ، جلد اول، صفحہ: 308)

5- تاریخ ابن عزیم میں علی بن عبداللہ ہاشمی شرقی سے منقول ہے کہ ولایت ہند میں سیاہ پھول تیز خوشبو والا پایا گیا جس پر سفید خط سے لکھا ہوا تھا: لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ اَبُوْبَکْرِ الصِّدِّیْقُ وَعُمَرُ الْفَارُوْقُ۔ مجھے یہ دیکھ کر شک پیدا ہوا کہ شاید کسی نے یہ خود بنایا ہے، تو اس شک کو رفع کرنے کے لیے میں نے ایک دوسرے پھول کا قصد کیا جو ابھی کھلا نہیں تھا، اس کو کھول کر دیکھا تو اُس میں بھی یہی لکھا ہوا نظر آیا۔ (مدارج، جلد اول، صفحہ: 308)

6- عبداللہ بن مالک سے منقول ہے کہ بلاد ہند کی جب سیر کی تو ایک شہر میں جس کا نام نمیلہ یا تمیلہ تھا گزرا۔ وہاں ایک درخت عظیم دیکھا جس پر سرخی سے لکھا ہوا تھا: لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔ اہل ہند اُس کو متبرک سمجھتے تھے اور قحط سالی میں اس سے طلب بارش کرتے تھے۔ اس واقعے کو ابوالبقا ابن صافی نے 'مستدرک' میں نقل کیا ہے۔ نیز روضۃ الریاحین میں امام یافعی نے بعض علما سے اس کے مثل نقل کیا ہے اور لکھا ہے کہ میں نے اس واقعے کو یعقوب صیاد کے روبرو بیان کیا، تو انھوں نے فرمایا کہ میں نے نہرِ اُبلہ میں ایک مچھلی ایسی شکار کی جس کے ایک پہلو پر لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اور دوسرے پہلو پر مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ منقوش تھا۔ میں نے یہ دیکھ کر بوجہ تعظیم واحترام اس کو پانی میں دفن کردیا۔ (مدارج، جلد اول، صفحہ:308)

7- بعض شراح قصیدہ بردہ نے ابن مرزوق سے نقل کیا ہے کہ ایک مچھلی لائی گئی جس کے ایک زم گوش پر لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اور دوسرے پر مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ لکھا تھا۔ (مدارج، ج:1، ص:308)

8- سمنطاری نے ذکر کیا ہے کہ اس نے بعض بلادِ خراسان میں ایک نوزائیدہ بچہ دیکھا جس کے ایک پہلو پر لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اور دوسرے پہلو پر مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ مکتوب ومنقوش تھا۔

(شفا، جلد اول، صفحہ:105)

ملک پاکستان میں 1964 میں ضلع منٹگمری میں ایک بکری نے بچہ جنا جس کے پہلو پر یا مُحَمَّدُ (صلی اللہ علیہ وسلم) لکھا ہوا تھا جس کی شہرت تمام پاکستان میں ہوئی۔ رسالوں، اخباروں میں اس خبر کو شائع کیا گیا۔ ہر ضلع سے مسلمان آئے اور دیکھا کہ یہ واقعہ بالکل صحیح ہے۔ چنانچہ جو لوگ یارسول اللہ کے منکر تھے انھوں نے بھی جاکر دیکھا کہ واقعی لکھا ہوا ہے۔ لیکن پھر بھی اپنی بدقسمتی سے یارسول اللہ کے جواز کے قائل نہ ہوئے۔

نکتہ: اشیائے علوی وسفلی پر ہمارے آقا کا نام مبارک منقوش ہونا اس امر کی دلیل ہے کہ یہ چیزیں اللہ کی مخلوق ہیں اور ہمارے آقا ومولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی مملوک ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو اُن سب کا مالک ومختار بنایا ہے، جسے جو چاہیں، دیں یا نہ دیں۔ یہ سچ ہے کہ اَللّٰہُ الْمُعْطِیْ وَاَنَا الْقَاسِمُ یعنی اللہ عطا کرنے والا ہے اور میں تقسیم کرنے والا ہوں۔

☆☆☆

بائیسواں وعظ

حضور اقدس کے اسمائے مبارکہ کی تفصیل

اسمائے گرامی

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اسمائے مبارکہ تو بے شمار ہیں جن کی تعداد علمائے کرام نے ایک ہزار کے قریب بتلائی ہے، جیسا کہ پچھلے وعظ میں لکھا گیا ہے۔ مگر میں صرف ان اسمائے مبارکہ کو ذکر کرتا ہوں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے اسمائے حسنیٰ کے ساتھ مشرف فرمایا ہے۔

محمد واحمد

اللہ رب العزت کے اسمائے حسنیٰ سے ایک نام حمید ہے۔ حمید یا تو فاعل کے معنی میں ہیں، یعنی حامد۔ کیوں کہ وہ ذات اپنی حمد بھی کرتی ہے اور ہمارے رسول پاک کی بھی اور اہل طاعت کی بھی، یا حمید بمعنی مفعول یعنی محمود ہے، کیوں کہ وہ اپنی حمد کرتا ہے تو اُس کی ذات محمود ہوئی۔ نیز اس کے خاص بندے خصوصاً حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی اُمت اور دیگر انبیائے کرام اور اُن کے ماننے والوں نے اللہ تعالیٰ کی حمد کی ہے اور کرتے ہیں، یعنی ذات الٰہی محمود ہوئی، تو اللہ تعالیٰ نے اپنے اس نامِ مبارک کے ساتھ اپنے محبوب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو مشرف فرماکر محمد اور احمد نام رکھا۔

اسی واسطے حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

وَشَقَّ لَہٗ مِنْ اِسْمِہٖ لِیُجِلَّہٗ　　فَذُوْالْعَرْشِ مَحْمُوْدٌ وَھٰذَا مُحَمَّدٌ

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے آپ کی عزت وتکریم کے لیے آپ کا نام اپنے نام سے نکالا۔ صاحب عرش وکرسی محمود ہے تو آپ محمد ہیں۔

وجہ تسمیہ

لفظ محمد (ﷺ) مبالغہ کا صیغہ ہے اور حمد سے مشتق ہے تو معنی یہ ہوگا کہ بہت حمد کیا ہوا، یعنی مخلوق میں آپ کی سب سے زیادہ حمد کی گئی ہے کہ اتنی کسی کی حمد نہیں کی گئی اور قیامت میں بھی آپ کی بہت حمد کی جائے گی، اسی لیے آپ نے فرمایا: لِوَاءُ الْحَمْدِ یَوْمَئِذٍ بِیَدِیْ۔ تاکہ آپ کے لیے کمال حمد تمام ہو، نیز اللہ تعالیٰ آپ کو مقام محمود میں کھڑا کرے گا، جیسا کہ وعدہ فرمایا:

عَسٰٓی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا۔ اس وقت اولین وآخرین آپ کی حمد کریں گے۔ یہاں تک کہ اس زمانے کے منکرین کی زبان سے بھی آپ کی حمد نکلے گی۔

(مدارج، جلد اول، صفحہ:306، شفا، صفحہ:144)

شیخ عبد الحق محدث دہلوی فرماتے ہیں: درآں روز ظاہر گردد کہ روز روز اوست وہیچ کس از وے بحضرت الٰہیہ قریب تر و بزرگ تر نیست۔ (اشعۃ اللمعات، جلد رابع، صفحہ:466)

یعنی قیامت میں ظاہر ہوگا کہ وہ دن بھی آپ ہی کا ہے اور بارگاہ الٰہی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ قریب اور بزرگ کوئی نہیں۔

منقول ہے کہ لوگوں نے حضرت عبد المطلب سے پوچھا کہ آپ نے اپنے لڑکے کا نام محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کیوں رکھا، حالاں کہ آپ کے خاندان اور قوم میں کسی کا نام یہ نہ تھا، تو آپ نے جواب دیا کہ میں نے اس لیے ان کا نام محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) رکھا ہے کہ مجھے امید ہے کہ سارا عالم ان کی حمد کرے گا اور آپ محمود ہوں گے۔ (مدارج، جلد اول، صفحہ:303)

نیز حضرت عبد المطلب نے خواب میں دیکھا تھا کہ ان کی پشت سے سونے کی ایک زنجیر نکلی ہے، جس کا ایک سرا آسمان میں ہے ایک مشرق میں اور ایک مغرب میں۔ اس کے بعد زنجیر نے درخت کی صورت اختیار کرلی اور اُس کے ہر پتے پر ایک نور تھا۔ اہل مشرق اور مغرب اس کے ساتھ لٹک گئے۔ معبروں نے یہ تعبیر بتائی کہ تمہاری پشت سے ایک لڑکا پیدا ہوگا، اہل مشرق و مغرب اس کی اطاعت کریں گے اور آسمان وزمین والے اس کی حمد کریں گے، اسی لیے حضرت عبد المطلب نے آپ کا نام محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) رکھا۔ (مدارج النبوۃ، جلد اول، صفحہ:303)

اللہ نے آپ کا نام محمد رکھا

سبحان اللہ! کسی کا نام ماں، نانی یا خالہ رکھتی ہے اور کسی کا نام باپ دادا وغیرہ رکھتے ہیں، مگر رسول اللہ کا نام مبارک خود اللہ تعالیٰ نے رکھا، پھر اس وقت نام رکھا جب کہ ابھی مخلوق بھی وجود میں نہیں آئی تھی۔ روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کا یہ نام خلق کی پیدائش سے ایک ہزار برس پہلے رکھا۔ (مدارج، جلد اول، صفحہ:307)

نیز آمنہ خاتون رضی اللہ عنہا کو خواب میں بشارت ہوئی کہ تو اُس اُمت کے سردار سے حاملہ ہے، جب وہ پیدا ہوں تو اُن کا نام محمد (ﷺ) رکھنا۔ (مدارج، جلد اول، صفحہ:303)

اس سے ثابت ہوا کہ خود خالق نے اپنے حبیب کا نام محمد (ﷺ) رکھا۔ احمد نام مبارک اَفْعَلُ کے وزن پر اسم تفضیل ہے، یہ بھی حمد سے اور اُس کے اسم مبارک سے مشتق ہے۔ جس کا معنی یہ ہوگا کہ بہت حمد بیان کرنے والا۔ چوں کہ آپ نے بھی اللہ تعالیٰ کی اتنی کثیر حمد بیان کی ہے جتنی کہ کسی دوسری مخلوق نے نہیں کی اور قیامت کے روز بھی آپ اللہ کی ایسی حمد کریں گے جو کوئی بھی نہ کر سکے گا۔ آپ نے فرمایا کہ جب لوگ قیامت کے روز سفارش کے لیے میرے پاس آئیں گے، تو میں کہوں گا: اَنَا لَهَا فَاَسْتَاْذِنُ عَلٰی رَبِّیْ فَیَاْذَنُ لِیْ وَیُلْهِمُنِیْ مَحَامِدَ اَحْمَدُهٗ بِهَا لَا تَحْضُرُنِی الْاٰنَ فَاَحْمَدُهٗ بِتِلْكَ الْمَحَامِدِ۔ (مشکوۃ، صفحہ:488)

ترجمہ: اپنے رب سے اجازت حاصل کروں گا تو مجھے اجازت مل جائے گی اور مجھے بہت سے محامد اللہ تعالیٰ الہام فرمائے گا، میں اُن محامد کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی تعریف کروں گا جو اَب تک میرے نزدیک حاضر نہیں ہوئے ہوں گے، تو اُن محامد کے ساتھ حمد کروں گا۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ نے حدیث شفاعت بیان فرماتے ہوئے فرمایا:

فَاَقَعُ سَاجِدًا لِرَبِّیْ ثُمَّ یَفْتَحُ اللّٰهُ عَلَیَّ مِنْ مَحَامِدِهٖ وَحُسْنِ الثَّنَاءِ عَلَیْهِ شَیْئًا لَمْ یَفْتَحْهُ عَلٰی اَحَدٍ قَبْلِیْ۔ (مشکوۃ، صفحہ:489)

ترجمہ: میں اپنے رب کے لیے سجدہ میں گر جاؤں گا، پھر اللہ تعالیٰ مجھ پر اپنے محامد اور حسن ثنا واضح کرے گا جو کسی پر مجھ سے پہلے واضح نہیں کیا ہوگا۔

چنانچہ ثابت ہوا کہ جو تعریف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کریں گے وہ کسی نے نہیں کیا ہے۔

رؤف رحیم

اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک ایک نام رؤف رحیم بھی ہے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا نام بھی رؤف رحیم رکھا، جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد فرمایا: بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ۔

حق مبین

اللہ تعالیٰ کے مبارک ناموں میں سے ایک مبارک نام حَقٌّ مُّبِیْنٌ ہے اور ہمارے آقا ومولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام بھی حَقٌّ مُّبِیْنٌ ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قَدْ جَآءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ۔ نیز فرمایا: فَقَدْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ۔

اور دوسرے مقام پر فرمایا: حَتّٰی جَآءَكُمُ الْحَقُّ وَرَسُوْلٌ مُّبِیْنٌ نیز فرمایا: اَنَا النَّذِیْرُ الْمُبِیْنُ۔ ان مقاموں میں حق سے مراد ہمارے رسول پاک (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں۔

اہل اشارات نے فرمایا ہے کہ اللہ کے اس قول میں وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَاۤ اِلَّا بِالْحَقِّ۔ حق سے مراد محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ (مدارج، ج:1، ص:309)

نور

اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ سے ایک نام نور ہے اور ہمارے رسول پاک کا نام بھی اللہ تعالیٰ نے نور رکھا ہے، جیسا کہ اللہ خود فرماتا ہے: لَقَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِیْنٌ۔

اس میں نور سے مراد محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

شہید

اللہ رب العزت کے مبارک ناموں سے ایک نام شہید ہے اور شہنشاہ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک بھی شہید ہے، قرآن فرماتا ہے: اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا۔ نیز فرمایا: وَیَكُوْنَ

الرَّسُوْلُ عَلَیْكُمْ شَهِیْدًا۔ اور فرمایا: وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا شَاهِدًا۔ یعنی آپ کو عالم وحاضر اپنی امت کے حال کے ساتھ بھیجا۔ (مدارج، جلد اول، صفحہ:310، شفا، جلد اول، صفحہ:151)

کریم

اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ سے ایک نام کریم ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کا نام بھی کریم رکھا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِیْمٍ۔
اس میں رسول کریم سے مراد اللہ کے پیارے حبیب ہیں، اگرچہ بعض کے نزدیک حضرت جبرئیل مراد ہیں۔ (شفا، جلد اول، صفحہ:151، مدارج النبوۃ، جلد اول، صفحہ:310)

عظیم

رب العالمین کے مبارک ناموں میں عظیم نام بھی ہے اور محبوب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا نام بھی عظیم رکھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی شان میں فرمایا: وَاِنَّكَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ۔ جب آپ کی صفت عظیم ہے، تو ضروری ہوا کہ آپ کی ذات بھی عظیم ہے۔ نیز تورات کے پہلے دفتر میں ہے: وَسَیَلِدُ عَظِیْمًا لِاُمَّةٍ عَظِیْمَةٍ فَهُوَ عَظِیْمٌ وَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ۔ (مدارج، ج:1، ص:310)

خبیر

اللہ رب العزت کے مبارک اسما میں ایک نام خبیر ہے اور ہمارے آقائے رحمت کا نام بھی خبیر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَاسْئَلْ بِهٖ خَبِیْرًا۔ قاضی بکر بن علا سائل غیر نبی ہے اور مسئول ہمارے آقائے رحمت ہیں۔ (شفا، جلد اول، صفحہ:152)

فاتح

اللہ رب العالمین کے اسمائے مبارکہ سے ایک نام فتاح ہے اور اپنے رسول پاک کا نام بھی فاتح رکھا۔ حدیث اسرا جو طویل ہے، جس کے راوی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں، اس

میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَجَعَلْتُكَ فَاتِحًا وَّخَاتِمًا۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی نعمت کا شکریہ ادا کرتے ہوئے فرمایا: رَفَعَ لِي ذِكْرِي وَجَعَلَنِي فَاتِحًا وَّخَاتِمًا۔

ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے بھی اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا نام فاتح رکھا اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنا نام فاتح بتایا ہے۔

وجہ تسمیہ

آپ کا نام فاتح کیوں رکھا گیا؟ اس کا جواب محدثین نے یہ دیا ہے کہ فاتح، حاکم کے معنی میں ہیں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے حاکم ہیں، تمام مخلوق خدا پر آپ کی حکومت ہے اور سب آپ کے محکوم ہیں۔ یا فاتح کا معنی کھولنے والا ہے کہ رسول اللہ بھی اپنی امت پر رحمت الٰہیہ کے دروازے کھولنے والے ہیں اور اپنی امت کے قلوب وبصائر کو معرفت حق اور ایمان کے لیے کھولنے والے ہیں۔ (مدارج، صفحہ:311، شفا، جلد اول، صفحہ:152)

علیم

اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ سے ایک نام علیم، علام، عالم الغیب والشہادہ ہے اور اللہ نے اپنے حبیب پاک کو بھی علم کے وصف سے موصوف فرمایا ہے اور اُس کی فضیلت سے مخصوص فرما کر ارشاد فرمایا: وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا۔

یعنی اللہ آپ کو وہ علم دیا جس کا علم آپ کو نہیں تھا اور یہ آپ پر اللہ کا عظیم فضل ہے۔

ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

يُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ۔

یعنی اللہ نے آپ کو کتاب وحکمت کا علم عطا کیا اور اس چیز کا علم عطا کیا جو آپ نہیں جانتے تھے۔ ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی عطا سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب چیزوں کے عالم ہیں۔

(شفا، جلد اول، صفحہ:153؛ مدارج، جلد اول، صفحہ:311)

اول وآخر

اللہ تبارک وتعالیٰ کے پاک اسما میں ایک نام اول وآخر ہے۔ کیوں کہ اللہ اول ہے جس سے پہلے کوئی نہیں اور آخر وباقی ہے جس کو فنا نہیں اور سرکار مدینہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اسم گرامی بھی اول و آخر ہے، جیسا کہ سرکار نے خود فرمایا: كُنْتُ اَوَّلَ الْاَنْبِيَاءِ فِي الْخَلْقِ وَاٰخِرَهُمْ فِي الْبَعْثِ۔ میں پیدائش میں سب انبیا سے اول ہوا، اور بعثت میں سب سے آخر ہوں۔

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ۔ یعنی ہم نے نبیوں سے، آپ سے اور نوح سے وعدہ لیا۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو نوح علیہ السلام اور دیگر انبیا سے مقدم فرما کر بتادیا کہ رسول اللہ سب انبیا سے اول ہیں۔ نیز آپ نے فرمایا: اَنَا اَوَّلُ مَنْ تَنْشَقُّ الْاَرْضُ عَنْهُ۔ یعنی سب سے پہلے میں قبر انور سے نکلوں گا۔ وَاَوَّلُ مَنْ يَّدْخُلُ الْجَنَّةَ وَاَوَّلُ شَافِعٍ وَّاَوَّلُ مُشَفَّعٍ۔ میں سب سے اول جنت میں داخل ہوں گا اور سب سے پہلے شفاعت کروں گا، سب سے پہلے میری ہی شفاعت قبول ہوگی اور آپ ہی سب رسولوں سے آخر میں ہیں۔

(شفا، جلد اول، صفحہ:153، مدارج، جلد اول، صفحہ:211)

قوی

رب کریم کے پاک ناموں سے قوی اور ذوالقوۃ المتین بمعنی قادر بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک کی بھی اس کے ساتھ وصف فرمائی ہے۔ اللہ فرماتا ہے: ذِيْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِيْنٍ۔ (شفا، جلد اول، صفحہ:153، مدارج، جلد اول، صفحہ:311)

ولی اور مولیٰ

اللہ جل مجدہ کے مبارک ناموں میں ولی اور مولیٰ بھی نام ہے۔ ولی مولیٰ کا معنی ناصر ومددگار ہے اور سردار دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک اسم ولی اور مولیٰ بمعنی مددگار ہے۔ اللہ تعالیٰ خود

فرماتا ہے: إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُولُهٗ۔ بے شک تمہارے مددگار اللہ اور اس کے رسول ہیں۔ سردار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: اَنَا وَلِیُّ کُلِّ مُؤْمِنٍ۔ میں ہر مومن کا مددگار ہوں۔ نیز خود فرمایا: مَنْ کُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِیٌّ مَوْلَاهُ۔ جس کا میں مددگار ہوں، تو حضرت علی بھی اس کے مددگار ہیں۔ (شفا، جلد اول، صفحہ: 151، مدارج، جلد اول، صفحہ: 312)

فائدہ: زمانہ حال کے بعض ناعاقبت اندیش بڑے زور شور سے یہ کہہ کر لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی مددگار نہیں، مگر اللہ تعالیٰ بڑے زور شور سے کلمہ اِنَّمَا جو حصر کے لیے آتا ہے لا کر ان کا رد فرمایا کہ اللہ اور اس کا رسول تمہارا مددگار ہے اور سردار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی خود اعلان فرمایا کہ میں تمہارا مددگار ہوں اور ان لوگوں کا رد فرمایا ہے۔

اس قسم کے نام جو اللہ تعالیٰ کے بھی ہوں اور ہمارے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی ہوں اور بھی ہیں۔ (شفا قاضی عیاض اور مدارج و دیگر کتب میں مذکور و مسطور ہیں، جس کا جی چاہے وہاں دیکھ لے۔)

☆☆☆

تیئیسواں وعظ

اسم مبارک کا بیان

اسم پاک کی برکات

یوں تو نام مبارک کی بے شمار برکتیں ہیں، مگر یہاں چند برکات ذکر کی جاتی ہیں:

1- جس کا نام محمد ہوگا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام مبارک کی برکت سے جنت میں داخل ہوگا۔ حدیث پاک میں ہے: اِذَا کَانَ یَوْمُ الْقِیٰمَةِ نَادٰی مُنَادٍ اَلَا لِیَقُمْ مَنِ اسْمُهٗ مُحَمَّدٌ فَلْیَدْخُلِ الْجَنَّةَ لِکَرَامَةِ اسْمِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (شفا، جلد اول، صفحہ: 105)

ترجمہ: جب قیامت ہوگا تو ندا کرنے والا یہ ندا کرے گا کہ سنو! وہ شخص کھڑا ہو جائے جس کا نام محمد ہے اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کی برکت سے جنت میں داخل ہو جائے۔

حضرت عُبیط بن شریط رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: وَعِزَّتِیْ وَجَلَالِیْ لَاۤ اُعَذِّبُ اَحَدًا یُسَمّٰی بِاسْمِكَ فِی النَّارِ۔

(مدارج، جلد اول، صفحہ: 162، انوار محمدیہ، صفحہ: 316)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مجھے اپنی عزت و جلال کی قسم! میں اس کو دوزخ کا عذاب نہ دوں گا جس کا نام محمد ہوگا۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

یُوْقَفُ عَبْدَانِ بَیْنَ یَدَیِ اللّٰهِ تَعَالٰی فَیُؤْمَرُ بِهِمَا اِلَی الْجَنَّةِ فَیَقُوْلَانِ رَبَّنَا بِمَ اسْتَاْهَلْنَا الْجَنَّةَ وَلَمْ نَعْمَلْ عَمَلًا تُجَازِیْنَا بِهِ الْجَنَّةَ فَیَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰی اُدْخُلَا الْجَنَّةَ فَاِنِّیْ اٰلَیْتُ عَلٰی نَفْسِیْ اَنْ لَّا یَدْخُلَ النَّارَ مَنِ اسْمُهٗ اَحْمَدُ وَلَا مُحَمَّدٌ۔

(انوار محمدیہ، صفحہ: 316، مدارج، جلد اول، صفحہ: 162)

ترجمہ: دو آدمیوں کو بارگاہ الٰہی میں کھڑا کیا جائے گا، پھر ان کو جنت میں داخل ہونے کا حکم دیا جائے گا، تو وہ عرض کریں گے کہ اے ہمارے رب! کس وجہ سے ہم بہشت کے مستحق ہو گئے؟ حالاں کہ ہم نے ایسا کوئی عمل نہیں کیا ہے کہ تو اس کے بدلے جنت دے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا کہ تم دونوں جنت میں داخل ہو، کیوں کہ میں نے اپنی ذات پر قسم اٹھائی ہے کہ دوزخ میں اس کو داخل نہ کروں گا جس کا نام احمد اور محمد ہوگا۔

مدارج میں ہے: ہر کہ را نام محمد بود آنحضرت او را شفاعت کند و در بہشت در آرد۔

یعنی جس کا نام محمد ہوگا حضور اس کی شفاعت کر کے بہشت میں داخل کریں گے۔

2- جس گھر میں محمد نام والا ہوگا اُس گھر میں کبھی فاقہ نہیں آئے گا۔ اہل مکہ فرماتے ہیں:

مَامِنْ بَيْتٍ فِيْهِ اسْمُ مُحَمَّدٍ اِلَّا نَمِيَ وَرُزِقَ وَرُزِقَ جِيْرَانُهُمْ ۔ (شفا، جلد: ا، صفحہ: 105)

ترجمہ: جس میں محمد نام والا ہوگا اس گھر میں یقیناً ترقی ہوگی، گھر والے بھی رزق پائیں گے اور اس کے پڑوسی بھی۔

حضور والا شان کے نام میں کتنی برکت ہے کہ اس نام کی برکت سے گھر والوں اور اس کے ہمسایوں کو بھی رزق ملتا ہے، لہٰذا ہم کو چاہیے کہ اپنی اولاد کے نام اپنے آقا کے نام پر رکھا کریں۔ خود سرکار فرماتے ہیں: مَاضَرَّ اَحَدَكُمْ اَنْ يَّكُوْنَ فِيْ بَيْتِهٖ مُحَمَّدٌ وَمُحَمَّدَانِ وَثَلَاثَةٌ۔ (شفا، جلد اول، صفحہ: 105)

ترجمہ: جس گھر میں محمد نام والے ایک، دو، یا تین ہوں تو تم میں کوئی کسی کو تکلیف نہیں دیتا۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ہیچ خانہ نبود کہ در وے نام محمد بود مگر آنکہ برکت دہد حق تعالیٰ در آں۔ (مدارج، جلد اول، صفحہ: 162)

ترجمہ: کوئی گھر ایسا نہیں کہ اس میں محمد نام والا ہو اور اللہ تعالیٰ اس گھر میں برکت نہ عطا فرمائے، یعنی ایسے گھر میں اللہ ضرور برکت عطا فرماتا ہے۔

3- جس گھر میں محمد نام والا ہو تو اللہ تعالیٰ اس گھر کو ضرور پاک کرتا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: مَامِنْ مَائِدَةٍ وُضِعَتْ فَحَضَرَ عَلَيْهَا مَنِ اسْمُهٗ اَحْمَدُ اَوْ مُحَمَّدٌ اِلَّا قَدَّسَ اللّٰهُ ذٰلِكَ الْمَنْزِلَ كُلَّ يَوْمٍ مَرَّتَيْنِ۔ (ابو منصور دیلمی، مدارج، جلد اول، صفحہ: 162)

ترجمہ: جس بچھائے گئے دسترخوان پر احمد نام والا شخص موجود ہو تو اللہ تعالیٰ اس گھر کو ہر دن

دو مرتبہ پاک کرتا ہے۔

4- جس میٹنگ اور مشورے میں محمد نام والا شخص ہو اُس مشورے میں برکت ہوگی۔

مدارج میں ہے: مجتمع شوند قومی برائے مشورت و در ایشاں کسے بود کہ نام وے محمد است البتہ برکت کردہ شود در آں مشورت۔ (مدارج، جلد اول، صفحہ: 162)

ترجمہ: جو قوم کسی مشورے کے لیے اکٹھی ہو اور اُن میں کوئی ایسا شخص ہو جس کا نام محمد ہو تو اس مشورے میں ضرور برکت ہوگی۔

5- جس گھر میں محمد یا احمد نام والا ہو سیاح فرشتے اس گھر میں عبادت کرتے ہیں۔ حضرت سریج بن یونس فرماتے ہیں: اِنَّ لِلّٰهِ مَلَائِكَةً سَيَّاحِيْنَ عِبَادَتُهَا عَلٰى كُلِّ دَارٍ فِيْهَا اَحْمَدُ اَوْ مُحَمَّدٌ اِكْرَامًا مِنْهُمْ لِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (شفا، جلد اول، صفحہ: 104)

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ کے لیے سیر کرنے والے فرشتے ہیں ہر اُس گھر میں عبادت کرتے ہیں جس میں احمد یا محمد نام والا شخص ہو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تکریم و تعظیم کے لیے۔

6- جس کے بچے ہو کر مر جاتے ہوں، اگر وہ یہ عزم کر لے کہ اب کی دفعہ میں اپنے بچے کا نام محمد رکھوں گا تو ان شاء اللہ العزیز اس نام کی برکت سے وہ بچہ زندہ رہے گا اور اس کی عمر دراز ہوگی۔ حضرت جلیلہ بنت عبدالجلیل فرماتی ہیں: روزے با مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم گفتم یا رسول اللہ مرا فرزند میشود ولیکن در طفولیت میرد مرا بچہ امری فرمائی؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمود کہ ایں نوبت کہ ترا حمل آید برخود التزام نمائی کہ آں فرزند را محمد نام کنی، امید کنم کہ آں فرزند عمر دراز یابد و در نسل او برکت بود۔ چناں کردم و آں فرزند من زیست و در بحرین کہ موضع است اکنوں ہیچ قبیلہ از فرزندان او بیشتر نیست۔ (معارج النبوۃ، رکن دوم، صفحہ: 42)

ترجمہ: ایک دن میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا: یا رسول اللہ! میرا بچہ پیدا ہوتا ہے لیکن بچپن میں ہی مر جاتا ہے۔ مجھے آپ کیا حکم دیتے ہیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس دفعہ جب تو حاملہ ہو جائے تو اپنے اوپر لازم کر لے کہ اس بچے کا نام محمد رکھوں گی۔ مجھے امید ہے کہ اس بچے کی عمر لمبی ہوگی اور اس کی نسل میں برکت ہوگی۔ چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا تو میرا بچہ زندہ رہا اور بحرین میں جو موضع ہے، وہاں کوئی قبیلہ اس کی اولاد سے زیادہ نہیں۔

اسم پاک کا ادب واحترام

امت پر واجب ہے کہ اپنے پیارے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کی عزت وادب واحترام کریں۔ کیوں کہ خود رب کریم ہم کو ان کے نام کے ادب واحترام کا حکم دیتا ہے۔ لَا تَجْعَلُوْا دُعَاءَ الرَّسُوْلِ بَیْنَکُمْ کَدُعَاءِ بَعْضِکُمْ بَعْضًا۔ رسول پاک کو ایسا نہ پکارو جیسا کہ تم ایک دوسرے کو پکارتے ہو، یعنی میرے رسول محترم کو یا محمد یا احمد مت کہو، بلکہ یا رسول اللہ، یا نبی اللہ، یا حبیب اللہ جیسے اوصاف جمیلہ اور عمدہ القاب سے یاد کرو۔ خود اللہ رب العزت نے اپنے حبیب پاک کو اچھے القاب سے یاد کیا ہے، مثلاً کہیں فرمایا: یٰاَیُّھَا الرَّسُوْلُ۔ کہیں فرمایا: یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ۔ کبھی فرمایا: یٰاَیُّھَا الْمُزَّمِّلُ۔ یٰاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ۔ قرآن پاک میں صرف چار مقاموں پر آپ کا نام ذکر فرمایا، مگر ساتھ ہی اوصاف بھی ذکر فرمائے۔

پہلا مقام: مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ۔
یہاں پر اللہ تعالیٰ نے آپ کے نام کے ساتھ دو صفتیں ذکر فرمائیں: ایک رسالت کی اور دوسری ختم نبوت کی۔

دوسرا مقام: فرمایا: مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔ اس جگہ آپ کے نام کے ساتھ رسالت کا وصف بیان ہوا ہے۔

تیسرا مقام: فرمایا: وَاٰمِنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّھُوَ الْحَقُّ۔ اس مقام پر آپ کے نام کے ساتھ حق کی صفت ذکر کی۔

چوتھا مقام: فرمایا: وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ۔ اس میں بھی صفت کے ساتھ ذکر کی ہے۔
ہمیں بھی چاہیے کہ جب آپ کا نام مبارک ذکر کریں تو پاک وصاف ہو کر ذکر کریں اور کسی اچھے وصف کے ساتھ ذکر کریں، پھر خود نام مبارک لیں یا سنیں تو آپ پر درود پاک بھیجیں۔ یہی ادب کا تقاضا ہے۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: رَغِمَ اَنْفُ رَجُلٍ ذُکِرْتُ عِنْدَہٗ فَلَمْ یُصَلِّ عَلَیَّ۔ (شفا، جلد اول، صفحہ: 62)
اس شخص کی ناک غبار آلود ہو جس کے پاس میرا نام ذکر کیا گیا اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے۔
حضرت جعفر بن محمد اپنے والد سے راوی ہیں کہ سرکار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ ذُکِرْتُ عِنْدَہٗ فَلَمْ یُصَلِّ عَلَیَّ اَخْطَاَ بِہٖ طَرِیْقَ الْجَنَّۃِ۔ (شفا، جلد اول، صفحہ: 62)
یعنی جس کے روبرو میرا نام ذکر ہو، اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے تو اُسے جنت کا راستہ نہ ملے گا۔
حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کا بیان ہے کہ سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
اِنَّ الْبَخِیْلَ کُلَّ الْبَخِیْلِ مَنْ ذُکِرْتُ عِنْدَہٗ فَلَمْ یُصَلِّ عَلَیَّ۔ (شفا، جلد اول، صفحہ: 62)
یعنی وہ پورا بخیل ہے جس نے میرا نام سن کر مجھ پر درود نہ پڑھا۔
شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:
وشک نیست کہ احترام تعظیم وتوقیر آنحضرت بعد از وفات نزد ذکر وے وسماع حدیث شریف وی وسماع اسم مبارکہ، وسیرت وے لازم است۔ (مدارج، جلد اول، صفحہ: 163)
یعنی اس میں کوئی شک نہیں کہ وفات کے بعد بھی رسول اللہ کے ذکر کے وقت اور حدیث نبوی، اسم مبارک اور سیرت نبوی سنتے وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا احترام واکرام لازم ہے۔
خوش قسمت اور سعید ہیں وہ لوگ جنھوں نے نام مقدس کی تعظیم کر کے درجات علیا حاصل کیے اور آج بھی کر رہے ہیں۔

حکایت: بنی اسرائیل میں ایک شخص فاجر وفاسق تھا جس نے سو سال گناہ ومعصیت میں گزارا تھا اور اس نے ہر قسم کا فسق وفجور اور ظلم وفساد کیا تھا۔ اسی عصیان کی حالت میں ملک الموت نے اس کی روح کو قبض کر لیا۔ لوگوں نے اس کی موت کی خبر سن کر اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کیا اور بہت خوش ہوئے۔ لوگ اس سے سخت نالاں تھے، اس لیے اس کو غسل دیا نہ کفن پہنایا اور نہ ہی اس کی نماز جنازہ پڑھی، جبرئیل بلکہ اس کی نعش کو بھی ایک گندے ڈھیر پر ڈال دیا۔ موسیٰ علیہ السلام کے پاس حضرت جبرئیل حاضر ہوئے اور کہا: اے موسیٰ! اللہ تعالیٰ سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے کہ میرا ایک دوست انتقال کر گیا ہے، لوگوں نے اس کو گندے ڈھیر پر ڈال دیا، جاؤ اور اُس کو وہاں سے اٹھالاؤ اور اس کی تجہیز وتکفین کرو۔ نیز بنی اسرائیل سے کہو کہ اس کی نماز جنازہ پڑھیں تاکہ اس کی نماز کی برکت سے ان کے گناہ بخشے جائیں۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام بحکم الٰہی اس ڈھیر کے پاس تشریف لائے جہاں اس کو ڈالا گیا تھا۔ دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہ شخص وہی فاسق وفاجر ہے جس نے سو سال فسق وفجور میں گزارا تھا، آپ حیران ضرور ہوئے، مگر چوں کہ اللہ کا فرمان تھا اور

آپ اس پر مامور تھے، اس لیے اس کو غسل دلایا، کفن پہنایا اور نماز جنازہ پڑھ کر دفن کر دیا۔ پھر بارگاہ الٰہی میں اس شخص کے بارے میں استفسار کیا، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے موسیٰ! واقعی وہ شخص فاسق وفاجر اور ظالم وگنہگار تھا، مگر اس نے ایک روز تورات دیکھا، اس میں میرے حبیب کا نام محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) لکھا ہوا پایا۔ اس نے اس نام کو چوما اور اپنی آنکھوں پر لگایا اس کی یہ تعظیم اور ادب مجھے پسند آیا، میں نے اس کے سو سال کے گناہ بخش دیے اور اُسے اپنے مقربین کی فہرست میں داخل کیا۔ (مقدمہ معارج النبوۃ، صفحہ: 82-83، نزہۃ المجالس، جلد دوم، صفحہ: 75)

نکتہ: نماز میں احمد ومحمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل موجود ہے۔ قیام مثل الف کے ہے، رکوع مثل حا کے ہے اور سجدہ مثل میم کے اور قعود مثل دال کے ہے۔ (دقائق الاخبار، صفحہ: 3)

اسی طرح دنیا کا انسان جو اشرف المخلوقات ہے، اس کا ہر فرد بشر ہم شکل نام محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ سر اس کا مدور مثل میم کے ہے، اس کے ہاتھ بشکل حا ہیں، شکم مجوف مثل میم ثانی کے ہے اور پاؤں بصورت دال ہیں، اسی لیے ایک روایت میں وارد ہے کہ کوئی کافر بصورت انسان دوزخ میں داخل نہ کیا جائے گا بلکہ مسخ وتبدیل صورت انسانیہ بصورت شیطانیہ جہنم میں داخل ہوگا، کیونکہ وہ اسم مبارک کے ہمشکل ہے اور جو محبوب کے نام کے ہم شکل ہوگا اللہ تعالیٰ اسے عذاب نہ دے گا۔ (دقائق الاخبار، صفحہ: 3، معارج، رکن دوم، صفحہ: 41)

حکایت: حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک یہودی نے تورات کو دیکھا کہ اس میں چار مقامات پر جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نظر آیا، اس نے ان کو کھرچ دیا۔ جب دوسرے روز دیکھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی آٹھ جگہ لکھا تھا، پھر اُن کو کھرچ ڈالا۔ جب تیسرے روز دیکھا تو آپ کا نام بارہ جگہ پر لکھا ہوا پایا۔ (شرمندہ ہوا) اور فوراً شام سے مدینہ طیبہ کی طرف چل پڑا۔ جب مدینہ منورہ پہنچا تو معلوم ہوا کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے سفر فرما چکے ہیں۔ اس نے حضرت علی مشکل کشا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ مجھے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے دکھائیں۔ جب حضرت مشکل کشا نے کپڑے دکھائے تو اُس نے اس کو سونگھا اور قبر انور کے پاس کھڑے ہو کر کلمہ شہادت پڑھ کر مسلمان ہوگیا اور بارگاہ الٰہی میں دست بدعا ہوا کہ مولیٰ! اگر میرا

اسلام تیری بارگاہ میں مقبول ہے تو مجھے موت دے، اتنا کہنا تھا کہ وہ مرگیا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے غسل دلا کر جنت البقیع میں دفن فرمایا۔ (نزہۃ المجالس، جلد دوم، صفحہ: 75)

فائدہ: ہمارے زمانے میں بعض ناعاقبت اندیش بدعقیدہ خیال کے لوگ بھی ہیں، مسجدوں میں جہاں یارسول اللہ لکھا ہوتا ہے مٹانے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ قیامت تک اس مبارک نام کو نہ مٹا سکیں گے، خود مٹ جائیں گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے نام اقدس کو مٹانے والے یہودی خیال کے لوگ ہوتے ہیں، مگر اس یہودی کو تو اللہ تعالیٰ نے ہدایت عطا فرمادی۔ مگر بدعقیدہ اتنے گستاخ ہیں کہ اللہ اُن کو شاید ہی ہدایت دے گا۔

حکایت: نظام الملک کا ایک ملازم تھا جس کا نام محمد تھا، یہ باقی ملازموں سے زیادہ مقرب بارگاہ بادشاہ تھا۔ اس کی عادت تھی جب اس ملازم سے راضی رہتا تو اس کو نام سے بلاتا، اگر ناراض ہوتا تو نام سے نہ بلاتا، بلکہ کہتا: اے غلام! ایسا کر۔ اسی طرح کافی مدت گزر گئی۔ ایک روز بادشاہ نے محمد کو نام سے نہ بلایا، بلکہ غلام کہہ کر بلایا۔ محمد نامی غلام کو فکر وغم لاحق ہوا کہ آج مجھ سے کیا خطا سرزد ہوگئی ہے کہ بادشاہ ناراض ہے اور مجھے نام سے نہیں بلایا۔ وقت فرصت میں غلطی اور قصور پوچھا تو بادشاہ نے کہا: اے محمد! تو دل میں کوئی خیال نہ کر، تجھ سے کوئی قصور سرزد نہیں ہوا۔ حقیقت یہ ہے کہ مجھے غسل کی حاجت تھی، اس لیے مناسب نہیں جانا کہ حالت پلید میں محمد کا نام لوں، کیوں کہ یہی نام میرے رسول کا ہے، ایسی صورت میں یہ نام خلاف ادب ہے۔

(مقدمہ معارج النبوۃ، صفحہ: 90)

☆☆☆

چوبیسواں وعظ

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم وتوقیر

قَالَ اللّٰہُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی:

اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۔ لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ وَتُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ۔ (سورۂ فتح، آیت: 8-9)

ترجمہ: بے شک ہم نے تم کو حاضر وناظر اور خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا کہ اے لوگو! تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور رسول کی تعظیم وتوقیر کرو اور صبح وشام اللہ کی پاکی بیان کرو۔

حضرات! آیت مبارکہ کے ترجمے پر غور کرو تو معلوم ہوجائے گا کہ اس میں چار امور کا ذکر ہے۔ اول ہمارے رسول معظم کی تعریف جو شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۔ سے سمجھی جاتی ہے۔ دوسرا اللہ تعالیٰ اور اس کے پاک رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا۔ جس پر شَاهِدًا لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۔ دال ہے۔ تیسرا نبی معظم کی تعظیم وتوقیر کرنا، جیسا کہ فرمایا: تُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ ۔ چوتھا اللہ تعالیٰ کی پاکی اور عبادت کرنا جو تُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ۔ سے مفہوم اور معلوم ہورہی ہے۔ مگر اللہ رب العزت نے اپنی عبادت سے پہلے اپنے محبوب مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم وتوقیر کو مقدم فرمایا، جو اس بات کا یقینی اور بدیہی ثبوت ہے کہ کچھ لوگ اللہ تعالیٰ کی عبادت بہت ہی کرتے ہیں مگر بدقسمتی سے ان کے قلوب میں اور زبان میں تعظیم وادب محبوب معظم صلی اللہ علیہ وسلم نہیں ہے، ان کی عبادت رایگاں وضائع ہے اور محنت ومشقت کے سوا کوئی فائدہ اور نفع بخش نہیں ہے، اگرچہ وہ ایسی عبادت سیکڑوں برس ہی کیوں نہ کرتے رہیں، جیسا کہ زمانہ حال کے بدعقیدہ لوگ ہیں۔ اللہ قہار فرماتا ہے: وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا ۔ (سورۂ فرقان، آیت: 23)

ترجمہ: جو کچھ کام نیکی کے کیے تھے ہم نے قصد فرما کر انھیں اڑتا ہوا غبار اور ذرہ کردیا۔

پھر بے ادبوں وگستاخوں کے حق میں فرمایا: عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ ۔ تَصْلٰى نَارًا حَامِيَةً ۔ تُسْقٰى مِنْ عَيْنٍ اٰنِيَةٍ ۔ (سورۂ غاشیہ، آیت: 3 تا 5) یعنی کام کریں، مشقت جھیلیں، بھڑکتی آگ میں جائیں اور انھیں خوب جلتے چشمے کا پانی پلائے جائیں۔

ثابت ہوا کہ بے ادب وگستاخ کی عبادت ناکارہ اور بارگاہ الٰہی میں ناپسندیدہ ونامنظور ہے اور باادب کی عبادت، اگرچہ قلیل ہی سہی، وہ مقبول ہے۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب و احترام ہر امر میں مثلاً عبادت، گفتگو، کام، کاج، اٹھنے، بیٹھنے، چلنے، پھرنے نام لینے میں لازم ہے۔

حضور اقدس سے آگے بڑھنا حرام ہے

بارگاہ رسالت کے آداب سے ایک ادب یہ بھی ہے کہ آپ کے قول پر یا فعل پر تقدم نہ کیا جائے، یعنی ابھی آپ نے ایک امر کا حکم نہیں دیا کہ تم یہ کام کرو، یا ابھی زبان مصطفیٰ سے کچھ نکلا نہیں کہ تم بولنے لگ جاؤ، یا حضور جارہے ہیں اور تم آگے ہوجاؤ۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ چند لوگوں نے عید الاضحیٰ کے دن سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے قربانی کرلی، تو اُن کو حکم دیا گیا کہ وہ دوبارہ قربانی کریں اور اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ بنت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ کچھ لوگوں نے رمضان سے ایک روز پہلے ہی روزہ رکھنا شروع کردیتے تھے، تو ان کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۔ (سورۂ حجرات، آیت: 1)

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھو اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ بے شک اللہ سنتا جانتا ہے۔

حضور کا ادب عین نماز میں

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ادب کو دیکھو کہ ایک دفعہ آپ نماز پڑھا رہے تھے کہ درمیان میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے، تو صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ

عنہ پیچھے ہو گئے۔ حضرت سہل بن سعد ساعدی کا بیان ہے: أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَهَبَ إِلٰى بَنِيْ عَمْرِو ابْنِ عَوْفٍ لِيُصْلِحَ بَيْنَهُمْ فَحَانَتِ الصَّلٰوةُ فَجَاءَ الْمُؤَذِّنُ إِلٰى أَبِيْ بَكْرٍ فَقَالَ: أَتُصَلِّيْ لِلنَّاسِ فَأُقِيْمُ؟ قَالَ: نَعَمْ فَصَلّٰى أَبُوْبَكْرٍ فَجَاءَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالنَّاسُ فِي الصَّلٰوةِ فَتَخَلَّصَ حَتّٰى وَقَفَ فِي الصَّفِّ فَصَفَّقَ النَّاسُ وَكَانَ أَبُوْبَكْرٍ لَا يَلْتَفِتُ فِيْ صَلٰوتِهٖ فَلَمَّا أَكْثَرَ النَّاسُ التَّصْفِيْقَ الْتَفَتَ فَرَأٰى رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَشَارَ إِلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنِ امْكُثْ مَكَانَكَ فَرَفَعَ أَبُوْبَكْرٍ يَدَيْهِ فَحَمِدَ اللّٰهَ عَلٰى مَا أَمَرَهٗ بِهٖ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ ذٰلِكَ ثُمَّ اسْتَأْخَرَ أَبُوْبَكْرٍ حَتَّى اسْتَوٰى فِي الصَّفِّ وَتَقَدَّمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلّٰى فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ يَا أَبَابَكْرٍ مَا مَنَعَكَ أَنْ تَثْبُتَ إِذْ أَمَرْتُكَ. فَقَالَ أَبُوْبَكْرٍ مَا كَانَ لِابْنِ أَبِيْ قُحَافَةَ أَنْ يُّصَلِّيَ بَيْنَ يَدَيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا لِيْ رَأَيْتُكُمْ أَكْثَرْتُمُ التَّصْفِيْقَ مَنْ رَابَهٗ شَيْءٌ فِيْ صَلَاتِهٖ فَلْيُسَبِّحْ فَإِنَّهٗ إِذَا سَبَّحَ الْتُفِتَ إِلَيْهِ وَإِنَّمَا التَّصْفِيْقُ لِلنِّسَاءِ۔ (بخاری، جلد اول، صفحہ: 94)

ترجمہ: رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم بنی عمرو ابن عوف کی جانب تشریف لے گئے، تا کہ ان میں صلح کرائیں اور نماز کا وقت آ گیا تو موذن (حضرت بلال) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف آئے اور کہا کہ کیا آپ لوگوں کو نماز پڑھائیں گے، میں تکبیر کہوں؟ انھوں نے کہا کہ ہاں! اور حضرت ابوبکر نے نماز پڑھانی شروع کر دی، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے۔ سب لوگ نماز میں تھے، تو آپ نے صف میں جگہ بنائی اور کھڑے ہو گئے۔ یہ دیکھ کر لوگوں نے تالی بجائی جب کہ حضرت ابوبکر نماز میں محو تھے۔ جب لوگوں نے زور سے تالی بجائی تو حضرت ابوبکر متوجہ ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ سلم نے ابوبکر کو اشارہ کیا کہ اپنی جگہ پر کھڑے رہو، لیکن انھوں نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھا دیے اور اللہ کی حمد بیان کی اس چیز پر جس کا رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے امر کیا، پھر ابوبکر پیچھے ہٹے یہاں تک کہ صف میں برابر ہو گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آگے۔ جب نماز سے فارغ ہوئے، تو آپ نے فرمایا کہ ابوبکر! اپنی جگہ کھڑا رہنے سے تجھے کس چیز نے روکا تھا جب کہ میں نے تجھے اشارہ کیا

تھا؟ حضرت ابوبکر نے کہا کہ ابوقحافہ کے بیٹے کے لیے مناسب نہ تھا کہ رسول اللہ کے آگے کھڑے ہو کر نماز پڑھائے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا کہ کیا بات تھی کہ میں نے تم لوگوں کو زور سے تالی بجاتے دیکھا، سنو! نماز میں کوئی شے عارض ہو جائے تو وہ تسبیح پڑھے تا کہ اُس کی جانب التفات کی جائے گی تالی نہ بجائے، کیوں کہ تالی بجانا عورتوں کے لیے ہے۔

فائدہ: مسلمانو! بارگاہِ رسالت میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ادب واحترام دیکھو کہ سرکار کے اشارے کے باوجود بھی پیچھے ہٹ گئے۔ اسی ادب نے اُن کو اُس مقام تک پہنچایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نائب بنے اور مسلمانوں کے بالاجماع خلیفہ مقرر ہوئے اور اس مقام پر پہنچے جس پر کوئی صحابی نہ پہنچ سکا۔ اس حدیث پاک سے یہ مسئلہ بھی ثابت ہوا کہ عین نماز جو افضل عبادت ہے، اس میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم ضروری ہے اور نماز میں آپ کا تصور عظمت سے کرنا فعل صحابہ ہے تو بدعقیدوں کا یہ قول مردود ہے کہ نماز میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا تصور تعظیم سے ناجائز ہے۔ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ۔

حضور کی آواز پر آواز بلند کرنا بے ادبی

بارگاہِ رسالت کے آداب سے یہ بھی ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک آواز پر کوئی آواز بلند نہ کرے، بلکہ دھیان سے آپ کا کلام سنے، ورنہ اعمال ضائع ہو جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ۔

(سورۂ حجرات، آیت: 2)

ترجمہ: اے ایمان والو! اپنی آوازیں غیب بتانے والے! کی آواز سے اونچی نہ کرو اور اُن کے سامنے زور سے اپنی بات نہ کہو جیسے تم ایک دوسرے کے سامنے آپس میں زور سے باتیں کہتے ہو کہ کہیں تمہارے عمل نہ ضائع ہو جائیں اور تمھیں اس کی خبر بھی نہ ہو۔

شان نزول: مفسرین کرام نے بتایا ہے کہ یہ آیت ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی جو کانوں سے اونچا سنتے تھے، اس لیے گفتگو کے وقت ان کی

آواز بلند ہوجاتی تھی۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو وہ اپنے گھر میں بیٹھ گئے اور ڈر گئے کہ کہیں ان کے اعمال ضائع نہ ہوجائیں۔ پھر وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ یارسول اللہ! مجھے خوف ہے کہ میں ہلاک ہوجاؤں۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو منع فرمایا ہے کہ آپ کی بارگاہ میں آواز بلند نہ کریں اور میری آواز قدرتی طور پر بلند ہے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں ان الفاظ میں بشارت دی: وَمَا تَرْضٰی اَنْ تَعِیْشَ حَمِیْدًا وَّتُقْتَلَ شَهِیْدًا وَّتَدْخُلَ الْجَنَّةَ۔

ترجمہ: کیا تو راضی نہیں کہ اچھی زندگی گزارے اور شہید ہوکر مرے اور جنت میں داخل ہو۔
چنانچہ حضرت ثابت رضی اللہ عنہ جنگ یمامہ میں شہید ہوئے۔ (شفا، جلد دوم، صفحہ:29)
فائدہ: اس سے ثابت ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو باذن اللہ علم غیب حاصل ہے کہ میرا فلاں صحابی شہید ہوگا۔

شیخین کا عمل

جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خدمت اقدس میں عرض کیا: یارسول اللہ! اب میں اسی وقت آپ سے کلام کروں گا جب کوئی راز کی بات کرنی ہوگی یعنی دھیمی آواز میں کرنے والی بات۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی اس آیت کے نازل ہونے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسے کلام کرتے تھے جیسے کوئی راز کی بات کرتا ہے، یعنی اس قدر دھیمی آواز سے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دوبارہ پوچھنا پڑتا تھا۔

(شفا، جلد دوم، صفحہ:29، مدارج النبوۃ، جلد اول، صفحہ:343، انوار محمدیہ، صفحہ:396)

حضرات شیخین کا یہ اندازِ ادب بارگاہِ الٰہی میں ایسا مقبول ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا: اِنَّ الَّذِیْنَ یَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰی لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِیْمٌ۔ (سورہ حجرات، آیت:3)

ترجمہ: بے شک جو رسول اللہ کے پاس اپنی آوازیں پست رکھتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن کا دل اللہ نے پرہیزگاری کے لیے پرکھ لیا ہے، ان کے لیے بخشش اور بڑا ثواب ہے۔

ایک دفعہ بنی تمیم کا ایک وفد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دوپہر کے وقت پہنچا۔ آپ آرام فرمارہے تھے، ان لوگوں نے حجروں کے باہر سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارنا شروع کیا، آپ تشریف لے آئے، تو اُن کی یہ حرکت اللہ کریم کو ناپسند آئی، انھیں اس پر تنبیہ فرمائی اور اُن کو ادب سکھاتے ہوئے فرمایا:
اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ۔ وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰی تَخْرُجَ اِلَیْهِمْ لَكَانَ خَیْرًا لَّهُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ۔ (سورہ حجرات، آیت:4-5)
ترجمہ: بے شک جو آپ کو حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں ان میں اکثر بے عقل ہیں، اگر وہ اس حد تک صبر کرتے کہ آپ خود اُن کے پاس تشریف لے آتے، تو یہ اُن کے لیے بہتر تھا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

فائدہ: اس آیت سے پتہ چلا کہ بارگاہ رسالت کے بے ادب اور گستاخ بے عقل ہوتے ہیں، کیوں کہ اگر عقل ہوتی، تو اس بارگاہ کا ادب واحترام کرتے، اسی طرح زمانہ حال کے بدعقیدہ ایسے بے عقل ہوتے ہیں کہ سمجھانے سے بھی نہیں سمجھتے۔

حکایت: حضرت ابوجعفر رضی اللہ عنہ کا حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے کسی مسئلے میں مسجد نبوی میں مناظرہ ہوا۔ حضرت ابوجعفر سے آواز اونچی ہوگئی، تو حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے امیر المومنین! مسجد نبوی میں اپنی آواز پست کریں کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے ایک قوم کو ادب سکھاتے ہوئے فرمایا: لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ۔ اور ادب کرنے والوں کی یہ مدح فرمائی: اِنَّ الَّذِیْنَ یَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ۔ اور ایک قبیلے کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا: اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ۔ بے شک آپ کی عزت بعد از انتقال بھی ایسی ہے جیسی حیات مبارکہ میں تھی۔ یہ سن کر ابوجعفر رونے لگے اور خاموش ہوگئے۔ اس کے بعد ابوجعفر نے کہا: اے امام مالک! دعا مانگتے وقت اپنا چہرہ قبلہ شریف کی طرف کروں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف؟ امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ آپ کیوں اپنے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منہ پھیرتے ہو، حالاں کہ وہ تیرا، اور تیرے بابا حضرت آدم صفی اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وسیلہ ہیں۔ قیامت میں اُن کی طرف اپنا چہرہ کر اور ان سے شفاعت

طلب کر، کیوں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا۔ (سورۂ نساء، آیت:64)

(معارج، جلد اول، صفحہ:343، شفا، جلد دوم، صفحہ:32)

ترجمہ: اگر وہ اپنی جانوں پر ظلم کرلیں، آپ کے سامنے حاضر ہوں اور اللہ سے معافی مانگیں، پھر رسول ان کی شفاعت فرمادیں تو وہ اللہ کو توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں گے۔

فائدہ: مسلمانو! جب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں آواز بلند کرنا موجب حبط اعمال ہے، تو بتاؤ کہ اپنی رائیں اور فکریں آپ کی سنت اور شریعت پر بلند کرنا، کیوں کر نہ حبط اعمال کا سبب ہوں گے۔ مسلمانو! اپنی رائیں، فکریں اور قیاس آرائیاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت مطہرہ پر قربان کردو، اور اپنا نام عاشقان مصطفیٰ کی فہرست میں لکھالو۔

اسم مبارک لے کر بلانا بے ادبی

بارگاہِ رسالت کا ایک ادب یہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نام لے کر نہ پکارا جائے، یہ ادب سکھاتے ہوئے خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا۔ (سورۂ نور، آیت:63)

ترجمہ: رسول کے پکارنے کو آپس میں ایسا نہ ٹھہرالو جیسا کہ تم ایک دوسرے کو پکارتے ہو۔

علمائے کرام نے فرمایا ہے کہ اس آیت کے دو معنی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح نہ پکارو جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے کو پکارتے ہو، بلکہ یا رسول اللہ، یا حبیب اللہ، یا نبی اللہ وغیرہ جیسے القاب سے پکارو۔ دوسرا معنی یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پکارنے کو ایسا نہ سمجھو جیسا کہ تم میں سے ایک دوسرے کو پکارتے ہیں کہ چاہا تو اس کے پکار کو سنا اور نہ چاہا تو نہ سنا، بلکہ نبی کریم کے پکارنے پر فوراً حاضر ہو جاؤ، اگرچہ تم نماز ہی کیوں پڑھ رہے ہو۔

(انوار محمدیہ، صفحہ:397، مدارج، جلد اول، صفحہ:344)

حضرت سعید ابن معلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: مَرَّ بِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَنَا اُصَلِّيْ فَدَعَانِيْ فَلَمْ اٰتِهٖ حَتّٰى صَلَّيْتُ ثُمَّ اَتَيْتُ فَقَالَ: مَا مَنَعَكَ اَنْ تَاْتِيَ؟ فَقُلْتُ: كُنْتُ اُصَلِّيْ فَقَالَ: اَلَمْ يَقُلِ اللّٰهُ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ۔

(بخاری، جلد دوم، صفحہ:683)

ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس گزرے اور میں نماز پڑھ رہا تھا۔ آپ نے مجھے بلایا، تو میں فوراً آپ کے پاس حاضر نہ ہوا بلکہ نماز پڑھ کر حاضر ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ تجھے کس چیز نے آنے سے روکا؟ میں نے عرض کیا کہ میں نماز پڑھ رہا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ کیا اللہ نے تم سے یہ نہیں فرمایا کہ اے ایمان والو! اللہ اور رسول کے بلانے پر فوراً حاضر ہو جاؤ۔

فائدہ: اس سے ثابت ہوا کہ مسلمان اگر نماز بھی پڑھ رہا ہو اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بلائیں، تو فوراً بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو جائے۔ اس صورت میں شوافع کے نزدیک نماز باطل نہ ہوگی۔ جیسا کہ امام قسطلانی نے اس حدیث کے تحت یہ تشریح کی ہے کہ بعض شوافع کے نزدیک نماز باطل نہیں ہوتی۔ (حاشیہ بخاری، صفحہ:683)

☆☆☆

پچیسواں وعظ

صحابہ اور بزرگانِ دین کا کمال ادب

حضرات! بارگاہ رسالت میں صحابہ کرام علیہم الرضوان اتنا ادب واحترام کرتے تھے کہ حضور کے سامنے بات تک نہیں کرسکتے تھے، اگر کچھ دریافت کرنا ہوتا تو کسی اعرابی کی فکر میں رہتے کہ وہ آکر رسول اللہ سے کچھ پوچھیں اور ہم استفادہ کریں اور نبی کریم کی اصل تعظیم واحترام کے باعث خود دریافت کرنے سے گریز کرتے تھے۔

حضرت براابن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

لَقَدْ کُنْتُ اُرِیْدُ اَنْ اَسْئَلَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنِ الْاَمْرِ فَاُؤَخِّرُ سِنِیْنَ مِنْ ھَیْبَتِہٖ۔ (شفا، جلد دوم، صفحہ:32)

ترجمہ: میں ارادہ رکھتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک بات پوچھوں، مگر آپ کی تعظیم واجلال کے باعث کئی سال مؤخر کردیتا تھا۔

حضرت عثمان کا ادب

جب حدیبیہ کے سال سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو مکہ معظمہ میں قریش سے صلح کرنے کے لیے روانہ فرمایا اور خود حدیبیہ کے مقام پر رک گئے، تو قریش نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو طواف بیت اللہ کی اجازت دی، مگر اس کے باوجود کہ طواف ایک عبادت ہے، آپ نے طواف کرنے سے انکار کردیا اور فرمایا:

مَا کُنْتُ لِاَفْعَلَ حَتّٰی یَطُوْفَ بِہٖ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔

ترجمہ: میں اس وقت تک طواف نہیں کروں گا جب تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طواف نہ کرلیں گے۔ (شفا، جلد دوم، صفحہ:32)

صحابہ کرام کا بارگاہِ نبوی میں ادب

صحابہ کرام جب بارگاہ نبوی میں آکر بیٹھتے تو اتنا ادب ملحوظ خاطر ہوتا کہ آپ کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھتے اور نہ بلند آواز سے کلام کرتے، بلکہ اس قدر بالکل بے حس وحرکت اپنا سر نیچے کیے ہوئے بیٹھتے تھے کہ گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں۔ حضرت اسامہ بن شریک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: اَتَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاَصْحَابُہٗ حَوْلَہٗ کَاَنَّمَا عَلٰی رُؤُسِھِمُ الطَّیْرُ۔ (شفا، جلد دوم، صفحہ:31)

ترجمہ: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور صحابہ کرام آس پاس ایسے بیٹھے تھے کہ گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں۔

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

مَا کُنْتُ اُطِیْقُ اَنْ اَمْلَأَ عَیْنِیْ مِنْہُ اِجْلَالًا لَہٗ۔

ترجمہ: آپ کے اجلال وتعظیم کی وجہ سے میں یہ طاقت نہیں رکھتا تھا کہ آپ کو پورے طور پر دیکھ سکوں۔

حضرت عروہ بن مسعود

حدیبیہ کے سال کفار کی جانب سے عروہ بن مسعود ثالث بن کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوتا ہے اور بارگاہ رسالت میں صحابہ کرام کی نیازمندی اور ادب واحترام سے متاثر ہوکر بے ساختہ کہتا ہے: اَیْ قَوْمِ وَاللّٰہِ لَقَدْ وَفَدْتُ عَلَی الْمُلُوْکِ وَوَفَدْتُ عَلٰی قَیْصَرَ وَکِسْرٰی وَالنَّجَاشِیِّ وَاللّٰہِ اِنْ رَاَیْتُ مَلِکًا قَطُّ یُعَظِّمُہٗ اَصْحَابُہٗ مَا یُعَظِّمُ اَصْحَابُ مُحَمَّدٍ مُحَمَّدًا وَاللّٰہِ اِنْ تَنَخَّمَ نُخَامَۃً اِلَّا وَقَعَتْ فِیْ کَفِّ رَجُلٍ مِّنْھُمْ فَدَلَکَ بِھَا وَجْھَہٗ وَجِلْدَہٗ وَاِذَا اَمَرَھُمْ اِبْتَدَرُوْا اَمْرَہٗ وَاِذَا تَوَضَّأَ کَادُوْا یَقْتَتِلُوْنَ عَلٰی وَضُوْئِہٖ وَاِذَا تَکَلَّمَ خَفَضُوْا اَصْوَاتَھُمْ عِنْدَہٗ وَمَا یُحِدُّوْنَ اِلَیْہِ النَّظَرَ تَعْظِیْمًا لَّہٗ۔ (بخاری، جلد اول، صفحہ:379)

ترجمہ: اے میری قوم! خدا کی قسم! میں بادشاہوں کی طرف گیا ہوں اور قیصر و کسریٰ اور نجاشی

کے پاس بھی گیا ہوں۔ لیکن میں نے کبھی کسی بادشاہ کو نہیں دیکھا کہ اس کے مصاحب اس کی اس قدر تعظیم کرتے ہوں جتنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کرتے ہیں۔ واللہ! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں کھنگارتے مگر وہ کسی کے ہاتھ میں پہنچتی ہے اور وہ اس کو اپنے چہرے اور بدن پر مل لیتا ہے اور جس وقت آپ کوئی حکم دیتے ہیں تو صحابہ کرام آپ کے حکم کی طرف دوڑتے ہیں اور جب آپ وضو کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ آپ کے وضو کے پانی کے لیے لڑ پڑیں اور جس وقت آپ کلام فرماتے ہیں تو وہ اپنی آوازوں کو آپ کے سامنے پست کر لیتے ہیں اور آپ کی تعظیم کی وجہ سے تیز نگاہ سے بھی آپ کی طرف نہیں دیکھتے۔

حضور کے بالوں کی تعظیم

حضرات! بخاری کی اس حدیث سے جو آداب بارگاہ رسالت کے صحابہ کرام سے ثابت ہیں، وہ ظاہر ہیں اور آپ کی تعظیم تو اہم ہے ہی، لیکن صحابہ کرام علیہم الرضوان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک بالوں کی بھی تعظیم کرتے تھے اور اُن کے نزدیک نبی کریم کا ایک بال مبارک بھی دنیا و مافیہا سے قیمتی ہوتا تھا۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

لَقَدْ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْحَلَّاقُ يَحْلِقُهٗ وَاَطَافَ بِهٖ اَصْحَابُهٗ فَمَا يُرِيْدُوْنَ اَنْ تَقَعَ شَعْرَةٌ اِلَّا فِيْ يَدِ رَجُلٍ۔ (شفا، جلد دوم، صفحہ:31)

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے کہ جب حجام آپ کا بال بنا رہا تھا تو آپ کے صحابہ کرام آپ کے اردگرد پھر رہے تھے اور یہ ارادہ بھی رکھتے تھے کہ بال انھیں میں سے کسی کے ہاتھ میں گرے۔

صحابہ کرام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتنا ادب واحترام کرتے تھے کہ ضرورت کے وقت آپ کے گھر کے دروازے کو اپنے ناخنوں سے کھٹ کھٹاتے تھے۔ (شفا، جلد دوم، صفحہ:32)

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انداز ادب کے بارے میں حضرت سائب بن یزید بیان کرتے ہیں: كُنْتُ قَائِمًا فِي الْمَسْجِدِ فَحَصَبَنِيْ رَجُلٌ فَنَظَرْتُ فَاِذَا عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ فَقَالَ: اِذْهَبْ فَأْتِنِيْ بِهٰذَيْنِ فَجِئْتُهٗ بِهِمَا فَقَالَ: مِمَّنْ اَنْتُمَا اَوْ مِنْ اَيْنَ اَنْتُمَا قَالَا مِنْ اَهْلِ

الطَّائِفِ قَالَ: لَوْ كُنْتُمَا مِنْ اَهْلِ الْبَلَدِ لَاَوْجَعْتُكُمَا تَرْفَعَانِ اَصْوَاتَكُمَا فِيْ مَسْجِدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (بخاری، جلد اول، صفحہ:67)

ترجمہ: میں مسجد میں کھڑا تھا کہ کسی نے مجھے کنکرے مارا، دیکھا تو عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ تھے۔ فرمایا کہ جاؤ اُن دونوں کو پکڑ لاؤ، میں ان دونوں کو لے کر ان کے پاس گیا۔ فرمایا کہ کس قبیلے سے ہو، یا یہ فرمایا کہ کہاں کے ہو؟ انھوں نے کہا کہ اہل طائف سے۔ فرمایا کہ اگر تم مدینہ منورہ کے ہوتے، تو میں تم کو سزا دیتا کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں اپنی آواز بلند کرتے ہو۔

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب واحترام بعد از حیات ظاہری بھی غلاموں پر لازم اور ضروری ہے۔ علمائے کرام، محدثین عظام اور بزرگان دین تصریح فرماتے ہیں کہ شہنشاہ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب جیسا حیات ظاہری میں لازم ہے ایسا ہی بعد مماتِ ظاہری بھی لازم ہے۔ قاضی ابوالفضل عیاض اندلسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وَاعْلَمْ اَنَّ حُرْمَةَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ مَوْتِهٖ وَتَوْقِيْرَهٗ وَتَعْظِيْمَهٗ لَازِمٌ كَمَا كَانَ حَالَ حَيَاتِهٖ وَذٰلِكَ عِنْدَ ذِكْرِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَذِكْرِ حَدِيْثِهٖ وَسُنَّتِهٖ وَسِمَاعِ اِسْمِهٖ وَسِيْرَتِهٖ وَمُعَامَلَةِ اٰلِهٖ وَعِتْرَتِهٖ وَتَعْظِيْمِ اَهْلِ بَيْتِهٖ وَصَحَابَتِهٖ۔
(شفا، جلد دوم، صفحہ:32؛ انوار محمدیہ، صفحہ:317)

ترجمہ: جان لو کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت اور تعظیم و توقیر انتقال فرمانے کے بعد بھی ایسی لازم ہے جیسی کہ حالت حیات میں تھی اور ایسی ہی عزت آپ کے ذکر کے وقت، آپ کی حدیث وسنت، اسم مبارک سننے، بیان سیرت کے وقت، آپ کی آل وعترت کے معاملے میں ضروری ہے، پھر اہل بیت اور صحابہ کرام کی تعظیم بھی ضروری ہے۔

امام مالک کے دل میں عظمت مصطفی

حضرت مصعب بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے پاس جب نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیا جاتا، تو اُن کے چہرے کا رنگ متغیر ہو جاتا اور وہ تعظیم و

توقیر نبی کی وجہ سے جھک جاتے، یہاں تک کہ ان کے ہم نشینوں پر گراں گزرتا۔ ایک دن آپ سے اس کا سبب پوچھا گیا تو فرمایا: لَوْ رَأَيْتُمْ مَا رَأَيْتُ لَمَا أَنْكَرْتُمْ عَلَيَّ مَا تَرَوْنَ. یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کا جو مقام میں جانتا ہوں اگر تم جان لیتے تو یقیناً میرے عمل کا منکر نہ ہوتے جو تم دیکھتے ہو۔ (شفا، جلد دوم، صفحہ:33)

جب کوئی حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے دروازے پر آتا تو وہ لونڈی بھیج کر دریافت فرماتے ہو کہ تم کیوں آئے ہو؟ کوئی حدیث پوچھنے کے لیے یا کوئی مسئلہ دریاست کرنے کے لیے؟ اگر کوئی کہتا کہ مسئلہ پوچھنے کے لیے آیا ہوں تو اسی حالت میں باہر آکر مسئلہ بتادیتے اور اگر کہتا کہ حدیث پوچھنے آیا ہوں تو آپ غسل خانے میں جاکر غسل کرتے، نئے کپڑے پہنتے، عمامہ سر پر باندھتے، چادر اوڑھتے، خوشبو لگاتے، آپ کے لیے ایک خاص کرسی بچھائی جاتی، اس پر بیٹھتے، پھر نہایت خشوع اور وقار سے حدیث بیان فرماتے اور جب تک حدیث بیان فرماتے رہتے خوشبو سلگتی رہتی۔ (شفا، جلد دوم، صفحہ:36، مدارج، جلد اول، صفحہ:163)

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک دن امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر تھا اور آپ حدیث بیان فرمارہے تھے کہ آپ کو بچھو نے سولہ مرتبہ یا سترہ مرتبہ ڈنک مارا، آپ کے چہرے کا رنگ زرد ہوگیا مگر آپ نے حدیث پاک بیان کرنا نہ چھوڑا کیا۔

جب حدیث بیان کرچکے اور لوگ چلے گئے تو میں نے حال پوچھا، فرمایا کہ آج میرے حدیث بیان کرنے میں بچھو نے سولہ یا سترہ بار ڈنک مارا لیکن میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کی عظمت وجلال کے باعث صبر کیا۔ (شفا، ج:۲، ص:36، مدارج، جلد اول، صفحہ:163)

مسلمانو! یہ تھا تمہارے اسلاف کا احترام اپنے سچے رسول کریم کی بارگاہ میں۔ تم بھی ان کی اتباع میں بہرصورت اپنے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا پورا پورا ادب واحترام کرو۔

☆☆☆

چھبیسواں وعظ

نبی اکرم سے محبت واُلفت

قَالَ اللهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى:

قُلْ إِن كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِنُ تَرْضَوْنَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُم مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُوا حَتَّىٰ يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ۔

(سورۂ توبہ، آیت:24)

ترجمہ: اے محبوب! آپ فرمادیں (کہ اے لوگو!) اگر تمہارے باپ، تمہارے بیٹے، تمہارے بھائی، تمہاری بیبیاں، تمہارا کنبہ، تمہاری کمائی کے مال اور وہ تجارت جس کے نقصان کا تمھیں اندیشہ ہے اور تمہارے پسند کیے ہوئے مکان تم کو اللہ اور اللہ کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ محبوب ہوں، تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا عذاب اتاردے اور اللہ تعالیٰ فاسقوں کو راہ نہیں دیتا۔

حضرات! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت والفت اہل ایمان کے قلوب کی جان ہے، ان کے ارواح کی غذا ہے اور اُن کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ یہ محبت وہ حیات ہے جو اس سے محروم ہے وہ زندہ ہوتے ہوئے بھی مردہ ہے، اگرچہ وہ چلتا پھرتا نظر آتا ہو۔ یہ الفت وہ نور ہے جس سے دل کو ضیا ملتی ہے، جو اس سے محروم ہے وہ ظلمتوں کے سمندروں میں غرق ہے۔

غرض کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی الفت ومحبت ایمان کی جان اور اعمال کی روح ہے۔ محبت کے بغیر ایمان واعمال سب بیکار ہیں، اسی لیے اجماع امت ہے کہ مسلمانوں پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت لازم اور واجب ہے۔

محبت کے اسباب

اہل علم نے محبت کے تین مشہور اسباب ذکر کیے ہیں کہ کسی کو محبوب جاننا اور اس سے محبت

رکھنا ان تین اسباب میں سے کسی ایک سبب سے ہوتی ہے۔ اول کمال محبوب کے سبب کہ جب کسی کو کوئی خاص کمال وفضل حاصل ہوتا ہے تو اُس سے محبت کی جاتی ہے اور وہ محبوب سمجھا جاتا ہے، جیسا کہ بڑے عالم سے محبت ہوتی ہے، کیوں کہ اس میں کمال علم پایا جاتا ہے یا شجاع سے محبت کی جاتی ہے، کیوں کہ اس میں کمال شجاعت پایا جاتا ہے۔ دوسرا جمال کی وجہ سے کہ کسی میں حسن وجمال پایا جاتا ہے، تو لوگوں کی نظروں میں محبوب ہوتا ہے۔ تیسرا نوال کی وجہ سے یعنی احسان وانعام جیسا کہ اپنے منعم اور محسن سے محبت ہوتی ہے۔ یہ تینوں وصف جو سبب وعلت محبت ہیں، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں علی وجہ اتم پائے جاتے ہیں۔ فضل وکمال اس قدر انتہائی درجے کا آپ میں پایا جاتا ہے کہ آپ فضل وکمال کے آفتاب ہیں اور دوسرے انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام ستارے ہیں۔ قصیدہ بردہ شریف میں ہے:

فَاِنَّهٗ شَمْسُ فَضْلٍ هُمْ كَوَاكِبُهَا   يُظْهِرْنَ اَنْوَارَهَا لِلنَّاسِ فِي الظُّلَمِ

یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم آفتاب فضل ہیں اور انبیا ستارے ہیں، جس کے انوار تاریکی میں لوگوں کے لیے ظاہر ہوئے ہیں۔

اور آپ کی ذات میں حسن وجمال اس شان کا موجود ہے کہ اس قسم کا حسین وجمیل نہ کوئی آپ سے پہلے پیدا ہوا اور نہ بعد میں ہوگا۔ علامہ شرف الدین بوصیری بیان فرماتے ہیں:

فَهُوَ الَّذِيْ تَمَّ مَعْنَاهُ وَصُوْرَتُهٗ   ثُمَّ اصْطَفَاهُ حَبِيْبًا بَارِئُ النَّسَمِ
مُنَزَّهٌ عَنْ شَرِيْكٍ فِيْ مَحَاسِنِهٖ   فَجَوْهَرُ الْحُسْنِ فِيْهِ غَيْرُ مُنْقَسِمِ

یعنی اللہ نے آپ کو معناً اور صورتاً مکمل فرمادیا ہے، پھر آپ کو اپنا حبیب بنایا۔ آپ کے محاسن ہر طرح کی شرکت سے پاک ہے۔ آپ میں ایسا جوہر حسن ہے جس کی تقسیم ممکن نہیں۔

اور احسان وانعام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی امت پر اتنا کثیر ہے جس کا نہ شمار ہے نہ حساب، دنیا میں بھی کہ صراط مستقیم کی ہدایت فرمائی اور آخرت میں بھی شفیع بن کر دوزخ سے چھڑا کر جنت میں داخل فرمائیں گے۔ اب جب یہ ثابت ہوگیا کہ تینوں صفتیں جو موجب محبت و الفت بنتی ہیں، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بدرجۂ اتم پائی جاتی ہیں، تو طبعی اقتضا یہ ہے کہ امت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اعلیٰ درجے کی محبت ہونی چاہیے۔ چہ جائیکہ خود مالک

حقیقی اللہ تبارک وتعالیٰ بھی آپ کے ساتھ سب سے زیادہ محبت رکھنے کا حکم دیتا ہے۔ مالک حقیقی اپنے محبوب کے ساتھ محبت کرنے کا حکم اس شان سے دیتا ہے: قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ ٍۨاقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ۔ (سورہ: توبہ، آیت: 24)

ترجمہ: اے محبوب! آپ فرمادیں (کہ اے لوگو!) اگر تمہارے باپ، تمہارے بیٹے، تمہارے بھائی، تمہاری بیبیاں، تمہارا کنبہ، تمہاری کمائی کے مال اور وہ تجارت جس کے نقصان کا تمھیں اندیشہ ہے اور تمہارے پسند کیے ہوئے مکان تم کو اللہ اور اللہ کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ محبوب ہوں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا عذاب اتار دے اور اللہ تعالیٰ فاسقوں کو راہ نہیں دیتا۔

فائدہ: اولاً اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنے کا حکم دیا ہے یہاں تک کہ ماں باپ اور اولاد سے بھی زیادہ۔ ثانیاً دشمنان نبی کو عذاب کی دھمکی دی۔ ثالثاً یہ بتایا کہ جن کے دلوں میں محبت نبوی نہیں وہ فاسق ہیں، اگرچہ وہ کتنی ہی عبادت کرتے ہوں۔

حضور کی محبت کے بغیر ایمان نامکمل ہے

خود شہنشاہ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی محبت کا حکم دیا اور اس کو مدار ایمان قرار دیا ہے۔ حضرت انس روایت کرتے ہیں: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ۔ (بخاری، ج:1، ص:7)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی بھی مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اس کے والدین اور اس کی اولاد اور سب لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہوجاؤں۔

فائدہ: ایک روایت میں مِنْ اَهْلِهٖ وَمَالِهٖ بھی آیا ہے اور ایک روایت میں مِنْ نَفْسِهٖ بھی آیا ہے۔ (مدارج، جلد اول، صفحہ: 346، انوار محمدیہ، صفحہ: 410)

لہٰذا ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی محبت کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اپنے ماں

باپ، اولاد اور اپنے نفس و مال غرض کہ ہر شئے سے زیادہ ہونی چاہیے ورنہ ایماندار نہیں ہو سکتا، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت مدار ایمان ہے۔

محبت رسول حلاوت ایمان ہے

جس قلب میں محبت رسول نہیں ہے اس کے ایمان میں مٹھاس نہیں، اگرچہ وہ لاکھوں کروڑوں مرتبہ کلمۂ طیبہ زبان سے پڑھتا رہے۔ ہاں! جس کے دل میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کامل ہے، اس کے ایمان میں ضرور مٹھاس ہے اور وہ اپنے ایمان میں صادق ہے۔

حضرت انس بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ثَلَاثٌ مَّنْ كُنَّ فِيْهِ وَجَدَ حَلَاوَةَ الْإِيْمَانِ أَنْ يَّكُوْنَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا وَأَنْ يُّحِبَّ الْمَرْءَ لَا يُحِبُّهٗ إِلَّا لِلّٰهِ وَأَنْ يَّكْرَهَ أَنْ يَّعُوْدَ فِي الْكُفْرِ كَمَا يَكْرَهُ أَنْ يُّقْذَفَ فِي النَّارِ۔ (بخاری، جلد اول، صفحہ:7)

ترجمہ: جس شخص میں یہ تین خصلتیں ہوں وہ حلاوت ایمان سے سرفراز ہوگا۔ اول اللہ اور اللہ کے رسول ان کے غیر سے زیادہ محبوب ہو۔ دوم کسی کو دوست بنائے تو اللہ تعالیٰ کے لیے۔ سوم کفر میں لوٹنے کو ایسے ہی ناپسند جانے جیسے کہ وہ آگ میں گرائے جانے کو ناپسند کرتا ہے۔

حضرت فاروق اعظم کا ایمان

حضرت عبداللہ بن ہشام رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ اٰخِذٌ بِيَدِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فَقَالَ لَهٗ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! لَأَنْتَ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ إِلَّا نَفْسِيْ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ حَتّٰى أَكُوْنَ أَحَبَّ إِلَيْكَ مِنْ نَفْسِكَ فَقَالَ لَهٗ عُمَرُ فَإِنَّهُ الْاٰنَ وَاللّٰهِ لَأَنْتَ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ نَفْسِيْ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْاٰنَ يَا عُمَرُ۔ (بخاری، جلد دوم، صفحہ:981)

ترجمہ: ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے اور آپ حضرت عمر کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھے۔ حضرت عمر نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! یقیناً آپ میرے نزدیک ہر شئے سے

زیادہ محبوب ہیں مگر میرے نفس سے زیادہ نہیں۔ نبی کریم نے فرمایا کہ نہیں، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں جان ہے! یہاں تک کہ میں تیرے نزدیک تیرے نفس سے زیادہ محبوب ہو جاؤں۔ حضرت عمر نے عرض کیا کہ واللہ! اب آپ میرے نفس سے زیادہ محبوب ہیں۔ نبی کریم نے فرمایا کہ عمر! اب تو نے حقیقت کو پہچان لیا۔

فائدہ: راوی کا یہ قول کہ وَهُوَ اٰخِذٌ بِيَدِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ۔ یعنی آپ نے حضرت کا ہاتھ پکڑ رکھا تھا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عمر کے ساتھ کمال محبت اور انتہائی الفت و اتحاد تھا۔ صاحب مواہب للدنیہ لکھتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا پہلی مرتبہ اپنے نفس کو استثنا کرنا اس وجہ سے تھا کہ انسان کو اپنے نفس کے ساتھ طبعی محبت ہوتی ہے، لہٰذا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب بحکم طبع دیا، پھر جب تامل کیا اور بدلائل عقلیہ پہچانا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے نزدیک ان کے نفس سے بھی زدیاہ محبوب ہونا چاہیے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا و آخرت میں ان کی نجات کا باعث ہیں، لہٰذا بعد تامل و غور آپ نے فوراً عرض کیا کہ آپ میرے نزدیک میرے نفس سے بھی زیادہ محبوب ہیں۔

معلوم ہوا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام جہان کے لوگوں، تمام دنیا کی چیزوں سے زیادہ محبوب رکھنا مدار ایمان اور مدار نجات ہے، بلکہ نبی کریم سے محبت رکھنا عین ایمان اور ایمان کی بھی جان ہے۔ (مدارج، جلد اول، صفحہ:347)

محبت مصطفی کا ثواب و اجر

اب ذرا یہ بھی سن لو کہ محبت رسول، اہل ایمان کو کہاں سے کہاں تک پہنچا دیتی ہے۔ یہ محبت اہل ایمان کو جنت میں پہنچا دیتی ہے اور جنت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت حاصل ہوتی ہے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ وَلَهٗ مَا اكْتَسَبَ۔

(ترمذی، جلد دوم، صفحہ:61)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انسان اپنے محبوب کے ساتھ ہوگا اور اس کے لیے وہی ہوگا جو اس نے حاصل کیا ہوگا۔

حضرت انس فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر عرض کیا:

يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَتٰى قِيَامُ السَّاعَةِ، فَقَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَى الصَّلٰوةِ فَلَمَّا قَضٰى صَلَاتَهٗ قَالَ: اَيْنَ السَّائِلُ عَنْ قِيَامِ السَّاعَةِ، فَقَالَ الرَّجُلُ: اَنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ: مَا اَعْدَدْتَ لَهَا، قَالَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! مَا اَعْدَدْتُ لَهَا كَبِيْرَ صَلٰوةٍ وَّلَا صَوْمٍ اِلَّا اَنِّيْ اُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ وَاَنْتَ مَعَ مَنْ اَحْبَبْتَ فَمَا رَاَيْتُ فَرِحَ الْمُسْلِمُوْنَ بَعْدَ الْاِسْلَامِ فَرَحَهُمْ بِهَا۔

(ترمذی، جلد دوم، صفحہ:61)

ترجمہ: یا رسول اللہ! قیامت کب ہوگی؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لیے کھڑے ہوگئے اور جب نماز پوری کرلی، تو فرمایا کہ قیامت سے متعلق سوال کرنے والا کہاں ہے؟ اس شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں حاضر ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ تونے اس کی کیا تیاری کی ہے؟ اس نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں نے اس کے واسطے نہ تو بہت نمازیں اور نہ زیادہ روزے رکھے ہیں، البتہ! اللہ اور اس کے رسول کو میں دوست رکھتا ہوں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انسان اپنے محبوب کے ساتھ ہوگا اور تم بھی اپنے محبوب کے ساتھ ہوگے۔

حضرت انس بیان کرتے ہیں کہ میں نے مسلمانوں کو بعد اسلام کسی شئے سے اتنا خوش ہوتے نہیں دیکھا جتنا کہ اس کلمے کو سن کر وہ لوگ خوش ہوئے۔

اور یہی حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یوں مروی ہے:

اِنَّ رَجُلًا سَاَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَتَى السَّاعَةُ، يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! فَقَالَ: مَا اَعْدَدْتَ لَهَا، قَالَ: مَا اَعْدَدْتُ لَهَا مِنْ كَثِيْرِ صَلٰوةٍ وَّلَا صَوْمٍ وَّلَا صَدَقَةٍ وَّلٰكِنِّيْ اُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ. قَالَ: اَنْتَ مَعَ مَنْ اَحْبَبْتَ۔ (بخاری، جلد دوم، صفحہ:911)

ترجمہ: ایک شخص نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ! قیامت کب ہوگی؟ آپ نے فرمایا کہ تونے اس کے لیے کیا تیاری کی ہے؟ اس نے کہا کہ میں نے نہ زیادہ نمازیں، نہ زیادہ روزے اور نہ زیادہ صدقہ کیا ہے، البتہ! اللہ اور اس کے رسول کو میں دوست رکھتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ تو اسی کے ساتھ ہوگا جس کے ساتھ محبت رکھتا ہے۔

حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بے حد محبت تھی، اگر ذرا دیر اپنے آقا کی زیارت سے مشرف نہ ہوتے تو بے قرار ہو جاتے۔ ایک روز اپنے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، تو چہرے کا رنگ فق، متغیر اور نہایت غمگین ہے۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حال ملاحظہ فرماتے ہوئے فرمایا: آج چہرے کا رنگ کیوں اڑا ہوا ہے اور غمزدہ کیوں ہو؟ تو انھوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! نہ مجھے بیماری ہے اور نہ کوئی درد ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ جب آپ کا جمال مبارک نظر نہیں آتا، تو سخت پریشان اور متوحش ہو جاتا ہوں، یہاں تک کہ خدمت والا میں حاضر ہو کر جمال جہاں آرا سے مشرف ہوتا ہوں۔ پھر جب آخرت کو یاد کرتا ہوں تو ڈرتا ہوں کہ آپ کی زیارت سے محروم رہ جاؤں گا، کیوں کہ آپ وہاں اعلیٰ مقام پر تشریف رکھتے ہوں گے، اگر میں جنت میں داخل ہو بھی گیا تو ادنیٰ درجے میں رہوں گا اور اگر جنت میں داخل نہ ہوا تو آپ کو کبھی بھی نہ دیکھ سکوں گا، تو اللہ تعالیٰ نے ان کی تسلی کے لیے یہ آیت نازل فرمائی: وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ۔ (سورۂ نسا، آیت:24)

(مدارج، جلد اول، صفحہ:348؛ انوار محمدیہ، صفحہ:412)

ترجمہ: جو اللہ اور رسول کی اطاعت کرے گا وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوگا جن پر اللہ نے انعام کیا، یعنی انبیا، صدیقین، شہدا و صالحین کی رفاقت میں۔

حضرت انس بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مَنْ اَحَبَّنِيْ كَانَ مَعِيْ فِي الْجَنَّةِ۔ (شفا، جلد دوم، صفحہ:10؛ مدارج، جلد اول، صفحہ:349)

ترجمہ: جو مجھے دوست رکھے گا وہ میرے ساتھ جنت میں ہوگا۔

فائدہ: ان احادیث کریمہ سے پتہ چلتا ہے کہ عاشقان محمدی رسول پاک کے ساتھ جنت میں ہوں گے، مگر یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ معیت سے یہ مراد ہرگز نہیں ہے کہ مومن رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک درجے میں ہوگا، تاکہ درجے میں مساوات لازم آئے، اگرچہ بعض حدیثوں میں ہے: كَانَ فِيْ دَرَجَتِيْ۔ بلکہ معیت سے مراد یہ ہے کہ اہل محبت جنت میں ایسے مقام پر ہوں گے کہ بلا حجاب اپنی آنکھوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جمال جہاں آرا کا مشاہدہ کریں گے۔ (مدارج، جلد اول، صفحہ:346)

ستائیسواں وعظ

صحابۂ کرام اور ائمہ دین کی محبت

صحابۂ کرام کی محبت

صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی محبت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اتنی زیادہ تھی کہ انھوں نے اپنے ماں باپ، اولاد، بہن بھائی اور اپنی جان ومال رحمت عالم کے قدموں پر نثار کر دیا تھا۔ حضرت ابن اسحاق ایک انصاری عورت کے متعلق لکھتے ہیں:

قُتِلَ أَبُوهَا وَأَخُوهَا وَزَوْجُهَا يَوْمَ أُحُدٍ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ مَافَعَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. قَالُوْا: خَيْرًا هُوَ بِحَمْدِ اللّٰهِ كَمَا تُحِبِّيْنَ. قَالَتْ: أَرِنِيْهِ حَتّٰى أَنْظُرَ إِلَيْهِ فَلَمَّا رَأَتْهُ قَالَتْ: كُلُّ مُصِيْبَةٍ بَعْدَكَ جَلَلٌ۔

(شفا، جلد دوم، صفحہ:18، مدارج، جلد اول، صفحہ:380، انوار محمدیہ، صفحہ:411)

ترجمہ: جنگ اُحد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ اس کے باپ، بھائی اور خاوند شہید ہوگئے۔ لیکن اس نے پوچھا کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حال ہے؟ لوگوں نے کہا کہ بحمد اللہ! آپ بخیر ہیں، جیسا کہ تو دوست رکھتی ہے۔ عورت نے کہا کہ مجھے دکھاؤ تاکہ میں اپنی آنکھوں سے آپ کو دیکھوں۔ جب اس نے آپ کو دیکھ لیا تو کہا کہ ہر مصیبت آپ کے بعد آسان اور چھوٹی ہوگئی۔

بعض روایتوں میں یوں ہے کہ جنگ اُحد کے دن مدینہ منورہ میں یہ (جھوٹی) خبر مشہور ہوگئی کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہوگئے، تو مدینہ منورہ میں بہت سی عورتیں روتی اور فریاد کرتی ہوئی شہر سے باہر نکلیں، ان سب کے آگے ایک انصاری عورت تھی۔ محبت رسول سے اتنی سرشار تھی کہ میدان جنگ میں اس کا بھائی، شوہر اور باپ شہید ہوکر زمین پر پڑے ہوئے ہیں،

پوچھتی ہے کہ یہ کس کا لاشہ ہے؟ بتایا جاتا ہے کہ یہ تیرا باپ ہے، یہ تیرا بیٹا ہے اور یہ تیرے خاوند کا لاشہ ہے، مگر اُن کی جانب ذرا بھی التفات نہیں کرتی اور یہ پوچھتی ہے کہ بتاؤ میرے آقا کہاں ہیں؟ لوگوں نے کہا کہ آپ آگے ہیں، اس پر بھی اس کو صبر نہیں آتا، وہ آگے جاتی ہے اور اپنے آقائے رحمت کو دیکھتی ہے اور آپ کا کپڑا مبارک پکڑ کر عرض کرتی ہے: یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، جب آپ سلامت ہیں تو مجھے کسی اور کے ہلاک ہونے یا شہید ہونے کی کوئی پرواہ نہیں۔ (مدارج، جلد اول، صفحہ:350)

شیخین کی محبت

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی جان و فرزند مال وجان سب کچھ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں پر قربان کر دیا تھا۔ ایک روز بارگاہ رسالت میں عرض کرتے ہیں: وَالَّذِيْ بَعَثَكَ بِالْحَقِّ لَإِسْلَامُ أَبِيْ طَالِبٍ كَانَ أَقَرَّ لِعَيْنِيْ مِنْ إِسْلَامِهٖ يَعْنِيْ أَبَاهُ أَبَاقُحَافَةَ ذٰلِكَ لِأَنَّ إِسْلَامَ أَبِيْ طَالِبٍ كَانَ أَقَرَّ لِعَيْنِكَ۔

(شفا، جلد دوم، صفحہ:18؛ مدارج، جلد اول، صفحہ:351)

ترجمہ: اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے! یقیناً ابوطالب کا اسلام لانا میرے باپ ابوقحافہ کے اسلام سے زیادہ میری آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچانے والا ہے۔ ایسا اس لیے کہ ابوطالب کے اسلام لانے سے آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی اور آپ خوش ہوں گے اور میرے باپ کے اسلام لانے سے میں خوش ہوں گا اور آپ کی خوشی پر میں اپنی خوشی کو قربان کرتا ہوں۔

اسی طرح حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کہا: أَنْ تُسْلِمَ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ يُسْلِمَ الْخَطَّابُ لِأَنَّ ذٰلِكَ أَحَبُّ إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (شفا، جلد دوم، صفحہ:18؛ مدارج، جلد اول، صفحہ:351)

ترجمہ: مجھے آپ کا اسلام لانا میرے باپ خطاب کے اسلام لانے سے زیادہ محبوب ہے، کیوں کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زیادہ محبوب ہے۔

حضرت علی کی محبت

لوگوں نے حضرت مولیٰ علی مشکل کشا کرم اللہ وجہہ سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیسی محبت ہے؟ آپ نے فرمایا: کَانَ وَاللّٰہِ اَحَبَّ اِلَیْنَا مِنْ اَمْوَالِنَا وَاَوْلَادِنَا وَاٰبَائِنَا وَاُمَّھَاتِنَا وَمِنَ الْمَاءِ الْبَارِدِ عَلَی الظَّمَأِ۔ (شفا، ج:۲، ص:18، مدارج، جلد اول، صفحہ:348)

ترجمہ: واللہ! آپ ہم کو اپنے مال، بال بچوں، آباواجداد، ماؤں اور پیاس کے باوجود ٹھنڈے پانی سے زیادہ محبوب ہیں۔

حضرت عبداللہ ابن عمر کی محبت

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک دفعہ پاؤں سوج گیا تو آپ کو کہا گیا:

اُذْکُرْ اَحَبَّ النَّاسِ اِلَیْکَ یَزُلْ عَنْکَ فَصَاحَ یَا مُحَمَّدَاہُ فَانْتَشَرَتْ۔

(شفا، جلد دوم، صفحہ:18؛ مدارج، جلد اول، صفحہ:351)

ترجمہ: جو تجھے تمام لوگوں سے زیادہ محبوب ہے اسے یاد کرو، تو انھوں نے بلند آواز سے کہا کہ یا محمداہ! چنانچہ اس کا پاؤں اچھا ہوگیا۔

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے تمام لوگوں حتیٰ کہ ماں، باپ، اولاد، مال وجان سے بھی زیادہ محبت ہے۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ وقت مصیبت اپنے آقا کو پکارنا اور ندا کرنا فعل صحابہ ہے۔

نیز ثابت ہوا کہ ہمارے آقا اور اللہ تعالیٰ کے محبوب کو وقت مصیبت پکارا جائے تو آپ سنتے ہیں اور مدد کرتے ہیں۔ کتنے بدبخت ہیں وہ بدعقیدہ جو اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے پکارنے کو شرک اور بدعت کہتے ہیں۔

تو کیا ان کے نزدیک (معاذ اللہ) ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا یہ عمل مشرکانہ ہے؟ گویا ان کے نزدیک سوائے چند بدعقیدوں کے کوئی مسلمان ہے ہی نہیں۔

زید بن دثنہ کی محبت

حضرت زید بن دثنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو کفار مکہ کے ہاتھوں میں گرفتار تھے، جس وقت کفار نے آپ کو قتل کرنے کے لیے حرم سے باہر لایا، تو ابوسفیان نے آپ سے مخاطب ہو کر کہا کہ اے زید! میں تجھے خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا تو اس بات کو دوست رکھتا ہے کہ اس وقت تیری جگہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہوتے اور ان کو تیرے بدلے قتل کیا جاتا اور تو آرام سے اپنے گھر میں ہوتا۔ تو زید نے کیا ہی اچھا اور محبت بھرا جواب دیا۔ آپ نے فرمایا کہ خدا کی قسم! میں اس بات کو دوست رکھتا ہوں کہ میرے آقا و مولیٰ آرام سے اپنے گھر میں تشریف فرما ہوں، بلکہ میں تو اس کو بھی برداشت نہیں کرسکتا کہ آپ کے دست اقدس میں کانٹا چبھے اور میں گھر میں آرام سے بیٹھا رہوں، پھر ابوسفیان نے کہا: مَارَاَیْتُ مِنَ النَّاسِ اَحَدًا کَحُبِّ اَصْحَابِ مُحَمَّدٍ مُحَمَّدًا۔

(شفا، جلد دوم، صفحہ:19؛ مدارج، جلد اول، صفحہ:350)

ترجمہ: لوگوں میں سے کسی ایک کو بھی میں نے نہیں دیکھا کہ وہ کسی سے ایسی محبت رکھتا ہو جیسی کہ اصحاب محمد، محمد کو دوست رکھتے ہیں۔

ایک صحابیہ کی محبت

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک عورت بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئی اور خدا کی قسم کھا کر کہا: مَا خَرَجْتُ مِنْ بُغْضِ زَوْجٍ وَلَا رَغْبَۃً بِاَرْضٍ عَنْ اَرْضٍ وَمَا خَرَجْتُ اِلَّا حُبًّا لِلّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ۔ (شفا، جلد دوم، صفحہ:19، مدارج، جلد اول، صفحہ:350)

ترجمہ: میں خاوند کے بغض کی وجہ سے باہر نہیں نکلی اور نہ ہی مجھے ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے کی رغبت ہے، اگر کبھی نکلی تو صرف اللہ اور اس کے رسول کی محبت کے لیے۔

حضرت ابوہریرہ کی محبت

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی محبت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس حد تک تھی کہ

ساری عمر گھر ہی نہیں بنایا، ہر وقت جمال جہاں آرا سے مشرف ہوتے رہتے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیثیں سنتے رہتے، بلکہ ساری عمر احادیث کریمہ کے سننے اور روایت کرنے میں گزار دی۔

حضرت عبداللہ ابن عبداللہ ابن ابی کی محبت

ایک سفر میں عبداللہ بن ابی رئیس منافقین نے کہا: لَئِنْ رَّجَعْنَآ اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ. یعنی ہم مدینہ کو لوٹیں گے تو ضرور عزت والے ذلیل کو مدینہ سے نکال دیں گے، یعنی اس نے اپنے آپ اور ساتھیوں کو عزت والا کہا اور شہنشاہ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو ذلیل کہا، (العیاذ باللہ)۔ اس کے بیٹے جن کا نام بھی عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھا اور مسلمان تھے، جب ان تک اپنے باپ کا یہ کلمہ ملعونہ پہنچا تو بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ اگر اس کلمہ ملعونہ کی وجہ سے میرے باپ کو قتل کرنا چاہتے ہیں تو مجھے حکم دیں کہ میں اس گستاخ کا سر کاٹ کر آپ کی خدمت میں حاضر کردوں، مگر آپ نے اس کی اجازت نہ دی۔
(فتح الباری، حاشیہ:1، بخاری)

ایک روایت میں ہے کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تلوار لے کر مدینہ کے باہر کھڑے ہو گئے اور باپ سے کہا کہ اپنی زبان سے کہو! اَنَا اَذَلُّ النَّاسِ وَاَصْحَابُ مُحَمَّدٍ اَعَزُّ النَّاسِ. ورنہ میں تیرا سر کاٹ دوں گا۔ باپ نے پوچھا کہ کیا ایسا ہی کرے گا؟ حضرت عبداللہ نے کہا کہ ہاں! اس نے یہی الفاظ کہے، تب جا کر آپ نے اُسے چھوڑ دیا۔ (مدارج، صفحہ:355)

حضرت زید بن عبداللہ انصاری کی محبت

حضرت زید بن عبداللہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑی محبت تھی۔ ایک روز اپنے باغ میں کام کر رہے تھے اور بیٹے نے آ کر یہ خبر سنائی کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال پاک ہو گیا تو یہ سن کر اس طرح دعا مانگی:

اَللّٰهُمَّ اذْهَبْ بَصَرِيْ حَتّٰى لَا اَرٰى بَعْدَ حَبِيْبِيْ مُحَمَّدٍ اَحَدًا.

ترجمہ: یا اللہ! مجھے اندھا فرما دے تاکہ میں ان آنکھوں سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کو نہ دیکھوں۔ چنانچہ ان کی دعا مقبول ہوئی اور وہ اندھے ہو گئے۔
(مدارج، جلد اول، صفحہ:351، انوار محمدیہ، صفحہ:413)

حضرت خالد بن معدان کی محبت

حضرت خالد بن معدان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مدینہ کے چاند سردار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اتنی محبت تھی کہ ہر وقت ان کی زبان آپ کی یاد میں سرشار رہتی تھی۔ آپ کی دختر نیک حضرت عَبدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جب میرے والد گھر میں سونے کو تشریف لاتے تو رسول کریم اور آپ کے صحابہ مہاجرین وانصار کے ساتھ اپنے شوق ومحبت کو ظاہر کرتے اور ہر ایک کو نام بنام یاد کرتے اور کہتے: هُمْ اَصْلِيْ وَفَصْلِيْ وَاِلَيْهِمْ يَحِنُّ قَلْبِيْ. یہ حضرات میری اصل اور فرع ہیں، یعنی ان میں سے بڑے میرے باپ کے مثل ہیں اور چھوٹے مثل اولاد کے ہیں، انہی کی جانب میرا دل میلان کرتا ہے اور ان کی ملاقات کے شوق کا زمانہ دراز ہو گیا ہے اور پھر یہ دعا مانگتے: فَعَجِّلْ رَبِّ قَبْضِيْ اِلَيْكَ. اے رب! میری روح قبض فرما تاکہ میں ان سے جا کر ملوں اور روتے اور بار بار یہی فرماتے یہاں تک کہ سو جاتے۔
(شفا، جلد دوم، صفحہ:17، مدارج، جلد اول، صفحہ:350)

ایک خاتون کی محبت

ایک عورت نے اُم المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میرے واسطے نبی کریم کی قبر انور کو ذرا کھول دو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس کے کہنے سے نبی کریم کی قبر انور کو کھول دیا۔ وہ عورت نبی کریم کی قبر انور کو دیکھ کر بے اختیار رو پڑی اور روتے روتے جان دے دی۔ (شفا، جلد دوم، صفحہ:18)

فائدہ: ان روایات سے پتہ چلتا ہے کہ ہمارے اسلاف میں رسول اللہ سے کتنی محبت تھی کہ کوئی آپ کی جدائی میں بے قرار ہے، تو کوئی رو رہا ہے اور کوئی فراق کے صدمے میں اپنی جان

قربان کر گیا، مگر ایک ہم لوگ ہیں جو اس محبت میں ناقص نظر آتے ہیں۔ ہم سے تو وہ گدھے ہی بہتر تھے جنھوں نے اپنے مالک و مولیٰ کی محبت میں اپنی جانیں دے دیں۔

ابن عساکر نقل کرتے ہیں کہ سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کو فتح فرمایا تو آپ نے ایک گدھے سے کلام کیا اور گدھے نے آپ کے ساتھ کلام کیا۔ آپ نے اس کا نام پوچھا تو اس نے اپنا نام یزید بن شہاب بتایا اور عرض کیا: اللہ تعالیٰ نے میرے جد کی نسل سے ساٹھ گدھے پیدا فرمائے، ان میں ہر ایک پر ہمیشہ پیغمبر سوار ہوتے رہے۔ اب اس نسل میں سوائے میرے اور پیغمبروں میں سوائے آپ کے کوئی باقی نہیں رہا، لہٰذا میں امید رکھتا ہوں کہ آپ مجھ پر سواری فرمائیں گے۔ آج تک میں ایک یہودی کے پاس رہا، جب وہ مجھ پر سوار ہوتا، تو میں قصداً اسے گرا دیتا، وہ مجھے مارتا اور بھوکا رکھتا۔ آپ نے فرمایا کہ اب تیرا نام یعفور ہوگا، اس کے بعد وہ آپ کی خدمت میں رہتا۔ جب آپ کسی کو بلانا چاہتے تو اس گدھے کو بھیج دیتے، وہ جا کر دروازے پر اپنا سر رگڑتا۔ جب گھر والا باہر آتا تو وہ اشارہ کرتا کہ تجھے تاجدار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم طلب فرماتے ہیں۔ جس دن مدینہ کا چاند غروب ہوا، تو اس گدھے کو تاب مفارقت نہ رہی، روتے ہوئے ایک کنوئیں میں گرا اور مر گیا۔ (مدارج، ج:۱، ص:231، شفا، ج:۱، ص:207)

مولیٰ تعالیٰ! مجھ گنہگار سے تو وہ گدھے بھی بدرجہا اچھے تھے جنھوں نے اپنی جانیں محبت مصطفیٰ میں قربان کر دیں۔ اس گنہگار کو بھی اپنے محبوب کی محبت کا مزا چکھا، اگر چہ تھوڑا ہی سہی۔

(آمین یا رب العالمین)

☆☆☆

اٹھائیسواں وعظ

محبت نبوی کی علامتیں

حضرات! ہر شئے کی شناخت و پہچان کے لیے کوئی نہ کوئی علامت و نشانی ہوتی ہے، جس کے ذریعے سے وہ شئے جانی پہچانی جاتی ہے، اسی طرح علمائے عظام نے محبت نبوی کی علامات بتائی ہیں جن سے محبت نبوی کا پتہ چلتا ہے۔ یوں تو علامات کثیر ہیں مگر ان میں سے بعض علامات یہاں پیش کی جاتی ہیں:

پہلی علامت

محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اہم علامت یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور اتباع کی جائے، یعنی آپ کی سنت کی مکمل پیروی کرنا اور آپ کی سیرت و صورت اختیار کرنا۔ جس سے منع فرمایا ہو اس سے رک جانا علامت محبت رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے۔

قرآن مجید میں ہے: إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ۔ (سورہ آل عمران، آیت:31)

ترجمہ: اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو، اللہ تم سے محبت رکھے گا، تمہارے گناہوں کی مغفرت فرما دے گا اور اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔

معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی محبت اتباع رسول میں ہے اور اللہ اور اس کے رسول کی محبت ایک ہے، تو محبت رسول بھی اتباع رسول میں ہے۔

فائدہ: بندۂ خدا تو یہ چاہتا ہے کہ میں محب ہوں اور اللہ محبوب ہو، مگر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر تم نے میرے حبیب کی اطاعت و اتباع کی تو میں خود محب بنوں گا اور تم میرے محبوب ہو گے۔

غرض کہ اتباع رسول، اللہ و رسول کی محبت کی علامت ہے اور اتباع رسول کی جزا یہ ہے کہ خود اللہ اتباع کرنے والوں کو اپنا محبوب بنالیتا ہے۔ (انوار محمدیہ، صفحہ:414)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنی اتباع کو علامت محبت قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:
مَنْ اَحْيٰى سُنَّتِيْ فَقَدْ اَحَبَّنِيْ وَمَنْ اَحَبَّنِيْ كَانَ مَعِيَ فِي الْجَنَّةِ۔ (ترمذی، ج:۲، ص:12)
ترجمہ: جس نے میری سنت کو زندہ کیا اس نے مجھے محبوب جانا اور جو میرے ساتھ محبت رکھےگا وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا۔

ثابت ہوا کہ اطاعت واتباع رسول کے بغیر محبت رسول ناقص وناتمام ہے۔

مسلمانو! کیا ہم میں بھی اطاعت رسول مکمل ہے، یا ناقص ہے؟ کیا ہم نئی روشنی اور نئی تہذیب والے انگریزی خواں محمد رسول اللہ کی اطاعت کرتے ہیں یا یورپ کے دیوتاؤں کی؟

دوسری علامت

علامت محبت رسول میں سے ایک یہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک کثرت سے کیا جائے، فرمایا گیا ہے: فَمَنْ اَحَبَّ شَيْئًا اَكْثَرَ ذِكْرَهٗ۔ یعنی جس کے ساتھ جتنی محبت ہوتی ہے اس کا ذکر اتنا ہی کیا جاتا ہے۔ کثرت ذکر رسول کی سعادت علم حدیث کی خدمت اور سیرت کی کتابوں کے مطالعے سے حاصل ہوتی ہے، علم حدیث کو پڑھنے پڑھانے والوں کی زبان پر اپنے رسول پاک کے اقوال وافعال اور آپ کی صفات کے نغمے گونجتے رہتے ہیں۔ ان محدثین کو گویا صحابۂ کرام سے ایک قسم کی مشارکت ومشابہت ہوتی ہے، جیسا کہ صحابۂ کرام اپنے آقا ومولی کے احوال واقوال پر مطلع تھے ایسا ہی محدثین بھی مطلع ہوتے ہیں۔ فرق یہ ہے کہ صحابۂ کرام کو صحبت صوری حاصل تھی جو ایک ایسا شرف ہے جو غیر صحابہ کو حاصل نہیں ہوسکتا اور محدثین صحبت صوری سے محروم ہیں، مگر صحبت معنوی سے ضرور مشرف ہوتے ہیں۔ اللہ تعالی فرماتا ہے: فَاذْكُرُوْنِيْ اَذْكُرْكُمْ۔ تم مجھے یاد کرو میں تمھیں یاد کروں گا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالی کے اخلاق سے متخلق ہیں، لہٰذا جب کوئی امتی نبی کریم کو کثرت سے یاد کرے گا تو رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس کو بہت یاد فرمائیں گے۔ کتنے سعادت مند ہیں وہ محدثین جن کی زبانوں پر

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ ہوتا ہے۔ (مدارج، جلد اول، ص:353)

تیسری علامت

تیسری علامت محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ ہے کہ نبی کریم کی پوری پوری توقیر وتعظیم کی جائے اور آپ کے ذکر شریف کے وقت خشوع وخضوع کا اظہار کیا جائے، جیسا کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ۔ میرے محبوب کی تعظیم وتوقیر کرو۔ آپ کے وصال کے بعد جب صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالی اجمعین آپ کا ذکر کرتے تو اتنا خشوع وخضوع پیدا ہوجاتا کہ تعظیم وہیبت وجلالت رسول کی وجہ سے ان کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے تھے، اسی طرح تابعین اور تبع تابعین رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین تھے۔ حضرت جعفر بن محمد رحمۃ اللہ علیہ کثیر المزاح اور ہنس مکھ تھے، مگر جب ان کے سامنے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک کیا جاتا تو اُن کا رنگ زرد ہوجاتا تھا۔ (شفا، جلد دوم، صفحہ:33، مدارج، جلد اول، صفحہ:353)

اسی طرح حضرت عبد الرحمن بن قاسم رحمۃ اللہ علیہ کا حال تھا کہ جب ان کے سامنے رسول پاک کا ذکر کیا جاتا تو ایسے معلوم ہوتے کہ ان کے بدن سے خون کھینچ لیا گیا ہے اور منھ میں زبان خشک ہوگئی۔ (شفا، جلد دوم، صفحہ:34)

عامر بن عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالی عنہ کے روبرو جب ذکر رسول ہوتا تو اتنا روتے کہ آنکھوں میں آنسو باقی نہ رہتے۔ (شفا، جلد دوم، صفحہ:34، مدارج، جلد اول، صفحہ:354)

حضرت صفوان بن سلیم جو زاہد اور عابد تھے، جب ان کے پاس رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہوتا تو روتے ہی رہتے اور اتنا روتے کہ پاس بیٹھنے والے لوگ ان کو چھوڑ کر چلے جاتے۔ (شفا، جلد دوم، صفحہ:34، مدارج، جلد اول، صفحہ:354)

چوتھی علامت

چوتھی علامت یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا بہت شوق ہو، کیوں کہ قاعدہ ہے: كُلُّ حَبِيْبٍ يُحِبُّ لِقَاءَ حَبِيْبِهٖ۔ ہر محب اپنے محبوب کی زیارت وملاقات کو محبوب جانتا

ہے اور کہا گیا ہے: اَلْمَحَبَّةُ هِيَ الشَّوْقُ اِلَى الْحَبِيْبِ. محبت کا مقتضی ہے کہ اپنے محبوب کے دیدار کا شوق ہو۔ (مدارج، جلد اول، صفحہ:345، شفا، جلد دوم، صفحہ:20)

یہی وجہ تھی کہ صحابۂ کرام کو جب اپنے آقا کی زیارت کا شوق سخت ہوجاتا تو بارگاہ رسالت میں حاضر ہوکر جمال جہاں آرا کے مشاہدے سے اپنا شوق پورا کرتے تھے۔ حدیث اَشْعَرِيِّيْن میں آیا ہے کہ مدینہ طیبہ میں داخل ہوتے وقت یہ رجز پڑھتے تھے: غَدًا نَلْقَى الْاَحِبَّةَ مُحَمَّدًا وَّصَحْبَهٗ. قیامت میں محب، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کی زیارت کریں گے۔

(مدارج، جلد اول، صفحہ:354؛ شفا، جلد دوم، صفحہ:20)

فائدہ: اس سے پتہ چلتا ہے کہ ہمارے اسلاف میں زیارت رسول کا کتنا جذبہ تھا، مگر اک بدنصیب وبدعقیدہ لوگ ہیں جو زیارت رسول کو ممنوع ہی نہیں بلکہ شرک وبدعت کہتے ہیں۔ ''شد رحال'' کی حدیث کا غلط مطلب بیان کر کے عاشقان رسول کے روضۂ انور کی طرف سفر کرنے کو روکتے ہیں، حالاں کہ روضۂ انور کی طرف سفر کرنا اور آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرنا ہے جو محبت رسول کریم کی علامت ہے۔

معلوم ہوا کہ بدعقیدوں میں محبت رسول کریم نہیں ہے، اور یہ لوگ صرف زبانی محبت کا دعویٰ کرتے ہیں مگر ان کے قلوب قاسیہ میں ذرہ بھر بھی محبت رسول پاک نہیں ہے۔

پانچویں علامت

پانچویں علامت کا تعلق ہمارے مولیٰ و آقا صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے، یعنی اس چیز سے محبت رکھنا، خواہ وہ آپ کے ملک عرب کا رہنے والا ہو یا آپ کی اہل بیت سے ہو، یا انصار و مہاجرین میں صحابۂ کرام ہوں۔ قاعدہ ہے کہ دوست کا دوست، دوست ہوتا ہے اور ان کا دشمن، دشمن ہوتا ہے، لہٰذا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دوست اہل ایمان کے بھی دوست ہیں اور صحابہ کرام کے دشمن بھی اہل ایمان اور عاشقان رسول کے دشمن ہیں۔ اس کے علاوہ خود اپنے ملک کے رہنے والوں سے محبت کا حکم فرمایا ہے۔ حضرت ابن عمر کی روایت ہے: مَنْ اَحَبَّ الْعَرَبَ فَبِحُبِّيْ اَحَبَّهُمْ وَمَنْ اَبْغَضَهُمْ فَبِبُغْضِيْ اَبْغَضَهُمْ. (شفا، جلد دوم، صفحہ:11)

ترجمہ: جس نے اہل عرب سے محبت رکھی تو میری محبت کے سبب ان سے محبت رکھی اور جس نے ان سے بغض رکھا تو میرے ساتھ بغض کے سبب ان سے بغض رکھا۔

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ غَشَّ الْعَرَبَ لَمْ يَدْخُلْ فِيْ شَفَاعَتِيْ وَلَمْ تَنَلْهُ مَوَدَّتِيْ. (ترمذی، ج:۲، ص:232)

ترجمہ: جس نے اہل عرب کو دھوکہ دیا وہ میری شفاعت میں نہیں داخل ہوگا اور اس کو میری دوستی فائدہ نہیں دے گی۔

خود سرکار اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کے ساتھ محبت رکھنے کا اعلان فرمایا:

اَللّٰهَ اَللّٰهَ فِيْ اَصْحَابِيْ لَا تَتَّخِذُوْهُمْ غَرَضًا بَعْدِيْ فَمَنْ اَحَبَّهُمْ فَبِحُبِّيْ وَمَنْ اَبْغَضَهُمْ فَبِبُغْضِيْ اَبْغَضَهُمْ وَمَنْ اٰذَاهُمْ فَقَدْ اٰذَانِيْ وَمَنْ اٰذَانِيْ فَقَدْ اٰذَى اللّٰهَ وَمَنْ اٰذَى اللّٰهَ يُوْشِكُ اَنْ يَّاْخُذَهٗ. (ترمذی، جلد دوم، صفحہ:226)

ترجمہ: اللہ سے خوف کرو، اللہ سے ڈرو، میرے اصحاب کے بارے میں۔ میرے بعد تم انہیں نشانۂ طعن نہ بناؤ۔ جس نے ان سے محبت رکھی تو اس نے میری محبت کے سبب ان سے محبت رکھی اور جس نے ان سے بغض رکھا اور ان کو اذیت دی، اس نے مجھے اذیت دی اور جس نے مجھے اذیت دی اس نے اللہ کو اذیت دی اور جس نے اللہ کو اذیت دی تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو عذاب میں پکڑ لے۔

فائدہ: اس سے خوب واضح ہوگیا کہ صحابہ کا دوست اللہ ورسول کا دوست ہے اور صحابہ کا دشمن اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا دشمن ہے اور وہ عنقریب عذاب الٰہی میں گرفتار ہوگا۔ معلوم ہوا کہ روافض دشمنان خدا ورسول ہیں، ان کے ساتھ دوستی اور میل ملاپ رکھنا عذاب الٰہی میں گرفتار ہونا ہے۔ حضرت حسنین رضی اللہ عنہما کے متعلق فرمایا:

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اُحِبُّهُمَا فَاَحِبَّهُمَا. (بخاری، جلد اول، صفحہ:53، ترمذی، جلد دوم، صفحہ:319)

ترجمہ: اے مولیٰ! میں حسنین کریمین سے محبت رکھتا ہوں تو بھی اُن سے محبت رکھ۔

فائدہ: ثابت ہوا کہ جس ذات اور شئے کا تعلق ذات رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے، اس سے محبت رکھنی مدار ایمان ہے، کیوں کہ آپ کی اولاد تو جگر کے ٹکڑے ہیں اور صحابہ کرام دین

کے ستون اور نبی کریم کے جاں نثار ہیں، ان سے محبت رکھنی ضروری اور لازمی ہے، مگر اہل ایمان تو ہر اس شئے سے تعلق رکھتے ہیں جو بارگاہِ رسالت میں پسند اور مرغوب تھی، اگر چہ وہ ظاہر نظر میں ایک معمولی شئے سمجھی جاتی ہو اور گوش ہوش سے سنو! حضرت ابوطالب بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ آپ کدو شریف تناول فرمارہے ہیں اور زبان مبارک سے یہ فرمارہے ہیں: يَالَكِ شَجَرَةً أُحِبُّكِ إِلَى حُبِّ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِيَّاكِ۔ (ترمذی، جلد دوم، صفحہ:7)

ترجمہ: اے درخت! تیرا کیا کہنا کہ تو مجھے کتنا بہت محبوب ہے، کیوں کہ تجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم محبوب جانتے تھے۔

چھٹی علامت

محبت رسول کی چھٹی علامت یہ ہے کہ علمائے امت و صلحائے امت اور اولیائے امت سے دوستی رکھنا اور اولیائے کرام کے دشمنوں جیسا کہ بدعقیدہ ہیں ان سے دشمنی رکھنا ہے۔ خود اللہ کریم کا یہی حکم ہے، وہ فرماتا ہے: لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْۤا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ اَلَاۤ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔

(سورہ مجادلہ، آیت:22)

ترجمہ: تم ان لوگوں کو نہ پاؤ گے جو یقین رکھتے ہیں اللہ اور پچھلے دن پر کہ دوستی رکھیں ان سے جنھوں نے اللہ اور اس کے رسول سے مخالفت کی، اگر چہ وہ ان کے باپ، بیٹے یا بھائی یا کنبے والے ہوں، یہ وہ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان نقش فرمادیا ہے اور اپنی طرف کی روح سے ان کی مدد کی اور انھیں باغوں میں لے جائے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہیں۔ اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی، یہ اللہ کی جماعت ہے۔ خبردار! اللہ ہی کی جماعت کامیاب ہے۔

اس سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور صلحائے امت و اولیائے

امت کے دشمنوں کے ساتھ دشمنی رکھنا، اگر چہ باپ، بیٹا، بھائی اور قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو، کامل ایمان ہے، اور اللہ تعالیٰ اس پر راضی ہوتا ہے اور اپنی رحمتوں کی بارش برساتا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ صحابۂ کرام نے محض رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کی خاطر اپنے باپوں، لڑکوں، بھائیوں اور دوستوں کو قتل کردیا اور ذرہ برابر پرواہ نہ کی۔ ان میں سے صرف ایک واقعہ لکھتا ہوں کہ عبداللہ بن ابی کے بیٹا جن کا نام بھی حضرت عبداللہ تھا، مخلص مومن تھے اور باپ ان کا رئیس منافقین تھا۔ ایک دفعہ اس منافق نے کہا تھا: لَئِنْ رَّجَعْنَاۤ اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ۔ اس کی مراد اعز سے اپنی ذات تھی اور اذل سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ تھے، تو اس کے سگے بیٹے حضرت عبداللہ نے خدمت اقدس میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اگر آپ فرمائیں تو اپنے باپ کا سر کاٹ کر قدموں پر نثار کردوں، (مگر آپ نے اجازت نہ دی) پھر جب اس منافق نے مدینہ طیبہ کی طرف مراجعت کی تو حضرت عبداللہ اپنے ہاتھ میں تلوار لے کر مدینہ طیبہ کے دروازے پر کھڑے ہوگئے اور اس منافق سے کہا کہ اپنی زبان سے ان کلمات ملعونہ کے بدلے میں یہ کہہ: أَنَا أَذَلُّ النَّاسِ وَأَصْحَابُ مُحَمَّدٍ أَعَزُّ النَّاسِ۔ یعنی یہ کہہ کہ میں ذلیل ہوں اور رسول پاک کے صحابہ عزت والے ہیں، ورنہ میں ابھی تیرا سر گردن سے جدا کردوں گا۔ منافق نے کہا کہ تو سچ کہتا ہے کہ ایسا ہی کرے گا؟ فرمایا کہ ہاں! میں سچ کہہ رہا ہوں۔ تب اس منافق نے یہ الفاظ کہے تو اس کو زندہ چھوڑا۔ (مدارج، جلد اول، صفحہ:355)

یہ ہے محبت رسول اور محبت صحابہ! اسی طرح دو بھائی تھے جن کا نام حویصہ اور محیصہ تھا، ان میں سے چھوٹا ایمان لے آیا تھا اور بڑا نہ لایا تھا۔ چھوٹے کو سرکار اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک یہودی کے قتل کرنے کا حکم دیا تھا جو بڑا فسادی تھا۔ بڑے بھائی نے کہا کہ تو ایسے شخص کو قتل کرنا چاہتا ہے کہ اس کی نعمت کا اثر میرے شکم کی چربی میں موجود ہے۔ یہ سن کر چھوٹے بھائی نے کہا کہ جو کچھ بھی ہو، اگر شہنشاہ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم مجھے تیرے قتل کا بھی حکم صادر فرمائیں تو بھی میں ذرا دیر نہ کروں، فوراً قتل کرڈالوں۔ یہ سن کر بڑے بھائی نے کہا کہ تیرا عجیب دین ہے اور عجیب محبت ہے۔ چنانچہ وہ بھی حلقہ بگوش اسلام ہوگیا۔ (مدارج، جلد اول، صفحہ:355)

☆☆☆

انتیسواں وعظ

دیگر علامات محبت رسول پاک

۱۔علامت: رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی علامت میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آپ کی اُمت پر شفقت ورحمت کرنا اور اُن کو پند ونصائح کرنا، اُن کو نفع پہنچانے کی کوشش وسعی کرنا اور مضرات کو ان سے دفع کرنا۔ کیوں کہ شفیع اُمت رحمت دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم خود اپنی امت پر اعلیٰ درجے کے شفیق ورحیم تھے، ہر وقت آپ کو اپنی اُمت کی بہتری مدنظر ہوتی تھی اور اُمت کا سختیوں میں پڑنا گراں خاطر ہوتا تھا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ۔

(سورۂ توبہ:128)

ترجمہ: بے شک تمہارے پاس رسول تمھیں میں سے تشریف لایا، جس پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں ہے، وہ تمہاری ہدایت کے حریص ہیں اور مومنوں کے لیے مہربان ورحم فرما ہیں۔

فائدہ: حق تو یہ تھا کہ ہم اپنے بھائی مسلمان کی بہتری کو اپنی بہتری پر مقدم جانتے اور ان کی مضرت کو اپنی مضرت سمجھتے، کیوں کہ یہ رسول کریم کی محبت کی ایک علامت تھی، مگر افسوس! ہم کدھر جارہے ہیں کہ ہم مسلمان اپنے مسلمان بھائیوں کی آبروریزی میں پیش پیش رہتے ہیں، گویا مسلمانوں کو نقصان پہنچانا ہماری گھٹی میں ہے اور کمزوروں، بیکسوں پر ظلم کرنا ہماری فطرت بن چکا ہے۔ (العیاذ باللہ)

۲۔علامت: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ قرآن مجید سے محبت ہو، جو آپ پر نازل ہوا، اور جس کے باعث آپ ہادی مہدی اور متخلق ہوئے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآنَ۔ (شفا، جلد دوم، صفحہ:22)

یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق مکمل قرآن تھا۔

نیز یہ کہ قرآن کی محبت، اس کی تلاوت اور اس کے معانی میں تدبر کرنا، اس کے اوامر ونواہی پر عمل کرنا بھی محبت رسول کی پہچان ہے۔ حضرت سہل بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ کی محبت کی علامت قرآن عظیم سے محبت کرنا ہے اور محبت قرآن کی علامت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنا ہے اور محبت رسول کی علامت آپ کی سنت کے ساتھ محبت رکھنا ہے اور آپ کی سنت سے محبت کی علامت آخرت کی محبت اور آخرت سے محبت کی علامت دنیا سے بغض رکھنا ہے اور دنیا سے بغض رکھنے کی علامت یہ ہے کہ دنیا کے مال کا ذخیرہ نہ کرے مگر وہی توشہ جو آخرت میں پہنچادے۔ (شفا، جلد دوم، صفحہ:2، مدارج النبوۃ، جلد اول، صفحہ:356)

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: لَوْ طَهُرَتْ قُلُوْبُنَا لَمَا شَبِعَتْ مِنْ كَلَامِ اللّٰهِ۔ (مدارج، جلد اول، صفحہ:356، انوار محمدیہ، صفحہ:420)

ترجمہ: اگر ہمارے دل پاک ہوں تو قرآن سے سیر نہیں ہوں گے۔

واقعی قرآن مجید کی محبت اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی علامت ہے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: لَا يُسْئَلُ اَحَدٌ عَنْ نَفْسِهٖ اِلَّا الْقُرْآنَ فَاِنْ كَانَ يُحِبُّ الْقُرْآنَ فَهُوَ يُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ۔ (شفا، جلد دوم، صفحہ:22)

ترجمہ: قرآن کریم کے علاوہ کسی شخص سے کوئی سوال نہیں کیا جائے گا، چنانچہ اگر وہ قرآن کو دوست رکھتا ہے تو وہ اللہ اور اس کے رسول کو دوست رکھتا ہے۔

قرآن پاک نہایت خوش آوازی سے تلاوت کرنا اللہ ورسول کو محبوب ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: زَيِّنُوا الْقُرْآنَ بِأَصْوَاتِكُمْ۔ یعنی قرآن کریم کو اچھی آواز کے ساتھ تلاوت کرو۔ (مسند احمد، ابوداؤد، مشکوۃ، صفحہ:191)

حضرت برا ابن عازب کا بیان ہے کہ سرکار اعظم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: حَسِّنُوا الْقُرْآنَ بِأَصْوَاتِكُمْ فَاِنَّ الصَّوْتَ الْحَسَنَ يَزِيْدُ الْقُرْآنَ حُسْنًا۔ (دارمی، مشکوۃ، صفحہ:190)

یعنی قرآن کو اپنی آوازوں سے خوبصورت بناؤ، کہ اچھی آواز قرآن کا حسن بڑھاتی ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ سردار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَّمْ يَتَغَنَّ بِالْقُرْآنِ۔ (بخاری، مشکوٰۃ، صفحہ:190)

ترجمہ: وہ ہم سے نہیں جو خوش آواز سے قرآن تلاوت نہ کرے۔

صحابۂ کرام علیہم الرضوان میں بہت سے خوش الحان حضرات تھے۔ خصوصاً ابوموسیٰ اشعری اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ جب یہ حضرات قرآن خوانی فرماتے تو صبر دل سے چلا جاتا اور قلب میں نئی روح پھونک جایا کرتی تھی۔ ایک رات حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ قرآن مجید تلاوت کر رہے تھے اور ایک گوشے میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی تلاوت سن کر محظوظ ہو رہے تھے۔ جب صبح ہوئی تو فرمایا کہ ابوموسیٰ! رات کو میں تیری تلاوت سن رہا تھا، تو بہت اچھی تلاوت کر رہا تھا۔ ابوموسیٰ اشعری نے کہا کہ کاش! میں یہ جانتا کہ آپ میری تلاوت سن رہے ہیں، تو میں اور عمدہ آواز سے تلاوت کرتا۔ (مدارج، جلد اول، صفحہ:356)

حضرت عبداللہ بن مسعود بیان کرتے ہیں کہ ایک بار نبی کریم ممبر پر تشریف فرماتے تھے، مجھ سے فرمایا: اِقْرَأْ عَلَيَّ قُلْتُ أَقْرَأُ عَلَيْكَ وَعَلَيْكَ أُنْزِلَ قَالَ إِنِّي أُحِبُّ أَنْ أَسْمَعَهُ مِنْ غَيْرِي فَقَرَأْتُ سُوْرَةَ النِّسَاءِ حَتّٰى أَتَيْتُ إِلٰى هٰذِهِ الْآيَةِ فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰؤُلَاءِ شَهِيْدًا. قَالَ: حَسْبُكَ الْآنَ فَالْتَفَتُّ إِلَيْهِ فَإِذَا عَيْنَاهُ تَذْرِفَانِ۔

(بخاری ومسلم، مشکوٰۃ، صفحہ:190)

ترجمہ: میرے سامنے قرآن پڑھو، میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! میں آپ پر قرآن پڑھوں حالاں کہ قرآن آپ پر نازل ہوا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے یہ پسند ہے کہ میں قرآن پاک کو کسی کی زبان سے سنوں۔ میں نے سورۂ نسا پڑھنی شروع کی اور جب اس آیت پر پہنچا: فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا۔ تو آپ نے فرمایا کہ اتنا کافی ہے۔ جب میں نے آپ کی طرف دیکھا تو آپ کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔

صحابۂ کرام میں اتنا جذبہ وشوق تھا کہ جب قرآن پاک سنتے تھے تو بے اختیار رو پڑتے تھے: وَإِذَا سَمِعُوْا مَا أُنْزِلَ إِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰى أَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ۔ (سورۂ مائدہ: 83) یعنی صحابۂ کرام جب اس کو سنتے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا ہے تو تم دیکھتے کہ اُن کی آنکھیں اس وجہ سے آنسو بہاتی ہیں کہ انھوں نے حق کو پہچان لیا ہے۔

فائدہ: واقعی محبت قرآن جزو ایمان ہے اور مدار اسلام ہے، کیوں کہ یہ نبوت ورسالت کا ثبوت ہے۔ مگر افسوس کہ اس زمانے کے مسلمانوں میں مزامیر اور باجے اور دیگر آلات لہو ولعب کی محبت زیادہ ہے اور کلام اللہ کی محبت کم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سینما گھروں کو دیکھو تو کہیں خالی نظر نہیں آتیں اور مساجد کو دیکھو تو خالی خالی نظر آتی ہیں۔ (العیاذ باللہ)

علامت دیگر

محبت رسول کریم کی ایک علامت فقر کو محبوب سمجھنا ہے۔ کیوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فقر کو محبوب رکھتے تھے اور بہت سے صحابہ حالت فقر میں تھے۔ حضرت عبداللہ بن مغفل کا بیان ہے کہ ایک شخص بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر عرض کیا: إِنِّي أُحِبُّكَ قَالَ: أُنْظُرْ مَا تَقُوْلُ فَقَالَ: وَاللّٰهِ! إِنِّي لَأُحِبُّكَ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ قَالَ: إِنْ كُنْتَ صَادِقًا فَأَعِدَّ لِلْفَقْرِ تِجْفَافًا لَلْفَقْرُ أَسْرَعُ إِلٰى مَنْ يُّحِبُّنِي مِنَ السَّيْلِ إِلٰى مُنْتَهَاهُ۔ (ترمذی، مشکوٰۃ، صفحہ:448)

ترجمہ: مجھے آپ سے محبت ہے، آپ نے فرمایا کہ غور کرلو کہ کیا کہہ رہا ہے؟ انھوں نے کہا کہ واللہ! میں آپ کو دوست رکھتا ہوں اور یہ تین مرتبہ کہا۔ آپ نے فرمایا کہ اگر تو سچا ہے تو فقر کی تیاری کرو۔ کیوں کہ فقر اس کے لیے اثر دار ہے جو مجھے دوست رکھتا ہے، اس لحاظ سے جو اپنے منزل کی طرف جاتا ہے۔

محبت کے درجات

محبت کے درجات متفاوت ہیں۔ کسی میں اعلیٰ درجے کی محبت پائی جاتی ہے اور کسی میں اس سے کم اور کسی میں اس سے بھی کم محبت پائی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایسے لوگوں میں علامت مذکورہ سے بہت سی علامات مفقود ہوتی ہیں۔ کوئی مسلمان ایسا نہ ملے گا جس کے قلب ودل میں رسول اللہ کی محبت نہ پائی جائے، اگرچہ ناقص ہی سہی۔ یہی وجہ ہے کہ ایسے لوگ زیارت روضۂ انور کا بہت شوق رکھتے ہیں اور امور خیر میں بے پناہ خرچ کرتے ہیں۔ اگرچہ بدعقیدہ جماعت کے لوگ داڑھی نہ رکھنے والوں کو محبت سے خالی سمجھتے ہیں، اگر بغیر داڑھی والا شخص نعت شریف

پڑھے جس میں محبت رسول پاک والا مضمون ہو تو لمبے چوڑے اعتراض کرتے ہیں کہ خود اس میں محبت رسول نہیں اور نعتیں پڑھتا ہے، مگر اہل سنت کے نزدیک ایسے لوگ اہل ایمان ہیں اور ان کے دلوں میں محبت رسول کارفرما ہے، اگرچہ ناقص ہی سہی۔ اہل سنت جو کچھ کہتے ہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث اور حکم کے مطابق کہتے ہیں کہ اگر کوئی شرابی ہو، بغیر داڑھی والا ہو، اس کا دل بھی اللہ ورسول کی محبت سے خالی نہیں ہے، اگرچہ اس کی محبت ناقص درجے میں ہے۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: إِنَّ رَجُلًا فِي عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اسْمُهُ عَبْدَ اللّٰهِ وَكَانَ يُلَقَّبُ حِمَارًا وَكَانَ يُضْحِكُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَدْ جَلَدَهُ فِي الشَّرَابِ فَأُتِيَ بِهِ يَوْمًا فَأَمَرَ بِهِ فَجُلِدَ فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ اللّٰهُمَّ الْعَنْهُ مَا أَكْثَرَ مَا يُؤْتَى بِهِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَلْعَنُوهُ فَوَاللّٰهِ مَا عَلِمْتُ إِلَّا أَنَّهُ يُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ۔ (بخاری، جلد ثانی، صفحہ: 1002)

ترجمہ: نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے پاک زمانے میں ایک شخص تھا، جس کا نام عبداللہ اور لقب حمار تھا۔ وہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو ہنسایا کرتا تھا۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب کے لیے حد جاری فرمایا کہ ایک دن شراب پینے کے جرم میں پکڑا گیا تو آپ نے اس کو کوڑے مارنے کا حکم دیا، اس کو کوڑے مارے گئے۔ پھر قوم میں سے ایک شخص نے کہا کہ یا اللہ! اس پر لعنت فرما کہ یہ بار بار پکڑا جاتا ہے۔ یہ سن کر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس پر لعنت نہ کرو، واللہ! میں جانتا ہوں کہ وہ اللہ ورسول کو دوست رکھتا ہے۔

فائدہ: اس شخص نے کئی دفعہ شراب پی اور حد بھی لگائی گئی۔ شراب پینا فسق ہے مگر سرکار اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر بھی فرمایا کہ اس کے دل میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی محبت ہے۔ معلوم ہوا کہ ہر مسلمان اگرچہ گنہگار بھی ہو، اس کے دل میں محبت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم موجود ہوتی ہے۔

☆☆☆

تیسواں وعظ: 1

حضور کے حاضر وناظر ہونے کا ثبوت

أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ

قَالَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى:

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ۝ وَدَاعِيًا إِلَى اللّٰهِ بِإِذْنِهِ وَسِرَاجًا مُنِيرًا ۝ (سورۂ احزاب، آیت: 45-46)

ترجمہ: اے غیب کی خبر بتانے والے! ہم نے آپ کو حاضر وناظر، خوشخبری دیتا، ڈرسناتا اور اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلاتا اور چمکتا سورج بنا کر بھیجا۔

حضرات! فلاسفہ کا قول ہے کہ خلا محال ہے، اس لیے ایسا کوئی مقام نہیں جہاں ہوا نہ ہو، اور ہوا ہر مقام پر موجود ہوتی ہے۔ بھلا اس پر بھی دانشمندانہ غور بھی کیا ہے کہ کیا وجہ ہے کہ کوئی مقام ہوا سے خالی نہیں، اس کی اصلی وجہ تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے، مگر ظاہری عقل یہ کہتی ہے کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر خاندان کو ہر مقام میں ہوا کی اتنی اشد ضرورت ہے کہ بغیر ہوا کے ان کی زندگی ناممکن ہے، اس لیے اللہ رب العالمین نے ہوا کو ایسا عام کر دیا کہ ہر جگہ موجود رہتی ہے، تاکہ ہر جاندار ہر مقام میں زندہ رہ سکے۔ اس سے ثابت ہوا کہ ہوا کی سب جانداروں کو ضرورت ہے۔ اسی طرح ہر شئے کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ضرورت ہے، یہاں تک کہ سمندر میں رہنے والوں کو، خشکی پر رہنے والوں کو، اور آسمانوں میں رہنے والوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ضرورت ہے، اس لیے رسول اللہ ہر جگہ جلوہ گر ہیں۔ تری میں، خشکی میں، آسمان میں اور زمین میں ہر جگہ رسول اللہ حاضر وناظر ہیں۔

حاضر وناظر کا مطلب

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حاضر وناظر ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح روح اپنے بدن کے ہر جز میں موجود ہوتی ہے، اسی طرح روح دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت منورہ ذرات عالم کے ہر ذرے میں موجود، حاضر اور جاری وساری ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی روحانیت اور نورانیت کے ساتھ بیک وقت متعدد مقامات پر تشریف فرما ہوتے ہیں اور آن واحد میں مشرق ومغرب، شمال وجنوب اور تحت وفوق تمام جہات اور امکنۂ متعددہ میں سرکار اعظم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے وجود مقدس سے بعینہٖ یا جسم اقدس مثالی کے ساتھ تشریف فرما کر اپنے غلاموں کو اپنے جمال اقدس کی زیارت اور نگاہ کرم کی رحمت سے سرفراز فرماتے ہیں۔ آپ کے حاضر وناظر ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ آپ کی بشریت مطہرہ ہر جگہ موجود ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حاضر وناظر ہونے کا ثبوت قرآن پاک، حدیث پاک اور بزرگان دین کے کلام سے ہے، مثلاً:

آیت قرآنیہ سے ثبوت

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۙ وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ۔ (سورہ احزاب، آیت:45-46)

ترجمہ: اے غیب کی خبر بتانے والے! ہم نے آپ کو حاضر وناظر، خوشخبری دیتا، ڈرسناتا اور اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلاتا اور چمکتا سورج بنا کر بھیجا۔

فائدہ: اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کے اوصاف جمیلہ بیان فرمائے ہیں، ان میں سے ایک صفت شاہد سے بھی آپ کو متصف فرمایا اور شاہداً کے معنی حاضر وناظر ہیں۔ کیوں کہ شاہد، شہود اور شہادت سے مشتق ہے اور شہود کا معنی حضور مع المشاہدۃ ہے، لہٰذا شاہد کا معنی حاضر وناظر ہوا۔ "مفردات امام راغب" میں شہود اور شہادت کا معنی یوں بیان کیا گیا ہے:

اَلشُّهُوْدُ وَالشَّهَادَةُ الْحُضُوْرُ مَعَ الْمُشَاهَدَةِ اِمَّا بِالْبَصَرِ اَوْ بِالْبَصِيْرَةِ۔ (صفحہ:277)

یعنی شہود اور شہادت کا معنی مشاہدہ سمیت حاضر ہونا ہے بصر یا بصیرت کے ساتھ۔

اس سے ثابت ہوا کہ آپ حاضر وناظر ہیں، اب رہی یہ بات کہ کس پر حاضر ہیں تو اس کا جواب تفسیر جلالین میں یہ ہے:

اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا عَلٰى مَنْ اُرْسِلْتَ اِلَيْهِمْ۔ (اصح المطابع، ص:255)

یعنی آپ کو ہم نے حاضر وناظر بنا کر بھیجا ان پر جن کی طرف آپ بھیجے گئے ہیں۔

فائدہ: تفسیر جلالین کے علاوہ دیگر کتب تفاسیر مثلاً تفسیر ابو سعود، تفسیر بیضاوی، مدارک التنزیل، جمل، روح المعانی، تفسیر کبیر میں یہی مضمون موجود ہے۔

آپ کس کس کی طرف رسول بن کر آئے

تفسیر کے حوالے سے روز روشن کی طرح یہ بات ثابت ہوگئی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان سب پر حاضر وناظر ہیں جن کی طرف آپ رسول بن کر تشریف لائے۔ اب یہ بات باقی رہ گئی کہ آپ کس کس کی طرف رسول بن کر تشریف لائے ہیں، تو حضرت ابوہریرہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فُضِّلْتُ عَلَى الْاَنْبِيَاءِ بِسِتٍّ اُعْطِيْتُ جَوَامِعَ الْكَلِمِ وَنُصِرْتُ بِالرُّعْبِ وَاُحِلَّتْ لِيَ الْغَنَائِمُ وَجُعِلَتْ لِيَ الْاَرْضُ مَسْجِدًا وَّطُهُوْرًا وَّاُرْسِلْتُ اِلَى الْخَلْقِ كَافَّةً وَّخُتِمَ بِيَ النَّبِيُّوْنَ۔ (مسلم، مشکوۃ، صفحہ:512)

یعنی چھ چیزوں کے سبب مجھے انبیا پر فضیلت دی گئی ہے، جیسے مجھے جوامع کلمات دیے گئے، رعب سے میری مدد کی گئی، میرے لیے غنیمتیں حلال کی گئیں، میرے لیے زمین مسجد اور پاک کرنے والی بنادی گئی، مجھے تمام مخلوقات کی طرف بھیجا گیا اور مجھ پر سلسلۂ نبوت کو ختم کیا گیا۔

فائدہ: اس حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے، خواہ انسان ہوں، یا جنات یا ملائکہ ہوں خواہ آسمان اور مافیہا، خواہ زمین اور مافیہا، آپ سب کی طرف بھیجے گئے ہیں۔

اب تفسیر اور حدیث پاک سے قیاس کی ترتیب یوں ہوگی:

۱۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان پر حاضر وناظر ہیں جن کی وہ طرف بھیجے گئے۔ (صغریٰ)

۲۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ساری مخلوق کی طرف بھیجے گئے ہیں۔ (کبریٰ)

۳۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ساری مخلوق پر حاضر و ناظر ہیں۔ (نتیجہ)

اس سے ثابت ہوا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ساری مخلوق پر حاضر و ناظر ہیں۔

دوسری آیت

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا۔ (سورۂ بقرہ، آیت: ۱۴۳)

ترجمہ: اسی طرح ہم نے تمھیں سب اُمتوں میں افضل کیا کہ تم لوگوں پر گواہ ہو اور یہ رسول تمہارے نگہبان و گواہ ہیں۔

اس آیت میں بھی آپ کو شہید فرمایا گیا اور شہید بھی شہادت سے مشتق ہے اور شہادت کا معنی مذکور ہو چکا ہے کہ حضور مع المشاہدہ، لہٰذا شہید کا معنی حاضر و ناظر ہوا۔ ثابت ہوا کہ آپ حاضر و ناظر ہیں۔ شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: باشد رسول شما بر شما گواہ زیرا کہ او مطلع است بنور نبوت ہر رتبہ ہر متدین بدین خود کہ در کدام درجہ از دین من رسیدہ و حقیقت ایمان او چیست وحجابے کہ بداں از ترقی محجوب ماندہ است کدام است۔ پس اوی شناسد گناہانِ شمارو درجات ایمان شمارا و اعمالِ نیک و بد شمارا و اخلاص و نفاق شمارا و، لہٰذا شہادت او در دنیا و آخرت بحکم شرع در حق امت مقبول وواجب العمل است۔ (تفسیر عزیزی، صفحہ:518)

یعنی تمہارا رسول تم پر گواہ ہوگا، اس لیے کہ نبی کریم علیہ السلام اپنے نور نبوت سے ہر دیندار کے درجے کو جانتے ہیں کہ میرے دین کے کس درجے تک پہنچا ہے۔ اس کے ایمان کی حقیقت کیا ہے اور کون سا حجاب اس کی ترقی سے مانع ہے۔ نبی کریم تمہارے گناہوں کو، تمہارے ایمانی درجات کو، تمہارے نیک و بد اعمال کو اور تمہارے اخلاص و نفاق کو پہچانتے ہیں۔ اس لیے ان کی گواہی دنیا و آخرت میں بحکم شرع اُمت کے حق میں قبول اور واجب العمل ہے۔

معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر وقت ہمارے سامنے حاضر ہیں اور ہمارے اعمال نیک و بد سب دیکھتے ہیں اور یہی معنی آپ کے حاضر و ناظر کے ہیں، اگر بد عقیدہ کفر و شرک کا فتویٰ

لگائیں تو پہلے شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ پر لگائیں، اگر ان پر فتویٰ نہیں لگتا تو ہم بے چاروں نے کیا قصور کیا ہے کہ سارے فتوے ہم پر چسپاں کیے جاتے ہیں؟

اعتراض: منکرین يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا اور وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا۔ پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ یہاں لفظ شاہد اور شہید کے معنی حاضر و ناظر کرنا صحیح نہیں، بلکہ شاہد اور شہید کا معنی فقط گواہ ہے، ورنہ ہر وہ شخص جس کے لیے لفظ شاہد استعمال ہوا ہے اس کو حاضر و ناظر ماننا پڑے گا۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے: وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَا۔ (پارہ:12) یعنی اس کے اہل سے شاہد نے شہادت دی۔

چنانچہ لازم آئے گا کہ سیدنا یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پاک دامنی کا شاہد بھی حاضر و ناظر ہو، جو بداہۃً باطل ہے۔ نیز قرآن پاک فرماتا ہے: وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا۔ (سورۂ بقرہ، آیت: ۱۴۳)

ترجمہ: اسی طرح ہم نے تمھیں سب اُمتوں میں افضل کیا کہ تم لوگوں پر گواہ ہو اور یہ رسول تمہارے نگہبان و گواہ ہیں۔

اس سے بھی ثابت ہوا کہ اُمت محمدیہ جو سابقہ اُمتوں پر گواہی دے گی وہ بھی حاضر و ناظر ہو جو بالکل غلط ہے، اسی طرح ہم پڑھتے ہیں: اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔ حالاں کہ ہم نہ اللہ و رسول کو دیکھتے ہیں اور نہ ہی رسول پاک کے سامنے حاضر ہیں، لہٰذا شاہد اور شہید کا معنی فقط گواہ کے ہیں اور حاضر و ناظر اُن کا معنی نہیں ہے۔

جواب: منکرین کے اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ ان آیتوں میں بھی شاہد اور شہید کا معنی تو حاضر و ناظر ہی ہے، جیسا کہ مفردات امام راغب اصفہانی کی عبارت سے ثابت ہے۔ لیکن معترض نے اس بات پر بالکل غور نہیں کیا ہے کہ ہر شاہد و شہید اسی چیز پر حاضر و ناظر ہوگا جس پر وہ شاہد و شہید ہے، مثلاً کوئی شخص آپ کے کسی معاملے کا شاہد (گواہ) ہے، تو اُس شخص کا حاضر و ناظر ہونا اسی واقعے کے ساتھ خاص ہے، نہ یہ کہ وہ تمام واقعات عالم پر حاضر و ناظر ہے۔

معترض نے جو آیتیں معارضے میں پیش کی ہیں اُن میں کوئی بھی شاہد و شہید ایسا مذکور نہیں جس کی شہادت تمام عالم پر منصوص ہو، جب کہ رسول اللہ تمام عالم پر شاہد ہیں: عَلٰى مَنْ اُرْسِلْتُ

اَلَیۡهِمۡ۔ یعنی جن کی طرف آپ رسول ہیں اُن پر شاہد بھی ہیں۔ خود سردار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: اُرۡسِلۡتُ اِلَی الۡخَلۡقِ کَافَّةً. میں تمام مخلوق کی طرف بھیجا گیا ہوں، تو آپ تمام خلق پر شاہد ہیں، اس لیے آپ تمام خلق پر حاضر و ناظر ہیں۔

اعتراض: آپ نے کہا ہے کہ جن پر شاہد ہوگا ان پر حاضر و ناظر ہوگا، حالاں کہ یہ بھی غلط ہے کہ قرآن پاک میں اُمت کو مخاطب فرما کر ارشاد فرمایا گیا: لِتَکُوۡنُوۡا شُهَدَآءَ عَلَی النَّاسِ۔ یعنی ہم نے تم کو اُمت عادل اس لیے بنایا کہ تم لوگوں پر گواہ اور شاہد ہو جاؤ۔

دیکھو اُمت محمدیہ کا تمام لوگوں پر گواہ اور شاہد ہونا ثابت ہوا، اس لیے اُمت محمدیہ تمام لوگوں پر حاضر و ناظر ہوگی۔

جواب: اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ یہ ضروری نہیں کہ کسی لفظ کے مرادی معنی ہر مقام پر ایک ہی ہو، بلکہ اصول یہ ہے کہ جس مقام پر بھی کسی لفظ کے معنی متعین کیے جائیں تو پہلے یہ دیکھا جائے کہ اس مقام میں اس معنی کی تعیین کسی دلیل کے خلاف تو نہیں، اگر کوئی دلیل اس کے خلاف پر قائم نہ ہو، تو وہ معنی یقیناً ثابت ہوں گے اور اگر اس معنی کے خلاف پر کوئی دلیل قائم ہو، تو اُن کے باطل ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ اس اصول کے تحت حضور سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق شاہد و شہید کے الفاظ جو قرآن کریم میں ارشاد ہوئے ہیں اُن کے معنی حاضر و ناظر کے ہی ہیں کیوں کہ اس معنی کے خلاف کوئی دلیل موجود نہیں، بلکہ مفسرین کی تصریحات موجود ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا شاہد ہونا ان تمام مخلوقات پر ہے جن کی طرف آپ رسول بن کر تشریف لائے ہیں، جیسا کہ عَلٰی مَنۡ اُرۡسِلۡتُ اِلَیۡهِمۡ جیسی عبارتیں مفسرین عظام نے بیان کی ہیں۔ یہ دلیل ایک دانشمند مسلمان کو یہ تسلیم کرنے پر مجبور کرتی ہے کہ سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا حاضر و ناظر ہونا عام ہے، اگر اسی قسم کے دلائل اُمت کے حق میں منکرین قائم کر دیں تو یہ تسلیم کر لیں گے کہ اُمت شُهَدَآءَ عَلَی النَّاسِ۔ کی رو سے تمام لوگوں پر حاضر و ناظر ہے۔ حالاں کہ منکرین کے پاس ایسی کوئی دلیل نہیں ہے، بلکہ مفسرین کی تصریح ہے کہ شُهَدَآءَ عَلَی النَّاسِ۔ کے معنی یہ ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کے عادل لوگ قیامت کے دن پہلی اُمتوں پر اس امر کی گواہی دیں گے کہ انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام نے ان تمام احکامات الٰہیہ کی تبلیغ فرما دی

ہے۔ وہ اُمتیں اعتراض کریں گی کہ یہ ہمارے زمانے میں موجود نہ ہونے کی وجہ سے حاضر و ناظر نہ تھے، تو اُن کو ہمارے خلاف گواہی دینے کا کیا حق ہے؟ اس اعتراض پر اُمت محمدیہ یہ نہ کہے گی کہ شہید کے معنی حاضر و ناظر نہیں، بلکہ اُن کے اس اعتراض کا یہ جواب دے گی کہ تبلیغ انبیا علیہم السلام کا یقینی علم ہم کو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے حاصل ہوا ہے جو ہمارے مشاہدے سے زیادہ یقینی ہے، اس لیے ہم گواہی کے اہل ہیں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب اُمت پر شاہد بنائے گا اور آپ اپنے غلاموں کا تزکیہ فرماتے ہوئے اُن کے تمام افعال و اعمال، ایمان و اعتقادیات اور ظواہر و بواطن کی گواہی دیں گے۔ جب مفسرین نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے شاہد ہونے اور آپ کی اُمت کے شاہد ہونے کا ایک معنی مراد نہیں لیے، بلکہ دونوں کی جداگانہ تفسیر فرما دی، تو کسی کو کیا حق حاصل ہے کہ تصریحات مفسرین کے خلاف دونوں کی شہادت کو یکساں قرار دے۔

الغرض نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم شاہد مع المشاہدہ بلا تاویل ہیں اور اُمت محمدیہ کا حضور مع المشاہدہ بتاویل علم یقینی ہے۔ ایسے ہی ہم جب پڑھتے ہیں: اَشۡهَدُ اَنۡ لَّاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشۡهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبۡدُهٗ وَرَسُوۡلُهٗ۔ تو یہاں شہادت یعنی حضور مع المشاہدہ بتاویل علم یقینی ہے۔

تیسری آیت

لَقَدۡ جَآءَکُمۡ رَسُوۡلٌ مِّنۡ اَنۡفُسِکُمۡ عَزِیۡزٌ عَلَیۡهِ مَا عَنِتُّمۡ ۔ (سورۂ توبہ، آیت: 128)

ترجمہ: بے شک تمہارے پاس تم میں سے وہ رسول تشریف لائے جن پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں ہے۔

اس آیت کریمہ میں فرمایا گیا ہے کہ آپ پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں ہے۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمارے تکلیف کی ہر وقت خبر ہے اور آپ حاضر و ناظر ہیں، تبھی تو ہماری تکلیف سے قلب مبارک کو تکلیف ہوتی ہے۔

☆☆☆

اکتیسواں وعظ :2

حضور کے حاضر وناظر ہونے کا ثبوت

(۴) وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ۔ (سورۂ انبیا، آیت: 107)

ترجمہ: ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا۔

فائدہ: عالم، ماسوی اللہ کو کہتے ہیں، خواہ انسان وجنات ہوں یا ملائکہ ہوں، وحوش وطیور ہوں، یا شجر وحجر ہوں، یا زمین وآسمان، سب عالم کے افراد ہیں۔

اس سے بھی ثابت ہوا کہ ہر فرد عالم، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن رحمت میں ہے۔

حضور، رحمت عالم کیوں ہیں؟

یہ بات خوب روشن ہے کہ جب تک رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اصل کائنات اور تمام عالم پر فضل الٰہی کا واسطہ نہ ہوں اس وقت تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے رحمۃ للعالمین ہونے کے کوئی معنی نہیں ہو سکتے۔ بنابریں جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عالم کی اصل قرار پائے تو تمام عالم کے جملہ افراد آپ کی فرع ہوئے۔ پھر جس طرح درخت کی ہر شاخ اور ہر پتہ بلکہ اس کے ہر جزو میں اصل ہی کا ظہور ہوتا ہے، اسی طرح تمام افراد عالم میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی نورانیت اور روحانیت مقدسہ جلوہ گر ہوتی ہے اور عالم کا ذرہ ذرہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت ونورانیت کا جلوہ گاہ ہوگا۔ اس آیت کریمہ کی جو تفسیر صاحب روح المعانی کرتے ہیں اس سے بھی ہمارے مضمون کی تائید ہوتی ہے: وَكَوْنُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَحْمَةً لِّلْجَمِيْعِ بِاعْتِبَارِ اَنَّهٗ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ وَاسِطَةُ الْفَيْضِ الْاِلٰهِيِّ عَلَى الْمُمْكِنَاتِ عَلٰى حَسَبِ الْقَوَابِلِ وَلِذَا كَانَ نُوْرُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوَّلَ الْمَخْلُوْقَاتِ فَفِي الْخَبَرِ اَوَّلُ مَا خَلَقَ

اللّٰهُ تَعَالٰى نُوْرُ نَبِيِّكَ يَا جَابِرُ وَجَاءَ اللّٰهُ الْمُعْطِيْ وَاَنَا الْقَاسِمُ وَلِلصُّوْفِيَّةِ قُدِّسَتْ اَسْرَارُهُمْ فِيْ هٰذَا الْفَصْلِ كَلَامٌ فَوْقَ ذٰلِكَ۔ (روح المعانی، پارہ: 17، صفحہ: 96)

یعنی تمام جہانوں کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا رحمت ہونا اس اعتبار سے ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کل کائنات پر اُن کی قابلیت واستعداد کے موافق فیض الٰہی کا واسطۂ عظمیٰ ہیں، اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نور اول مخلوقات ہے، (کیوں کہ اصل کا وجود فرع سے پہلے ہوتا ہے) حدیث پاک میں ہے: اے جابر! اللہ تعالیٰ نے تیرے نبی کا نور سب سے پہلے پیدا فرمایا اور دوسری حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ عطا کرنے والا ہے اور میں تقسیم کرنے والا ہوں اور حضرات صوفیائے کرام کا کلام اس بیان میں ہمارے کلام سے بڑھ چڑھ کر ہے۔

فائدہ: اس تفسیر کی روشنی میں یہ حقیقت آفتاب سے زیادہ روشن ہوگئی کہ تمام افراد ممکنات کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا رابطہ اور تعلق ہے، جس کے بغیر وصول فیض ممکن نہیں، جب سب کا ربط آپ سے ہے تو آپ کسی سے دور نہیں ہیں اور نہ ہی کسی فرد ممکن سے بے خبر ہیں، بلکہ عرش سے فرش تک تمام مخلوقات وممکنات پر آپ حاضر وناظر ہیں۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: سریانِ حقیقت محمدیہ است در ذرائر موجودات وافراد ممکنات۔ (اشعۃ اللمعات، جلد اول صفحہ: 401)

یعنی حقیقت محمدیہ تمام موجودات کے ذرات اور افراد ممکنات میں جاری وساری ہے۔

اسی طرح کتب احادیث بھی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حاضر وناظر ہونے پر ناطق وشاہد ہیں۔ یہاں چند احادیث کریمہ پیش ہیں تاکہ معنی خوب واضح ہوجائے:

حدیث اول: عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ رَّاٰنِيْ فِي الْمَنَامِ فَسَيَرَانِيْ فِي الْيَقْظَةِ وَلَا يَتَمَثَّلُ الشَّيْطَانُ بِيْ۔ (متفق علیہ، مشکوٰۃ، صفحہ: 394)

حضرت ابو ہریرہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے مجھے خواب میں دیکھا وہ عنقریب مجھے بیداری میں بھی دیکھے گا اور شیطان میرا ہم شکل نہیں ہوسکتا۔

فائدہ: اس حدیث پاک کے معنی واضح ہیں کہ آقائے دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم جس غلام کو عالم خواب میں اپنی زیارت سے شرف فرماتے ہیں اُس کو عالم بیداری میں بھی اپنی زیارت

سے مشرف فرماتے ہیں، اور یہ بات واضح ہے کہ ایک رات میں متعدد غلام مختلف ملکوں میں آپ کے دیدار سے مشرف ہوتے ہیں تو ایک وقت میں وہ متعدد غلام مختلف امکنہ میں حالت بیداری میں اپنے آقا و مولیٰ کی زیارت سے مشرف ہوں گے، اگر نبی کریم حاضر و ناظر نہیں ہیں تو یہ عشاق متعدد امکنہ میں کس کی زیارت کرتے ہیں، اور آپ کی بشارت ان کے حق میں کیسے پوری ہوگی؟

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اسی حدیث پاک کے تحت لکھتے ہیں:

ایں بشارت است برائے آں جمال او را در خواب کہ آخر بعد از ارتفاع کدورات نفسانیہ وقطع علائق جسمانیہ بمرتبہ برسند کہ بے حجاب کشفا و عیانا در بیداری ایں سعادت فائز باشند، چنانچہ اہل خصوص از اولیا را می باشد و برایں معنی ایں حدیث دلیل می شود بر صحت رویت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم در یقظہ۔ (اشعۃ اللمعات، جلد ثالث، صفحہ:64)

ترجمہ: یہ بشارت ان کے لیے ہے جو آپ کے جمال کو خواب میں دیکھتے ہیں کہ وہ آخر نفسانی تاریکیوں کے بعد اور جسمانی موانع ختم ہونے کے بعد اس مرتبے پر پہنچتے ہیں کہ بغیر حجاب ظاہر و باہر حالت بیداری میں اس سعادت سے بہرہ مند ہوں گے، جیسا کہ خاص مردان خدا جو اولیاء اللہ ہیں انھیں (عالم بیداری میں) زیارت ہوتی ہے، اس معنی کی بنا پر یہ حدیث دلیل ہے کہ بیداری میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت صحیح اور درست ہے۔

حضرت ابن عباس کا بیداری میں دیدار کرنا

حضرت ابن عباس کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت خواب میں کی اور جب بیدار ہوئے تو یہ حدیث یاد آئی کہ آقائے دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

مَنْ رَآنِي فِي الْمَنَامِ فَسَيَرَانِي فِي الْيَقَظَةِ. پھر امیدوار ہوئے کہ یہ نعمت حالت بیداری میں حاصل ہوگی۔ آپ ام المومنین میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تشریف لائے، انھوں نے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ آئینہ اُن کو عطا فرمایا جس میں آپ اپنا چہرۂ مبارک دیکھتے تھے، تاکہ ابن عباس اس میں نظر کریں۔ جب ابن عباس نے اس آئینے میں نظر کی تو سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت پاک نظر آئی اور اپنی صورت نظر نہ آئی۔

(اشعۃ اللمعات، جلد ثالث، صفحہ:641)

شیخ ابوالعباس قسطلانی کا بیداری میں دیدار کرنا

در آمد شیخ ابوالعباس قسطلانی بر آں حضرت، پس دعا کرد آں حضرت او را و فرمود: أَخَذَ اللّٰهُ بِيَدِكَ يَا أَحْمَدُ. (اشعۃ اللمعات، جلد ثالث، صفحہ:640)

یعنی شیخ ابوالعباس قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ خدمت رسول میں حاضر ہوئے تو آپ نے ان کے لیے دعا کی اور فرمایا کہ احمد! اللہ تعالیٰ تیرے ہاتھ تھامے۔

شیخ ابوالمسعود کا بیداری میں دیدار کرنا

از شیخ ابوالمسعود آوردہ کہ مصافحہ می کرد آنحضرت را بعد از ہر نماز۔ (اشعۃ اللمعات، ج:۳، صفحہ:640) یعنی شیخ ابوالمسعود سے منقول ہے کہ وہ ہر نماز کے بعد رحمت دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم سے مصافحہ کرتے تھے۔

غوث الثقلین کا بیداری میں دیدار کرنا

روزے غوث الثقلین عبدالقادر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بر کرسی نشستہ بود وعظ می فرمود قریب دہ ہزار کس در پایۂ وعظ وے حاضر و شیخ علی بن ہیتی در زیر پائے کرسی شیخ نشست گاہ شیخ علی بن ہیتی را خواب برد، پس شیخ عبدالقادر قوم را فرمود: اُسْكُتُوا. پس ہمہ ساکت شدند تا آنکہ جز انفاس از ایشاں شنیدہ نمی شد، پس فرود آمد شیخ از کرسی و بایستاد باادب پیش شیخ علی مذکور و می نگریست در وے پس بیدار شد شیخ علی و گفت شیخ عبدالقادر باوے کہ دیدی تو آنحضرت را خواب گفت نعم فرمود ازیں جہت ادب ورزیدم با تو وایستادم در پیش تو فرمود بچہ وصیت کرد ترا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گفت بملازمت من مجلس ترا پس شیخ علی گفت آنچہ من در خواب دیدم شیخ عبدالقادر در بیداری دید و روایت کردہ اند کہ ہفت کس از مردان راہ در آں روز انہ عالم رفتند رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔ (اشعۃ اللمعات، جلد ثالث، صفحہ:640)

یعنی ایک دن غوث الثقلین شیخ عبدالقادر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کرسی پر بیٹھے وعظ فرما رہے تھے

اوردس ہزار کے قریب اشخاص آپ کے وعظ میں حاضر تھے۔ شیخ علی بن ہیتی رحمۃ اللہ علیہ آپ کی کرسی کے نیچے بیٹھے ہوئے تھے کہ شیخ علی بن ہیتی کو نیند آگئی۔ حضرت شیخ عبدالقادر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قوم سے فرمایا کہ چپ ہوجاؤ، سب خاموش ہوئے یہاں تک کہ ان کی سانسوں کے سوا کچھ سنائی نہ دیتا تھا۔ حضرت شیخ عبدالقادر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کرسی سے اتر کر باادب شیخ مذکور کے سامنے کھڑے ہوگئے اور اُن کی طرف دیکھنے لگے۔ جب شیخ علی بن ہیتی بیدار ہوئے تو شیخ عبدالقادر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے فرمایا کہ کیا تم نے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا؟ انھوں نے کہا کہ ہاں! فرمایا کہ اسی لیے میں تجھ سے ادب سے پیش آیا اور تیرے سامنے کھڑا ہوگیا۔ پھر پوچھا کہ سرکار نے تم کو کیا وصیت کی؟ عرض کیا: فرمایا کہ آپ کی مجلس کو لازم پکڑلوں۔ پھر شیخ علی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ جو کچھ میں نے خواب میں دیکھا ہے، شیخ عبدالقادر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیداری میں دیکھا ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ سات کامل مردوں نے اس روز انتقال فرمایا۔ (رحمۃ اللہ علیہم اجمعین)

فائدہ: اس روایت سے یہ مسئلہ روز روشن کی طرح واضح ہوجاتا ہے کہ حالت بیداری میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوتی ہے۔

اسی طرح ایک روایت ''بہجۃ الاسرار'' میں بھی درج ہے کہ 605ھ میں جس دن شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کی مجلس وعظ میں دس ہزار آدمی تھے اور شیخ علی بن ہیتی، شیخ کے سامنے کرسی کے نیچے بیٹھے ہوئے تھے کہ ان کو نیند آگئی۔ شیخ عبدالقادر رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے فرمایا کہ خاموش رہو، سب لوگ خاموش ہوگئے، یہاں تک کہ سوائے سانسوں کے اور کچھ نہیں سنا جاتا تھا، پھر آپ کرسی سے نیچے اترے اور شیخ علی کے سامنے باادب کھڑے ہوگئے اور اُن کی طرف دیکھنا شروع کردیا، جب شیخ علی بن ہیتی بیدار ہوئے تو شیخ نے فرمایا کہ کیا تو نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا ہے؟ انھوں نے عرض کیا: ہاں! فرمایا کہ اسی لیے میں نے ادب اختیار کیا، پھر پوچھا کہ نبی کریم نے تجھے کیا وصیت کی؟ انھوں عرض کیا: آپ کی ملازمت کا حکم دیا ہے۔ پھر شیخ علی نے شیخ عبدالقادر سے کہا کہ جن کو میں نے خواب میں دیکھا ان کو آپ نے بیداری میں دیکھا۔ راوی کا بیان ہے کہ اس دن سات آدمی اسی مجلس میں انتقال کر گئے اور بعض

کو بے ہوشی کی حالت میں اپنے گھر کی طرف اٹھا کر لایا گیا، یہ لوگ بھی اسی دن وفات پا گئے۔

دوسری روایت

حضرت غوث الثقلین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیداری میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی ہے۔ آپ نے خود بیان فرمایا ہے: رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَبْلَ الظُّھْرِ یَوْمَ الثُّلَثَاءِ السَّادِسَ عَشَرَ مِنْ شَوَّالٍ سَنَةَ اِحْدیٰ وَعِشْرِیْنَ وَخَمْسِ مِائَةٍ فَقَالَ لِیْ یَا بُنَیَّ لِمَ لَا تَتَکَلَّمُ قُلْتُ یَا اَبَتَاهُ اَنَا رَجُلٌ اَعْجَمِیٌّ کَیْفَ اَتَکَلَّمُ عَلٰی فُصَحَاءِ الْعَرَبِ بِبَغْدَادَ، قَالَ لِیْ اِفْتَحْ فَاكَ فَفَتَحْتُهٗ فَتَفَلَ فِیْهِ سَبْعًا وَّقَالَ لِیْ تَکَلَّمْ عَلَی النَّاسِ وَادْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّكَ بِالْحِکْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ فَصَلَّیْتُ الظُّھْرَ وَجَلَسْتُ وَحَضَرَنِیْ خَلْقٌ کَثِیْرٌ فَارْتُجَّ عَلَیَّ فَرَاَیْتُ عَلِیَّ بْنَ اَبِیْ طَالِبٍ کَرَّمَ اللّٰہُ وَجْھَهٗ قَائِمًا بِاِزَائِیْ فِی الْمَجْلِسِ فَقَالَ لِیْ یَا بُنَیَّ لِمَ لَا تَتَکَلَّمُ فَقُلْتُ یَا اَبَتَاهُ قَدْ اُرْتُجَّ عَلَیَّ فَقَالَ افْتَحْ فَاكَ فَفَتَحْتُهٗ فَتَفَلَ فِیْهِ سِتًّا فَقُلْتُ لِمَ لَا تُکَمِّلُهَا سَبْعًا فَقَالَ اَدَبًا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ. ثُمَّ تَوَارٰی عَنِّیْ فَقُلْتُ غَوَّاصُ الْفِکْرِ یَغُوْصُ فِیْ بَحْرِ الْقَلْبِ عَلٰی دُرِّ الْمَعَارِفِ فَیَسْتَخْرِجُھَا اِلٰی سَاحِلِ الصَّدْرِ فَیُنَادِیْ عَلَیْھَا سِمْسَارُ تَرْجُمَانِ اللِّسَانِ فَتُشْتَرٰی بِنَفَائِسِ اَثْمَانِ حُسْنِ الطَّاعَةِ فِیْ بُیُوْتٍ اَذِنَ اللّٰہُ اَنْ تُرْفَعَ قَالُوْا ھٰذَا اَوَّلُ کَلَامٍ تَکَلَّمَ بِهِ الشَّیْخُ لِلنَّاسِ عَلَی الْکُرْسِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْهُ۔

(بہجۃ الاسرار، صفحہ:25، فتاویٰ حدیثیہ، صفحہ:256، قلائد الجواہر، صفحہ:13)

یعنی میں نے ظہر سے پہلے منگل کے روز سولہویں شوال 521ھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا۔ آپ نے مجھے فرمایا کہ بیٹے! تم وعظ کیوں نہیں کہتے؟ میں نے عرض کیا کہ میرے والد بزرگوار! میں ایک عجمی شخص ہوں، فصحائے بغداد کے سامنے کس طرح کلام کروں۔ پھر مجھ سے فرمایا کہ اپنا منھ کھولو! میں نے اپنا منھ کھولا تو آپ نے سات مرتبہ میرے منھ میں اپنا لعاب شریف ڈالا اور مجھ سے فرمایا کہ لوگوں کو وعظ سناؤ اور اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور اچھے وعظ سے بلاؤ۔ اس کے بعد میں نے ظہر کی نماز ادا کی اور بیٹھا تو میرے پاس ایک بڑی مخلوق جمع ہوگئی

جس سے میں کچھ مرعوب ہو گیا۔ اس کے بعد میں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو دیکھا کہ مجلس میں میرے سامنے کھڑے ہیں اور مجھ سے فرماتے ہیں کہ اے بیٹے! وعظ کیوں نہیں کہتے؟ میں نے عرض کیا کہ اے والد بزرگوار! میں کچھ مرعوب سا ہو گیا ہوں۔ انھوں نے فرمایا کہ اپنا منھ کھولو، میں نے منھ کھولا تو آپ نے چھ دفعہ اس میں لعاب دہن شریف ڈالا۔ میں نے عرض کیا کہ آپ نے پورے سات مرتبہ کیوں نہیں لعاب دہن ڈالا؟ تو انھوں نے فرمایا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب کرتا ہوں، پھر آپ پوشیدہ ہو گئے۔ جب میں نے وعظ کہنا شروع کیا تو غواص فکر دریا کے دل میں معارف حقائق کے موتیوں پر غوطے لگاتا تھا اور ساحل کے سینے پر اُن کو نکالتا تھا اور زبان مترجم کو پکارتا تھا۔ حسن طاعت کے نفیس ثمن کے ساتھ خریدے جاتے تھے اُن گھروں میں کہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ بلند ہوں۔ راوی کا بیان ہے کہ یہ پہلی گفتگو ہے جو شیخ نے لوگوں کے سامنے کرسی پر کی تھی۔

تیسری روایت

سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بیداری میں دیکھا۔ شیخ خود فرماتے ہیں: رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِبَغْدَادِ وَاَنَا عَلَی الْکُرْسِیِّ وَھُوَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رَاکِبٌ وَمُوْسٰی عَلَیْہِ السَّلَامُ اِلٰی جَانِبِہٖ فَقَالَ یَا مُوْسٰی اَفِیْ اُمَّتِکَ رَجُلٌ ھٰکَذَا قَالَ: لَا فَقَالَ لِیْ یَا عَبْدَالْقَادِرِ وَھُوَ فِی الْھَوَاءِ فَعَانَقَنِیْ وَاَلْبَسَنِیْ خِلْعَۃً کَانَتْ عَلَیْہِ وَقَالَ ھٰذِہِ الْخِلْعَۃُ الْقُطْبِیَّۃُ عَلَی الرِّجَالِ وَالْاَبْدَالِ ثُمَّ تَفَلَ فِیْ فَمِیْ ثَلَاثًا وَرَدَّنِیْ اِلَی الْمِنْبَرِ۔ (قلائد الجواہر، صفحہ:22)

یعنی میں نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو بغداد میں اس حال میں دیکھا کہ میں کرسی پر تھا اور آپ سوار تھے اور موسیٰ علیہ السلام آپ کے ایک جانب تھے۔ آپ نے فرمایا کہ اے موسیٰ! کیا تمہاری اُمت میں ان جیسا کوئی مرد ہے؟ حضرت موسیٰ نے عرض کیا کہ نہیں ہے۔ پھر آپ نے مجھ سے فرمایا کہ اے عبدالقادر! حالاں کہ آپ ہوا میں تھے میرے ساتھ معانقہ کیا اور مجھے وہ جوڑا پہنایا جو آپ پر تھا اور فرمایا کہ اس خلعت میں قطبیت ہے جو مردان خدا اور ابدالوں کو

پہنائی جاتی ہے، پھر آپ نے میرے منھ میں تین مرتبہ لعاب دہن ڈالا اور پھر منبر پر واپس کر دیا۔

چوتھی روایت

حضرت غوث الثقلین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو بیداری میں دیکھا۔ شیخ بقا ابن بطو رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں:

حَضَرْتُ مَجْلِسَ الشَّیْخِ عَبْدِالْقَادِرِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ مَرَّۃً فَبَیْنَمَا ھُوَ یَتَکَلَّمُ عَلَی الْمِرْقَاۃِ الثَّانِیَۃِ فَشَاھَدْتُ اَنَّ الْمِرْقَاۃَ الْاُوْلٰی قَدِ اتَّسَعَتْ حَتّٰی صَارَتْ مَدَّ الْبَصَرِ وَفُرِشَتْ مِنَ السُّنْدُسِ الْاَخْضَرِ وَجَلَسَ عَلَیْھَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاَبُوْبَکْرٍ وَعُمَرُ وَعُثْمَانُ وَعَلِیٌّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَتَجَلَّی الْحَقُّ سُبْحَانَہٗ عَلٰی قَلْبِ الشَّیْخِ عَبْدِالْقَادِرِ فَمَالَ حَتّٰی کَادَ یَسْقُطُ فَاَمْسَکَہٗ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لِئَلَّا یَقَعَ ثُمَّ تَصَاغَرَ حَتّٰی صَارَ کَالْعُصْفُوْرِ ثُمَّ نَمَا حَتّٰی صَارَ عَلٰی صُوْرَۃٍ ھَائِلَۃٍ ثُمَّ تَوَارٰی عَنِّیْ ھٰذَا کُلُّہٗ فَسُئِلَ الشَّیْخُ بَقَا عَنْ رُؤْیَۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاَصْحَابِہٖ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ فَقَالَ اَرْوَاحُھُمْ تَشَکَّلَتْ وَاَنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی اَیَّدَھُمْ بِقُوَّۃٍ یَظْھَرُوْنَ بِھَا فَیَرَاھُمْ مَنْ قَوَّاہُ اللّٰہُ تَعَالٰی لِرُؤْیَتِہِمْ فِیْ صُوْرَۃِ الْاَجْسَادِ وَصِفَاتِ الْاَعْیَانِ بِدَلِیْلِ حَدِیْثِ الْمِعْرَاجِ۔ (بہجۃ الاسرار، صفحہ:97؛ قلائد الجواہر، صفحہ:75)

یعنی ایک دفعہ میں شیخ عبدالقادر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مجلس میں حاضر ہوا، اس وقت آپ ممبر کی دوسری سیڑھی پر وعظ فرما رہے تھے۔ میں نے دیکھا کہ پہلی سیڑھی منتہائے نظر تک وسیع ہو گئی، اور اُس پر سبز سندس کا فرش بچھ گیا، پھر رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے جلوس فرمایا، اور اللہ تعالیٰ نے حضرت شیخ عبدالقادر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قلب پر تجلی ڈالی تو آپ مائل ہوئے، قریب تھا کہ آپ گر پڑتے، مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو تھام لیا، تاکہ آپ گر نہ پڑیں، پھر آپ بہت چھوٹے ہو گئے، یہاں تک کہ چڑیا کی مانند ہو گئے، پھر آپ بڑھ گئے، یہاں تک کہ ایک ہیبت ناک صورت میں آ گئے، پھر مجھ سے یہ سب کچھ غائب ہو گیا۔

اس کے بعد میں (شیخ بقا) نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب رضی اللہ

تعالیٰ عنہم کے دیکھنے کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ ان کے ارواح ظاہری صورت اختیار کرلیتے ہیں کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ قوت عطا فرمائی ہے، جس کے سبب وہ ظاہر ہوتے ہیں۔ چنانچہ جس کو اللہ تعالیٰ نے طاقت عطا فرمائی ہے وہ اُن کو جسمانی صورت میں اور خارجی صفت میں دیکھیں تو وہ اُن کو دیکھتے ہیں اور حدیث معراج اس پر دلیل ہے۔

فائدہ: الغرض کئی مرتبہ شہنشاہ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت غوث الثقلین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مجلس میں حالت بیداری میں جلوہ گر ہو کر اپنی زیارت سے مشرف فرمایا ہے۔ حضرت شیخ ابوسعید قیلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرَهٗ مِنَ الْأَنْبِيَاءِ صَلَوَاتُ اللّٰهِ عَلَيْهِمْ فِيْ مَجْلِسِ الشَّيْخِ عَبْدِالْقَادِرِ غَيْرَ مَرَّةٍ وَأَنَّ أَرْوَاحَ الْأَنْبِيَاءِ صَلَوَاتُ اللّٰهِ عَلَيْهِمْ فِي السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ تَجُوْلُ جَوَلَانَ الرِّيَاحِ فِي الْآفَاقِ وَرَأَيْتُ الْمَلٰئِكَةَ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ يَحْضُرُوْنَهٗ طَوَائِفَ بَعْدَ طَوَائِفَ وَرَأَيْتُ رِجَالَ الْغَيْبِ وَالْجَانَّ يَتَسَابَقُوْنَ إِلٰى مَجْلِسِهٖ وَرَأَيْتُ أَبَا الْعَبَّاسِ الْخِضْرَ يُكْثِرُ مِنْ حُضُوْرِهٖ فَسَأَلْتُهٗ فَقَالَ مَنْ أَرَادَ الْفَلَاحَ فَعَلَيْهِ بِمُلَازَمَةِ هٰذَا الْمَجْلِسِ۔ (بہجۃ الاسرار، صفحہ:95، قلائد الجواہر، صفحہ:74)

یعنی میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے انبیا صلوٰۃ اللہ علیہم کو شیخ عبدالقادر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مجلس میں کئی مرتبہ دیکھا اور یہ حق ہے کہ انبیا صلوٰۃ اللہ علیہم آسمانوں اور زمین میں ایسے گھومتے ہیں جیسے ہوا اطراف میں گھومتی ہے۔ میں نے فرشتوں کو دیکھا کہ آپ کے پاس جماعت در جماعت حاضر ہوتے ہیں، پھر میں نے دیکھا کہ رجال غیب اور جنات آپ کی مجلس میں ایک دوسرے پر سبقت کرتے ہیں اور میں نے یہ بھی دیکھا کہ حضرت ابوالعباس خضر بکثرت حاضر ہوتے ہیں۔ جب میں نے اس کی وجہ پوچھی، تو فرمایا کہ جسے فلاح مطلوب ہے وہ اس مجلس میں ہمیشہ آئے گا۔

امام غزالی کا عقیدہ

امام غزالی لکھتے ہیں:

فِيْ كِتَابِ الْمُنْقِذِ مِنَ الضَّلَالَةِ لِحُجَّةِ الْإِسْلَامِ بَعْدَ مَدْحِ الصُّوْفِيَّةِ وَبَيَانِ أَنَّهُمْ خَيْرُ الْخَلْقِ حَتّٰى أَنَّهُمْ وَهُمْ يَقْظَةٌ يُشَاهِدُوْنَ الْمَلٰئِكَةَ وَأَرْوَاحَ الْأَنْبِيَاءِ وَيَسْمَعُوْنَ مِنْهُمْ أَصْوَاتًا وَيَقْتَبِسُوْنَ مِنْهُمْ فَوَائِدَ۔ (فتاویٰ حدیثیہ، ص:255، اشعۃ اللمعات، ج:۳، ص:639)

یعنی حجۃ الاسلام نے اپنی کتاب ”المنقذ من الضلالۃ“ میں بعد مدح صوفیا اور اس بیان کے کہ وہ بہترین مخلوق ہیں، لکھا ہے کہ یہ حضرات بیداری میں ملائکہ اور ارواح انبیا کا مشاہدہ کرتے ہیں اور ان سے آوازیں سنتے ہیں اور اُن سے فوائد حاصل کرتے ہیں۔

خاتم المحدثین شیخ احمد شہاب الدین ابن حجر ہیثمی مکی کا عقیدہ

آپ سے کسی نے سوال کیا کہ کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اجتماع اور آپ سے فوائد حاصل کرنا بیداری میں ممکن ہے، تو آپ نے یہ جواب دیا: نَعَمْ يُمْكِنُ ذٰلِكَ فَقَدْ صَرَّحَ بِأَنَّ ذٰلِكَ مِنْ كَرَامَاتِ الْأَوْلِيَاءِ الْغَزَالِيُّ وَالْبَارِزِيُّ وَالتَّاجُ السُّبْكِيُّ وَالْعَفِيْفُ الْيَافِعِيُّ مِنَ الشَّافِعِيَّةِ وَالْقُرْطُبِيُّ وَابْنُ أَبِيْ جَمْرَةَ مِنَ الْمَالِكِيَّةِ وَقَدْ حُكِيَ عَنْ بَعْضِ الْأَوْلِيَاءِ أَنَّهٗ حَضَرَ مَجْلِسَ فَقِيْهٍ فَرَوٰى ذٰلِكَ الْفَقِيْهُ حَدِيْثًا فَقَالَ لَهُ الْوَلِيُّ هٰذَا الْحَدِيْثُ بَاطِلٌ قَالَ وَمِنْ أَيْنَ لَكَ هٰذَا قَالَ هٰذَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاقِفٌ عَلٰى رَأْسِكَ يَقُوْلُ إِنِّيْ لَمْ أَقُلْ هٰذَا الْحَدِيْثَ وَكُشِفَ لِلْفَقِيْهِ فَرَآهُ۔ (فتاویٰ حدیثیہ، صفحہ:254)

یعنی ہاں! یہ اجتماع ممکن ہے، کیوں کہ یہ کرامات اولیا ہے۔ امام غزالی، بارزی، تاج سبکی، امام یافعی شافعی، امام قرطبی اور ابن ابی جمرہ مالکی رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے بعض اولیا سے حکایت کی ہے کہ وہ ایک فقیہ کی مجلس میں حاضر ہوئے تو فقیہ نے ایک حدیث روایت کی۔ ولی نے ان سے کہا کہ یہ حدیث باطل ہے، تو فقیہ نے کہا کہ تجھے کیسے معلوم ہے کہ یہ باطل ہے؟ ولی نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سر پر تشریف فرما ہیں اور فرما رہے ہیں کہ میں نے یہ حدیث بیان

نہیں فرمائی۔ فقیہ کو بھی کشف ہوا اور اس نے بھی نبی کریم کو اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا۔

فائدہ: اس فتویٰ سے صراحتاً ثابت ہوتا ہے کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس ولی اور فقیہ کے سامنے حاضر و ناظر تھے اور پھر اس مسئلے پر اتنے بڑے مستند اور جید علما کی تصریح بھی ثابت ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ حدیث مذکور کی تشریح فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

نعم از بعضے صالحین حکایات دریں باب آمدہ وبصحت رسیدہ وحکایات درروایات مشائخ بسیار است نزدیک بحد تواتر رسیدہ ومنکر ایں حال تصدیق بکرامات اولیا دار دیاندارد ساقط شد بحث باوے زیرا کہ وے منکرست زیرا کہ اثبات کردہ اند کتاب وسنت واگر دارد ایں از جملہ کرامات است باعث انکار چیست۔ (اشعۃ اللمعات، جلد ثالث، صفحہ:639)

یعنی ہاں! بعض بزرگوں سے اس باب میں حالت بیداری میں دیکھنے کی روایات آئی ہیں جو صحت کو پہنچی ہیں اور بزرگان دین کی یہ حکایات وروایات بہت ہیں جو حد تواتر کو پہنچی ہیں اور منکر کرامات اولیا کی تصدیق کرتا ہے یا نہیں، اگر تصدیق نہیں کرتا تو اس سے بحث ساقط ہے۔ اس لیے کہ وہ منکر ہے ایسی چیز کا جس کا اثبات قرآن وحدیث نے کیا ہے، اگر تصدیق کرتا ہے تو یہ بھی منجملہ کرامات سے ہے تو انکار کا سبب کیا ہے؟

فائدہ: شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے فیصلہ فرمادیا کہ اولیا کی کرامات کا قائل اس بات کو جانتا ہے کہ حالت بیداری میں سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوسکتی ہے اور منکر کرامت اس کا انکار کرتا ہے۔ الحمدللہ! حدیث پاک کی قدرے وضاحت ہوئی جس سے ایمان کی کلیاں کھل گئیں۔

☆☆☆

بتیسواں وعظ:3

حضور کے حاضر وناظر ہونے کا ثبوت

دوسری حدیث

حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فَإِذَا جَلَسَ أَحَدُكُمْ فِي الصَّلٰوةِ فَلْيَقُلْ اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوٰتُ وَالطَّيِّبَاتُ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ. (متفق علیہ، مشکوۃ، صفحہ:85)

ترجمہ: تم میں کوئی جب نماز میں قعدہ میں بیٹھے، تو یہ کہے کہ تمام قولیہ، بدنیہ اور مالیہ عبادتیں اللہ کے لیے ہیں۔ اے نبی! تجھ پر سلام ہو اور اللہ کی رحمت وبرکت۔

فائدہ: اس حدیث کے مطابق ہر مسلمان نماز میں سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے سلام عرض کرتا ہے، اگر آپ وہاں حاضر نہ ہوں تو یہ خطاب وندا کیسی؟ اور سلام کا کیا مطلب؟ معلوم ہوا کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم ہر نمازی کے سامنے حاضر وناظر ہیں جس کی وجہ سے نمازی آپ کو خطاب وندا کر کے سلام عرض کرتا ہے اور یہ بات میں خود سے نہیں کہہ رہا ہوں، بلکہ اس پر علما وصوفیا کی تصریحات باہرہ موجود ہیں۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی تشریح

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں: نیز آں ہمیشہ نصب العین موٴمناں وقرۃ العین عابداں است در جمیع احوال واوقات خصوصاً در حالت عبادت وآخرآں کہ وجود نورانیت وانکشاف دریں محل بیشتر وقوی ترست وبعضے از عرفا گفتہ اند کہ ایں خطاب بجہت

سریاں حقیقت محمدیہ است در ذرائر موجودات وافراد ممکنات پس آں حضرت در ذات مصلیاں موجود و حاضر است پس مصلی باید کہ ازیں معنی آگاہ باشد وازیں شہود غافل نبود تا بانوار قرب واسرار معرفت متنور وفائض گردد۔ (اشعۃ اللمعات، ج:۱،ص:140، مدارج، ج:۱،ص:165)

یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ مومنوں کا نصب العین اور عابدوں کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہیں، تمام احوال واوقات میں خصوصاً حالت عبادت میں اور اس کے آخر میں کہ نورانیت اور انکشاف کا وجود اس مقام میں بہت زیادہ اور قوی ہوتا ہے اور بعض عرفا نے فرمایا ہے کہ یہ خطاب اس وجہ سے ہے کہ حقیقت محمدیہ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ تمام موجودات کے ذرات اور افراد ممکنات میں جاری وساری ہے۔ چنانچہ نبی کریم نمازیوں کی ذات میں موجود اور حاضر ہیں، لہٰذا نمازی کو چاہیے کہ اس معنی سے آگاہ رہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حاضر ہونے سے غافل نہ ہو، تاکہ انوار قرب اور اسرار معرفت سے روشن اور فیضیاب ہو۔

فائدہ: شیخ محقق محدث دہلوی کی اس تحقیق وتصریح سے ثابت ہوتا ہے کہ عرفا کے نزدیک حقیقت محمدیہ موجودات کے ذرّے اور ممکنات کے ہر ہر فرد میں موجود ہے، تواب بتاؤ کہ ہر جگہ موجود ہونا اور حاضر وناظر ہونا اور کس کو کہتے ہیں؟ درحقیقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر جگہ جلوہ گری قدرت الٰہی کی ایک شان کا ظہور ہے۔ معلوم ہوا کہ بدعقیدہ حقیقت میں قدرت الٰہی کے شان سے ناواقف ہیں، مگر حضرت شیخ کا پہلا جملہ قابل غور ہے جو یہ فرمایا کہ ”آنحضرت ہمیشہ نصب العین مومناں است۔“ اس عبارت سے جیسے یہ معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ مومنوں کی نظر کے سامنے ہیں اور اہل ایمان کو ہمیشہ یہ دولت میسر ہے۔ ایسے ہی یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ دیدار نبی، اہل ایمان کا حصہ ہے، بے دین کور باطن اُلّو کی طرح آفتاب نبوت کے انوار سے محروم ہیں، اس لیے اگر کوئی کور باطن انکار کرے تو وہ اپنی نابینائی کی شہادت دیتا ہے۔

امام غزالی کی تشریح

حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نماز کی باطنی شرطوں میں فرماتے ہیں:

وَأَحْضِرْ فِيْ قَلْبِكَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَشَخْصَهُ الْكَرِيْمَ وَقُلِ السَّلَامُ

عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ۔ (احیاء العلوم، جلد اول، صفحہ:175)

ترجمہ: اپنے دل میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ کی ذات پاک کو حاضر جان اور یہ کہو:

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ۔

فائدہ: حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ تشہد میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر وناظر مان کر آپ پر سلام عرض کرنے کی تصریح فرمارہے ہیں جو بدعقیدوں کے نزدیک ڈبل شرک ہے، مگر اہل ایمان کے نزدیک عین ایمان ہے۔ اس تصریح سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حاضر وناظر ہونے میں کوئی شبہ باقی نہیں رہتا۔

امام عبدالوہاب شعرانی کی تشریح

سیدی امام عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ تشہد کے بیان میں لکھتے ہیں:

سَمِعْتُ سَيِّدِيْ عَلِيًّا الْخَوَّاصَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى يَقُوْلُ إِنَّمَا أَمَرَ الشَّارِعُ الْمُصَلِّيَ بِالصَّلٰوةِ وَالسَّلَامِ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي التَّشَهُّدِ لِيُنَبِّهَ الْغَافِلِيْنَ فِيْ جُلُوْسِهِمْ بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ عَلٰى شُهُوْدِ نَبِيِّهِمْ فِيْ تِلْكَ الْحَضْرَةِ فَإِنَّهٗ لَا يُفَارِقُ حَضْرَةَ اللّٰهِ تَعَالٰى أَبَدًا فَيُخَاطِبُوْنَهٗ بِالسَّلَامِ مُشَافَهَةً۔ (میزان کبریٰ، صفحہ:167)

ترجمہ: میں نے سیدی علی خواص رحمۃ اللہ علیہ سے سنا وہ فرماتے تھے کہ شارع نے تشہد میں نمازی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام پڑھنے کا حکم صرف اس لیے دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں بیٹھنے والے غافلوں کو اس بات پر تنبیہ فرمادے کہ جہاں وہ بیٹھے ہیں ان کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف فرما ہیں، اس لیے کہ وہ دربار الٰہی سے کبھی جدا نہیں ہوتے۔ نمازی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بالمشافہ سلام کے ساتھ خطاب کرتے ہیں۔

فائدہ: اس عبارت میں شُهُوْدِ نَبِيِّهِمْ فِيْ تِلْكَ الْحَضْرَةِ (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بارگاہ الٰہی میں حاضر وجلوہ گر ہونا) اور فَإِنَّهٗ لَا يُفَارِقُ حَضْرَةَ اللّٰهِ تَعَالٰى أَبَدًا (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بارگاہ الٰہی سے کسی وقت جدا نہیں ہوتے) اور فَيُخَاطِبُوْنَهٗ بِالسَّلَامِ مُشَافَهَةً (نمازی بالمشافہ یعنی نبی کریم کے روبرو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سلام کے ساتھ خطاب کرتے ہیں)

خاص طور پر قابل غور جملے ہیں۔ یہ تینوں جملے مخالفین کے تمام شکوک وشبہات کا قلع قمع کر رہے ہیں۔ ایسے چمکتے ہوئے دلائل کے سامنے کسی کور باطن کا یہ کہنا کہ اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ بعید کو خطاب ہے، ایسا ہے جیسے کہ خط لکھنے والا المکتوب الیہ کو سلام لکھتا ہے، کیسی دیدہ دلیری اور ہٹ دھرمی ہے۔ کوئی منصف مزاج اس روشن کلمات کے ہوتے ہوئے ایسی تنگ نظری اور تاریک خیالی کو قبول نہیں کرسکتا۔

مخالفین کا رد

مخالفین کہتے ہیں کہ نماز میں جو ہم اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ کہتے ہیں اس میں حضور کو خطاب نہیں کرتے، بلکہ اللہ تعالی نے شب معراج میں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب فرما کر اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ فرمایا تھا اس سلام وخطاب کی حکایت کرتے ہیں۔ یہ ان لوگوں کا ایک دھوکہ اور مغالطہ ہے، کیوں کہ ایک تو سلام تشہد کو واقعہ معراج کی حکایت قرار دینا ان کے اصول کے خلاف ہے، اس لیے کہ وہ مطلقاً کسی ایسی روایت کو تسلیم نہیں کرتے جس کی سند موجود نہ ہو، بخلاف اہل سنت کے کہ وہ ابواب فضائل ومناقب میں ان روایات کو تسلیم کرتے ہیں جن کی سند ہمارے سامنے نہ ہو، مگر علمائے محدثین وفقہائے معتبرین یا دیگر علمائے معتمد علیہ نے انھیں قبول کیا ہو۔ ہم مخالفین سے پوچھتے ہیں کہ جس روایت کے پیش نظر یہ کہتے ہو کہ سلام تشہد واقعہ معراج کی حکایت ہے، کیا اس کی کوئی سند موجود ہے؟ اگر ہے تو پیش کیجیے۔

مولوی انور شاہ کشمیری اس روایت کے متعلق لکھتے ہیں: وَلٰكِنِّیْ لَمْ اَجِدْ سَنَدَ هٰذِهِ الرِّوَایَةِ۔ یعنی اس روایت کی سند میں نے نہیں پائی۔ اب بتاؤ کہ بے سند کی روایت پر تمہارے مسلمات کی روشنی میں اس حکایت کا حکم کیسے صحیح ہوگا؟

حقیقت یہ ہے کہ جن عبارات میں سلام تشہد کا علی سبیل الحکایہ ہونا وارد ہے، وہاں مجرد حکایت مراد نہیں بلکہ حکایت علی طریق الانشاء مراد ہے، یعنی چوں کہ اللہ تعالی نے شب معراج میں اپنے حبیب کو اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ کے ساتھ مخاطب فرمایا تھا۔ نمازی کو چاہیے کہ حرم حبیب میں حبیب کو حاضر پاکر واقعہ معراج کے مطابق بہ نیت انشائے سلام، رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کو اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ کے ساتھ مخاطب کرے، جیسا کہ فقہائے عظام نے فرمایا ہے۔ صاحب درمختار فرماتے ہیں: وَیَقْصِدُ بِاَلْفَاظِ التَّشَهُّدِ مَعَانِیَهَا مُرَادَةً لَهٗ عَلٰی وَجْهِ الْاِنْشَاءِ كَاَنَّهٗ یُحَیِّی اللهَ وَیُسَلِّمُ عَلٰی نَبِیِّهٖ وَعَلٰی نَفْسِهٖ وَاَوْلِیَائِهٖ لَا الْاِخْبَارَ عَنْ ذٰلِكَ ذَكَرَهٗ فِی الْمُجْتَبٰی۔ (درمختار، جلد اول، صفحہ:476)

ترجمہ: تشہد کے الفاظ سے اس کے معانی اپنی مراد ہونے کا ارادہ کرے انشا کے طور پر، گویا کہ نمازی اللہ کی تحیت کرتا ہے اور تحفہ پیش کرتا ہے، اور اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اور اپنی ذات اور اولیاء اللہ پر سلام پیش کرتا ہے اور اس سے اخبار وحکایت کا ارادہ نہ کرے۔

اس پر علامہ ابن عابدین شامی ردالمحتار میں فرماتے ہیں: اَیْ لَا یَقْصِدُ الْاِخْبَارَ وَالْحِكَایَةَ عَمَّا وَقَعَ فِی الْمِعْرَاجِ مِنْهُ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَمِنْ رَبِّهٖ سُبْحَانَهٗ وَمِنَ الْمَلٰئِكَةِ عَلَیْهِمُ السَّلَامُ۔ (ردالمحتار، جلد اول، صفحہ:476)

ترجمہ: نمازی (تشہد میں) اس واقعے کو نقل وحکایت کا ارادہ نہ کرے جو معراج میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور اللہ تعالی سبحانہ اور فرشتوں سے واقع ہوا تھا۔

فائدہ: مسلمانو! دیکھ لیا آپ نے کہ صاحب درمختار اور علامہ شامی صاحب فتوی نے مجرد حکایت اخبار کے قول کو رد فرما کر انشائے سلام کے قصد کو متعین فرمادیا۔ لیکن تعجب ہے ان بدعقیدہ مولویوں پر جو حنفیت کا لبادہ اوڑھ کر فقہ حنفی کے منکر ہیں۔

اعتراض: منکرین یہ اعتراض کرتے ہیں کہ جب آپ ہر نمازی کے سامنے حاضر ہیں، تو آپ ہر نمازی کو نماز میں نظر کیوں نہیں آتے؟ اگر آپ حاضر ہوتے تو نظر بھی آتے؟

جواب: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حاضر تو نمازی کے سامنے ہیں، اگر کسی نمازی کو نظر نہ آئیں تو وہ اس کی اپنی نظر کا قصور ہے، ورنہ آپ کی جلوہ گری میں کوئی شک وشبہ نہیں۔ جن اہل بصیرت کو اللہ تعالی نے نور بصیرت عطا فرمایا وہ آپ کو دیکھتے ہیں، لہٰذا ہمیں لازم ہے کہ اگر خود دیکھنے کی طاقت نہیں رکھتے تو دیکھنے والے کی بات مان لیں۔ دیکھو کعبہ مقدسہ کو بہت کم لوگوں نے دیکھا ہے مگر نماز کی نیت باندھتے وقت ہر شخص کہتا ہے، منھ میرا طرف کعبہ شریف کے۔ یہ کہنا اس لیے ہے کہ کعبہ معظمہ دیکھنے والوں کے قول کو تسلیم کرلیا، ورنہ ہمیں بن دیکھے کیا معلوم کہ کعبہ کی

سمت کون سی ہے۔ چنانچہ اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں عارفین کا قول تسلیم کرلیا جائے، تو کون سی قباحت ہے۔

تیسری حدیث: اب تیسری حدیث لکھی جاتی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حاضر وناظر ہیں۔ حضرت انس کا بیان ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: إِنَّ الْعَبْدَ إِذَا وُضِعَ فِي قَبْرِهٖ وَتَوَلّٰى عَنْهُ أَصْحَابُهٗ إِنَّهٗ لَيَسْمَعُ قَرْعَ نِعَالِهِمْ أَتَاهُ مَلَكَانِ فَيُقْعِدَانِهٖ فَيَقُوْلَانِ مَا كُنْتَ تَقُوْلُ فِي هٰذَا الرَّجُلِ۔ (متفق علیہ، مشکوۃ، صفحہ:24)

ترجمہ: بندہ جب اپنی قبر میں رکھا جاتا ہے اور اس کے دوست اس سے پیٹھ پھیر لیتے ہیں تو وہ مردہ اپنے دوستوں کی جوتیوں کی آواز سنتا ہے، اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں، اس کو بٹھاتے ہیں، پھر اس سے کہتے ہیں کہ تو اس مرد حق (نبی کریم) کے حق میں کیا کہتا ہے؟

فائدہ: علمائے کرام تصریح فرماتے ہیں کہ لفظ ھذا محسوس مبصر حاضر موجود کے لیے موضوع ہے، اس تصریح کی روشنی میں یہ مسئلہ واضح ہوجاتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہر شخص کی قبر میں حاضر ہوتے ہیں اور فرشتے آپ کی طرف اشارہ کرکے میت سے سوال کرتے ہیں کہ اس مرد خدا کے بارے میں تو کیا کہتا ہے؟ ھذا کا یہ معنی حقیقی ہے۔ اس لیے اس سے عدول الی المجاز بلا قرینہ ناجائز ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں:

یا با حضر ذات شریف وے درعیاں بایں طریق کہ در قبر مثالے از حضرت وے صلی اللہ علیہ وسلم حاضر میساختہ باشند تا مشاہدۂ جمال جان افزا وعقدہ اشکال کہ درکار افتادہ کشادہ وظلمت فراق بنور لقائے دلکشائے او روشن گردد دریں جا بشارتیست مر مشتاقاں غمزدہ را کہ اگر برامید ایں شادی جان دہند وزندہ در گور روند جائے آں دارد۔ (اشعۃ اللمعات، جلد اول، صفحہ:115)

یعنی ذات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم خود حاضر ہوتی ہے خارج میں اس طریقے سے کہ قبر میں آپ کی صورت مثالی حاضر کی جاتی ہے، تاکہ آپ کے جمال جہاں آرا کے مشاہدے سے اشکال کی گرہ کھل جائے اور فراق کی تاریکی آپ کے دل کشا دیدار کے نور سے روشن ہوجائے، اس جگہ بشارت ہے عشاق غمزدہ کو کہ اگر وہ اس خوشی کی امید میں جان دیں اور قبر میں جائیں تو ٹھیک ہے۔

شیخ محقق کی تحقیق کی روشنی میں واضح ہوجاتا ہے کہ ہر قبر میں ہر میت کے پاس نبی کریم حاضر ہوتے ہیں اور یہ بات بھی واضح ہے کہ ایک وقت میں بے شمار میت قبر میں داخل کیے جاتے ہیں، تو ثابت ہوا کہ ایک وقت میں رسول اللہ بقدرت الٰہی متعدد مقامات میں حاضر وناظر ہیں اور حضرات محدثین اور علمائے اعلام اس مسئلے پر تصریح فرماتے ہیں۔

امام المحدثین حضرت علامہ احمد شہاب الدین بن حجر ہیتمی مکی رحمۃ اللہ علیہ فتاویٰ حدیثیہ میں فرماتے ہیں: ثُمَّ رَأَيْتُ ابْنَ الْعَرَبِيِّ صَرَّحَ بِمَا ذَكَرْنَاهُ مِنْ أَنَّهٗ لَا يَمْتَنِعُ رُؤْيَةُ ذَاتِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِرُوْحِهٖ وَجَسَدِهٖ لِأَنَّهٗ وَسَائِرَ الْأَنْبِيَاءِ أَحْيَاءٌ رُدَّتْ إِلَيْهِمْ أَرْوَاحُهُمْ بَعْدَ مَا قُبِضُوْا وَأُذِنَ لَهُمْ فِي الْخُرُوْجِ مِنْ قُبُوْرِهِمْ وَالتَّصَرُّفِ فِي الْمَلَكُوْتِ الْعُلْوِيِّ وَالسُّفْلِيِّ وَلَا مَانِعَ مِنْ أَنْ يَّرَاهُ كَثِيْرُوْنَ فِي وَقْتٍ وَّاحِدٍ لِأَنَّهٗ كَالشَّمْسِ وَإِذَا كَانَ الْقُطْبُ يَمْلَأُ الْكَوْنَ كَمَا قَالَهُ التَّاجُ ابْنُ عَطَاءِ اللّٰهِ فَمَا بَالُكَ بِالنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (فتاویٰ حدیثیہ، صفحہ:256)

یعنی میں نے شیخ ابن عربی رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ آپ نے اس کی تصریح فرمائی جو ہم نے ذکر کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک کی زیارت آپ کی روح مبارک اور جسم شریف کے ساتھ ممکن نہیں، اس لیے کہ آپ اور تمام انبیا علیہم السلام زندہ ہوتے ہیں۔ قبض روح کے بعد ان کے ارواح ان کی طرف واپس کیے جاتے ہیں اور ان کو اپنی قبروں سے نکلنے اور عالم علوی وسفلی میں تصرف کرنے کی اجازت ہوتی ہے۔ اور یہ بات بھی ممکن ہے کہ ایک وقت میں بہت لوگ (اہل ایمان) آپ کو دیکھ لیں۔ اس لیے کہ آپ بمنزلہ شمس کے ہیں اور جب کہ قطب سارے جہاں کو بھر دیتا ہے جیسا کہ تاج ابن عطاء اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے، تو نبی کریم کے متعلق تیرا کیا خیال ہے؟

فائدہ: اس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیا علیہم السلام کی حیات بھی ثابت ہوئی اور عالم علوی وسفلی میں تصرف کرنا بھی ثابت ہوا جو منکرین کے نزدیک شرک اکبر ہے اور یہ بھی ثابت ہوگیا کہ آپ ایک وقت میں متعدد مقامات پر حاضر وناظر ہوسکتے ہیں، بلکہ قطب وقت سے دنیا کا کوئی حصہ خالی نہیں ہوتا ہے وہ ہر جگہ ناظر ہوتا ہے باذنہ تعالیٰ۔

☆☆☆

تینتیسواں وعظ 4:

حضور کے حاضر وناظر ہونے کا ثبوت

حضرات! سابقہ وعظوں میں محدثین وفقہا واولیا کی تحقیق وتصریح ضمناً گزر چکی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حاضر وناظر ہیں۔

اب دیگر صوفیا واولیاء اللہ کی تصریحات ہدیہ ناظرین کی جاتی ہیں، تا کہ حاضر وناظر کے مسئلے میں کوئی الجھن باقی نہ رہے اور اہل ایمان میں تازگی پیدا ہو:

عارف ربانی ابوالعباس مرسی کی تشریح

تاج بن عطا اپنے شیخ کامل عارف حضرت ابوالعباس مرسی سے بیان کرتے ہیں:

مَا صَافَحْتُ بِكَفِّي هٰذِهٖ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (فتاویٰ حدیثیہ، صفحہ:256)

یعنی میں نے اپنے اس ہاتھ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مصافحہ کیا ہے۔

سیدی علی وفا کی تشریح

حضرت ابن فارس حضرت سید علی وفا رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ میری عمر پانچ برس کی تھی اور ایک استاذ سے قرآن مجید پڑھا کرتا تھا۔ ایک دفعہ میں استاذ صاحب کے پاس آیا تو میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بیداری میں دیکھا کہ آپ نے روئی کی سفید قمیص پہن رکھی تھی، پھر وہ قمیص اپنے اوپر دیکھی یعنی آپ نے مجھے اپنی قمیص پہنائی اور مجھ سے فرمایا کہ قرآن مجید پڑھ کر سناؤ، تو میں نے آپ کو سورۂ والضحیٰ اور الم نشرح پڑھ کر سنائی، پھر مجھ سے غائب ہوگئے۔ جب میں اکیس برس کا ہوا اور مقام قرافہ میں نماز صبح کی نیت باندھی تو اپنے

سامنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا، پھر آپ نے میرے ساتھ معانقہ فرمایا اور فرمایا:

وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ۔ (فتاویٰ حدیثیہ، صفحہ:256)

امام شعرانی کی تشریح

قطب وقت حضرت امام عبدالوہاب امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وَقَدِ اشْتَهَرَ عَنْ كَثِيْرٍ مِّنَ الْأَوْلِيَاءِ الَّذِيْنَ هُمْ دُوْنَ الْأَئِمَّةِ الْمُجْتَهِدِيْنَ فِي الْمَقَامِ بِيَقِيْنٍ أَنَّهُمْ كَانُوْا يَجْتَمِعُوْنَ بِرَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَثِيْرًا وَّيُصَدِّقُهُمْ أَهْلُ عَصْرِهِمْ عَلٰى ذٰلِكَ۔ (میزان کبریٰ، صفحہ:44)

یعنی اولیائے کرام جو ائمہ مجتہدین سے کم رتبہ ہیں ان سے مشہور ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اکثر جمع ہوتے ہیں، ان کی تصدیق اس بات پر اُن کے اہل عصر نے کی ہے۔

شیخ ابوالحسن شاذلی اور شیخ ابوالعباس مرسی کی تشریح

امام عبدالوہاب شعرانی فرماتے ہیں:

قَدْ بَلَغَنَا عَنِ الشَّيْخِ أَبِي الْحَسَنِ الشَّاذِلِيِّ وَتِلْمِيْذِهِ الشَّيْخِ أَبِي الْعَبَّاسِ الْمُرْسِيِّ وَغَيْرِهِمَا أَنَّهُمْ كَانُوْا يَقُوْلُوْنَ لَوِ احْتَجَبَتْ عَنَّا رُؤْيَةُ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طُرْفَةَ عَيْنٍ مَا عَدَدْنَا أَنْفُسَنَا مِنْ جُمْلَةِ الْمُسْلِمِيْنَ۔ (میزان کبریٰ، صفحہ:144)

یعنی ہمیں حضرت شیخ ابوالحسن شاذلی اور اُن کے شاگرد شیخ ابوالعباس مرسی وغیرہ رحمۃ اللہ علیہم سے پہنچا ہے کہ وہ فرماتے تھے کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت اور جمال پاک چشم زدن کی مقدار بھی ہم سے پوشیدہ ہو جائے، تو ہم اپنے آپ کو مسلمانوں کے زمرے میں شمار نہیں کرتے۔

حکایت: سیدی محمد بن زین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت پاک بیداری میں ظاہر باہر کرتے تھے، جب حج مبارک سے فارغ ہو کر روضۂ اطہر پر حاضری دیتے تھے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بالمشافہ کلام کرتے تھے۔ کافی عرصے تک زیارت سے مشرف ہوتے رہے، یہاں تک کہ ایک شخص نے آپ سے حاکم شہر سے سفارش کرنے کے متعلق کہا تو

آپ ان کے ہمراہ حاکم شہر کے پاس چلے گئے۔ حاکم وقت نے انھیں اپنے خاص فرش پر بیٹھایا تو زیارت پاک ان سے منقطع ہوگئی۔ آپ نے دوبارہ زیارت پاک کے لیے بڑی کوشش کی، یہاں تک کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف میں اشعار پڑھے تو دور سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے تو رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تو میرا جمال پاک طلب کرتا ہے اور پھر ظالموں کے فرش پر بیٹھتا ہے، لہٰذا اب تو زیارت پاک سے بہرور نہیں ہو سکے گا، پھر آئندہ کے لیے آپ زیارت سے محروم ہوگئے۔ (میزان کبریٰ، صفحہ:44)

حکایت: امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت جلال الدین سیوطی کا ایک خط ان کے دوست شیخ عبدالقادر شاذلی کے پاس دیکھا جو آپ نے ایک شخص کے جواب میں لکھا تھا جس نے آپ سے بادشاہ وقت کے یہاں سفارش کے متعلق سوال کیا تھا۔ آپ نے اپنے خط میں یہ مضمون لکھا کہ میرے بھائی تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ میں اب تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت بیداری میں 75 مرتبہ کر چکا ہوں، اگر مجھے یہ خوف نہ ہوتا کہ ان حکام کے پاس جانے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے محروم ہو جاؤں تو میں تیرے ساتھ ہو کر بادشاہوں کے پاس تیری سفارش کرتا، مگر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کی خدمت کرتا ہوں اور مجھے ہر وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی ضرورت رہتی ہے، تاکہ احادیث کی تصحیح کر سکوں۔ جن کو محدثین نے اپنے طریقے سے ضعیف کہا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ تیرے فائدے سے اس میں زیادہ فائدہ ہے، کیوں کہ اس میں تمام مسلمانوں کا فائدہ ہے۔ (میزان کبریٰ، صفحہ:44)

حکایت: حضرت سہل بن عبداللہ کے خادم کا بیان ہے کہ میں نے حضرت سہل کی تیس سال خدمت کی، اتنے عرصے میں آپ نے نہ رات میں اور نہ دن میں آرام کیا، اور ہمیشہ صبح کی نماز، عشا کے وضو سے ادا کرتے تھے۔ آپ لوگوں سے بھاگ کر ایک جزیرے میں تشریف لے گئے جو عبادان اور بصرہ کے مابین تھا۔ لوگوں سے بھاگنے کی وجہ یہ تھی کہ ایک شخص نے ایک سال حج کیا اور جب واپس آیا تو اس نے اپنے بھائی سے کہا کہ میں نے حضرت سہل بن عبداللہ کو عرفہ کے دن عرفات میں دیکھا تو اس کے بھائی نے کہا کہ یوم ترویہ کو ہم آپ کی رباط میں آپ کے

پاس بیٹھے تھے، (تو یوم عرفہ کو عرفات میں کیسے پہنچ سکتے ہیں) اس کے بھائی حاجی نے طلاق کے ساتھ قسم کھائی کہ میں نے عرفہ کے روز آپ کو عرفات میں دیکھا ہے، تب اس کے دوسرے بھائی نے کہا کہ چلو آپ کے پاس جا کر پوچھتے ہیں۔ دونوں بھائی حضرت کے پاس آئے اور اپنا قصہ بیان کیا اور طلاق کا حکم بھی دریافت کیا۔ حضرت سہل نے فرمایا کہ تمھیں اس کام سے کیا مطلب؟ اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول رہو، اور حاجی سے فرمایا کہ اپنی عورت کو بند رکھو (یعنی طلاق واقع نہیں ہوئی کہ تم دونوں سچے ہو، مگر اس بات کی خبر نہ دینا۔ (روض الریاحین امام یافعی، صفحہ:148)

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ ولی اللہ ایک وقت میں امکنہ مختلفہ میں حاضر ہو سکتا ہے، یہ اس کی کرامت ہے، اگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وقت واحد میں مختلف مقامات میں حاضر ہوں تو کیا قباحت لازم آئے گی؟

حکایت: مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی سرہ مکتوبات شریف میں فرماتے ہیں کہ حضرت مخدومی (خواجہ باقی باللہ) فرماتے تھے کہ میرا ایک عزیز کہتا تھا کہ لوگ مختلف اطراف و جوانب سے آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم نے آپ کو مکہ معظمہ میں دیکھا ہے اور حج کے موسم میں ہمارے ساتھ تھے اور ہمارے ساتھ ہی حج کیا ہے۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ ہم نے آپ کو بغداد شریف میں دیکھا ہے اور اپنی آشنائی کا اظہار کرتے ہیں، حالاں کہ میں اپنے گھر سے نہیں نکلا ہوں۔ (مکتوبات، دفتر اول، حصہ سوم، صفحہ:139)

حکایت: حضرت امام یافعی فرماتے ہیں کہ شیخ معظم حضرت مفرج کے مریدوں میں سے ایک نے حج کیا اور اس نے کہا کہ میں نے اپنے شیخ مفرج کو عرفہ کے روز مقام عرفات میں دیکھا، دوسرے مرید نے کہا کہ شیخ موصوف حج کے روز ہمارے پاس اپنے مکان میں رہے اور کسی دوسرے مکان میں تشریف نہیں لے گئے، ہر ایک مرید نے طلاق کی قسم اٹھائی۔ یہ جھگڑا حضرت مفرج کے پاس گیا، آپ نے ہر ایک کی تصدیق کی اور ہر ایک کے نکاح کو بحال رکھا۔ شیخ صفی الدین بن ابی منصور فرماتے ہیں کہ میں نے شیخ موصوف سے عدم حنث کے متعلق دریافت کیا، حالاں کہ ان میں سے فقط ایک ہی سچا ہے۔ اس وقت ہمارے پاس علما کی ایک جماعت موجود تھی، آپ نے اس مسئلے میں گفتگو کرنے کی اجازت دی تو کسی نے بھی اس مسئلے کی کماحقہ

وضاحت نہ کی، شیخ موصوف نے میری طرف اشارہ کیا کہ مسئلے کی وضاحت کرو، تو میں نے کہا کہ جب ولی اللہ مسند ولایت پر متمکن ہوتا ہے اور اُسے اپنی روحانیت میں تصرف کی قدرت حاصل ہوتی ہے، تو اُسے یہ قدرت عطا کی جاتی ہے کہ وہ وقت واحد میں مختلف صورتوں میں جہات متعددہ میں حاضر و موجود ہوں، تو وہ صورت جس کو عرفہ کے روز مقام عرفات میں دیکھا ہے وہ بھی حق ہے اور وہ صورت جس کو اسی دن ان کے گھر میں دیکھا ہے وہ بھی حق ہے اور ہر ایک اپنی قسم میں سچے ہیں۔ اس طرح حضرت شیخ مفرج نے میری وضاحت کی اور تصدیق فرمائی۔

(روض الریاحین، صفحہ:323)

حکایت: حضرت شیخ کبیر ابو عبد اللہ قرشی فرماتے ہیں کہ مصر میں سخت قحط پڑ گیا۔ میں نے دعا کا قصد کیا تو کہا گیا کہ دعا نہ کرو، اس معاملے میں کسی کی دعا قبول نہ ہوگی۔ تب میں نے ملک شام کا سفر کیا اور جب میں سیدنا خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مزار شریف کے پاس پہنچا تو حضرت خلیل سے ملاقات ہوئی۔ میں نے عرض کیا: اے خلیل اللہ! میری مہمانی یہ ہے آپ اہل مصر کے لیے دعا کریں، آپ نے ان کے حق میں دعا فرمائی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا کی برکت سے ان کی قحط سالی دور فرما دی۔ (روض الریاحین، صفحہ:281، فتاویٰ حدیثیہ، صفحہ:255)

امام یافعی رحمۃ اللہ علیہ کی تشریح

امام یافعی اس حکایت کے متعلق لکھتے ہیں: قَالَ فِيْ لُقِيِّهِ الْخَلِيْلَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ قَوْلٌ حَقٌّ لَا يُنْكِرُهٗ إِلَّا جَاهِلٌ بِمَعْرِفَةِ مَا يَرِدُ عَلَيْهِمْ مِنَ الْأَحْوَالِ الَّتِيْ يُشَاهِدُوْنَ فِيْهَا مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَيَنْظُرُوْنَ الْأَنْبِيَاءَ أَحْيَاءً غَيْرَ أَمْوَاتٍ كَمَا نَظَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُوْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ يُصَلِّيْ فِي الْأَرْضِ وَنَظَرَ أَيْضًا جَمَاعَةً مِّنَ الْأَنْبِيَاءِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ فِي السَّمٰوٰتِ وَسَمِعَ مِنْهُمْ خِطَابَاتٍ وَقَدْ تَقَدَّمَ أَنَّهٗ يَجُوْزُ لِلْأَوْلِيَاءِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ مِنَ الْكَرَامَاتِ مَا يَجُوْزُ لِلْأَنْبِيَاءِ عَلَيْهِمُ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ مِنَ الْمُعْجِزَاتِ بِشَرْطِ عَدَمِ التَّحَدِّيْ۔

(روض الریاحین، صفحہ:281، فتاویٰ حدیثیہ، صفحہ:256)

یعنی حضرت ابو عبد اللہ کا قول ہے کہ مجھ سے خلیل علیہ السلام ملے، یہ حق ہے، اس کا انکار

وہی کرے گا جو اولیاء اللہ کے احوال سے جاہل ہے۔ اولیاء اللہ اپنے احوال میں آسمان و زمین کو ملاحظہ کرتے ہیں اور انبیائے کرام کو بیداری میں زندہ دیکھتے ہیں، جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا، نیز انبیا کی جماعت کو آسمانوں میں ملاحظہ فرمایا اور اُن سے کلام سنا اور پہلے گزر چکا ہے کہ اولیاء اللہ کے لیے وہ امر بطور کرامت جائز ہوتا ہے جو انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لیے بطور معجزہ جائز ہوتا ہے بشرط عدم تحدی۔

خاتم المحدثین احمد شہاب الدین بن حجر ہیتمی فرماتے ہیں: وَالْحِكَايَاتُ فِيْ ذٰلِكَ عَنْ أَوْلِيَاءِ اللّٰهِ كَثِيْرَةٌ جِدًّا وَلَا يُنْكِرُ ذٰلِكَ إِلَّا مُعَانِدٌ أَوْ مَحْرُوْمٌ۔ (فتاویٰ حدیثیہ، صفحہ:254)

یعنی اس تعلق سے اولیاء اللہ کی حکایتیں بہت زیادہ ہیں جن کا وہی انکار کرے گا جو معاند ہو یا بد بخت ہو۔

☆☆☆

چونتیسواں وعظ:5

حضور کے حاضر وناظر ہونے کا ثبوت

شیخ عبدالحق دہلوی کی تشریح

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: پوشیدہ نہ ماند کہ بعد از اثبات حیات حقیقی حسی دنیاوی اگر بعد ازاں گویند کہ حق تعالی جسد شریف راحالتے وقدرتے بخشیدہ است کہ درہر مکانے کہ خواہد تشریف بخشد خواہ بعینہ یا بامثالی خواہ برآسمان خواہ برزمین خواہ قبر شریف یا غیر وے درصورتے دارد۔ (مدارج النبوۃ، جلد دوم، صفحہ:577)

یعنی یہ پوشیدہ نہ رہے کہ انبیا کی حیات حقیقی حسی دنیاوی کے اثبات کے بعد اگر کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جسم اقدس کو ایسی حالت اور قدرت عطا فرمائی ہے کہ جس مکان میں چاہیں تشریف لے جائیں، خواہ بعینہ یا مثال کے ساتھ، خواہ آسمان پر خواہ زمین پر خواہ قبر اقدس میں یا اس کے غیر میں، تو یہ ممکن ہے اور درست ہے۔

قاضی ابوالفضل مالکی کی تشریح

قاضی ابوالفضل عیاض مالکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: وَإِذَا لَمْ يَكُنْ فِي الْبَيْتِ أَحَدٌ فَقُلِ السَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلَى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ۔ (شفا، جلد دوم، صفحہ:53)

یعنی جب گھر میں کوئی نہ ہو تو کہے سلام ہو ہم پر اور اللہ کے نیک بندوں پر۔

فائدہ: اگر گھر میں اللہ تعالیٰ کے نیک بندے نہ ہوں تو اُن کو سلام کرنے کا کیا مطلب ہے؟ معلوم ہوا کہ اولیاء اللہ ہر جگہ اور ہر مکان میں حاضر ہوتے ہیں باذنہ تعالیٰ۔

حضرت علقمہ کی تشریح

حضرت علقمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: إِذَا دَخَلْتُ الْمَسْجِدَ أَقُوْلُ: اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ۔ (شفا، جلد دوم، صفحہ:53)

یعنی جس وقت میں مسجد میں داخل ہوتا ہوں، تو کہتا ہوں کہ اے نبی! تجھ پر سلام ہو اور اللہ کی رحمتیں اور برکتیں۔

فائدہ: حضرت علقمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تصریح فرمادی کہ ہر مسجد میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم حاضر ہوتے ہیں، اسی لیے آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ندا اور خطاب کر کے سلام عرض کرتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ سرکار اعظم صلی اللہ علیہ وسلم ہر جگہ حاضر وناظر ہیں۔

حضرت عمرو بن دینار تابعی کی تشریح

حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ 'شفا' میں لکھتے ہیں: قَالَ عَمْرُو بْنُ دِيْنَارٍ فِي قَوْلِهٖ تَعَالَى فَإِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلَى أَنْفُسِكُمْ قَالَ: إِنْ لَمْ يَكُنْ فِي الْبَيْتِ أَحَدٌ فَقُلِ السَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ۔ (شفا، جلد دوم، صفحہ:52)

یعنی عمرو بن دینار نے اللہ کے اس قول فَإِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلَى أَنْفُسِكُمْ۔ کی تفسیر فرمائی کہ اگر گھر میں کوئی نہ ہو تو یہ کہو سلام ہو نبی پر اور اللہ کی رحمتیں اور برکتیں نازل ہوں۔

فائدہ: حضرت عمرو بن دینار تابعی کی تفسیر سے ثابت ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر گھر اور ہر مکان میں حاضر وموجود ہیں، اگر حاضر وموجود نہ ہوتے، تو آپ کو سلام کرنے کا مقصد فوت ہوجاتا ہے۔

نیز یہ امر بھی قابل غور ہے کہ جب کوئی صحابی یا تابعی ایسی بات کی خبر دیں، جس میں عقل کو دخل نہ ہو، تو اگر تابعی ہے تو ضرور اس نے کسی صحابی سے سنی ہوگی اور صحابی نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہوگی، گویا اس کی حدیث مرفوع حدیث کے حکم میں ہوگی، چنانچہ حضرت عمرو بن دینار کا یہ فرمان، گویا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہوا۔

ملا علی قاری کی تشریح

عمرو بن دینار کی حدیث بالا کی تشریح ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

لِأَنَّ رُوْحَهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ حَاضِرٌ فِيْ بُيُوْتِ أَهْلِ الْإِسْلَامِ۔ (شرح شفا)

یعنی یہ سلام کرنا اس لیے ہے کہ سرکار ابد قرار علیہ الصلوٰۃ والسلام کی روح مبارک ہر مسلمان کے گھر میں حاضر و موجود ہیں۔

فائدہ: اب منکرین ذرا غور کریں کہ اکابرین نے حاضر و ناظر کا مسئلہ کیسے واضح فرما دیا، اس کے باوجود بھی انکار کریں تو ان کی اپنی بدقسمتی اور خبث باطنی ہے۔

امام شعرانی کی تشریح

امام شعرانی فوائد معراج بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: وَمِنْهَا شُهُوْدُ الْجِسْمِ الْوَاحِدِ فِيْ مَكَانَيْنِ فِيْ آنٍ وَاحِدٍ كَمَا رَأٰى مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَفْسَهٗ فِيْ أَشْخَاصِ بَنِيْ آدَمَ حِيْنَ اجْتِمَاعِهٖ فِي السَّمَاءِ الْأُوْلٰى كَمَا مَرَّ وَكَذٰلِكَ آدَمُ وَمُوْسٰى وَغَيْرُهُمَا فَإِنَّهُمْ فِيْ قُبُوْرِهِمْ فِي الْأَرْضِ حَالَ كَوْنِهِمْ سَاكِنِيْنَ فِي السَّمَاءِ فَإِنَّهٗ قَالَ رَأَيْتُ آدَمَ رَأَيْتُ مُوْسٰى رَأَيْتُ إِبْرَاهِيْمَ وَأَطْلَقَ وَمَا قَالَ رَأَيْتُ رُوْحَ آدَمَ وَلَا رُوْحَ مُوْسٰى فَرَاجَعَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُوْسٰى فِي السَّمَاءِ وَهُوَ بِعَيْنِهٖ فِيْ قَبْرِهٖ فِي الْأَرْضِ قَائِمًا يُصَلِّيْ كَمَا وَرَدَ فَيَا مَنْ يَقُوْلُ أَنَّ الْجِسْمَ الْوَاحِدَ لَا يَكُوْنُ فِيْ مَكَانَيْنِ كَيْفَ يَكُوْنُ إِيْمَانُكَ بِهٰذَا الْحَدِيْثِ فَإِنْ كُنْتَ مُؤْمِنًا فَقَلِّدْ وَإِنْ كُنْتَ عَالِمًا فَلَا تَعْتَرِضْ فَإِنَّ الْعِلْمَ يَمْنَعُكَ وَلَيْسَ لَكَ الْاِخْتِيَارُ فَإِنَّهٗ لَا يَخْتَارُ إِلَّا اللّٰهُ وَلَيْسَ لَكَ أَنْ تَأَوَّلَ أَنَّ الَّذِيْ فِي الْأَرْضِ غَيْرُ الَّذِيْ فِي السَّمَاءِ لِقَوْلِهٖ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ رَأَيْتُ مُوْسٰى أَطْلَقَ وَكَذٰلِكَ سَائِرُ مَنْ رَآهُ مِنَ الْأَنْبِيَاءِ هُنَاكَ فَالْمُسَمّٰى مُوْسٰى إِنْ لَّمْ يَكُنْ عَيْنَهٗ فَالْأَخْبَارُ عَنْهُ كَذِبٌ أَنَّهٗ مُوْسٰى هٰذَا۔ (الیواقیت والجواہر، جلد دوم، صفحہ:36)

یعنی فوائد معراج میں سے ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ ایک جسم آن واحد میں دو مکانوں میں حاضر ہو گیا، جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نیک بخت اولاد آدم کے افراد میں خود اپنی ذات کو

بھی ملاحظہ فرمایا کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ پہلے آسمان پر جمع ہوئے تھے، جیسا کہ گزرا اور اسی طرح آدم و موسیٰ اور دیگر انبیائے کرام علیہم السلام کے ساتھ، جو زمین میں اپنی قبروں کے اندر ہیں، حالاں کہ وہ آسمانوں میں بھی سکونت رکھتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مطلقاً اس طرح فرمایا کہ میں نے آدم علیہ السلام کو دیکھا، روح کی قید کے ساتھ مقید فرما کر اس طرح نہیں فرمایا کہ میں نے حضرت آدم کی روح کو دیکھا اور نہ یوں فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام کی روح کو دیکھا۔ اس سے ثابت ہوا کہ آپ نے بعینہٖ انبیائے کرام ہی کو دیکھا تھا، جب آپ واپس ہوئے تو موسیٰ علیہ السلام چھٹے آسمان میں تھے، حالاں کہ موسیٰ علیہ السلام زمین میں اپنی قبر میں کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے، جیسا کہ مسلم کی حدیث میں وارد ہوا ہے۔ تعجب ہے کہ اس کہنے والے پر جو یہ کہتا ہے کہ ایک جسم بیک وقت دو مکانوں میں نہیں ہو سکتا۔ اے قائل! ذرا یہ بتا دو کہ اس حدیث کے ساتھ تیرا ایمان کیوں کر ہو سکتا ہے، اگر تو مومن ہے تو تجھے مان لینا چاہیے اور اگر تو عالم ہے تو اعتراض نہ کرو، اس لیے کہ علم تجھے روکتا ہے اور تجھے حقیقت حال کا علم ہی نہیں، کیوں کہ یہ علم حقیقتاً اللہ تعالیٰ ہی کو ہے اور تیرے لیے یہ جائز نہیں کہ تو تاویل کرے کہ جو انبیا زمین میں ہیں وہ ان کے غیر ہیں جنھیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آسمان میں دیکھا، اس لیے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے رَأَيْتُ مُوْسٰى مطلقاً فرمایا، اور اسی طرح باقی انبیا علیہم السلام کے متعلق جنھیں آپ نے آسمانوں میں دیکھا، یہ نہیں فرمایا کہ میں نے ان کے غیر کو دیکھا جو زمین میں ہیں، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جن کو موسیٰ فرمایا کہ اگر وہ بعینہٖ موسیٰ علیہ السلام نہ ہوں، تو ان کے متعلق یہ خبر دینا کہ وہ موسیٰ ہیں کذب ہوگا۔ (العیاذ باللہ)

مزید حضرت امام شعرانی فرماتے ہیں: ثُمَّ إِنَّ الْمُعْتَرِضَ يُنْكِرُ عَلَى الْأَوْلِيَاءِ مِثْلَ هٰذَا فِيْ تَصَوُّرَاتِهِمْ وَقَدْ كَانَ قَضِيْبُ الْبَانِ يَتَصَوَّرُ فِيْمَا شَاءَ مِنَ الصُّوَرِ فِيْ أَمَاكِنَ مُتَعَدِّدَةٍ وَكُلُّ صُوْرَةٍ خُوْطِبَ فِيْهَا أَجَابَ إِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔

(الیواقیت الجواہر، جلد دوم، صفحہ:36)

یعنی پھر معترض اولیاء اللہ کے متعدد صورتوں میں ظاہر ہونے کا انکار کرتا ہے، حالاں کہ حضرت قضیب البان جب چاہتے تھے مختلف مکانوں میں ظاہر ہو جاتے تھے اور جس صورت

میں بھی آپ کو پکارا جاتا تھا آپ جواب دیتے تھے۔ واقعی اللہ تعالیٰ ہر چاہے پر قادر ہے۔

فائدہ: اس سے ثابت ہوا کہ بزرگان دین اپنی روحانیت اور نورانیت کے ساتھ مشتمل ہو کر متعدد مقامات پر حاضر و ناظر ہو سکتے ہیں، تو نبی الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بطریق اولیٰ متعدد مقامات پر حاضر و ناظر ہو سکتے ہیں۔

حضرت عبدالحق محدث دہلوی کی دیگر تشریح

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: بدانکہ وے صلی اللہ علیہ وسلم می بیند وی شنود کلام ترا زیرا کہ وے متصف است بصفات اللہ تعالیٰ و یکے از صفات الٰہی آن است کہ انا جلیس من آن است کہ انا جلیس من ذکرنی و پیغمبر را صلی اللہ علیہ وسلم نصیب وافر است ازیں صفت۔ (مدارج، جلد دوم، صفحہ: 787)

یعنی جان لو کہ سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم تجھے دیکھتے ہیں اور تیرا کلام سنتے ہیں، اس لیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی صفات سے متصف ہیں اور صفات الٰہیہ میں سے ایک صفت یہ ہے کہ جو مجھے یاد کرے میں اس کا ہم نشین ہوں (حدیث قدسی) اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی اس صفت سے پورا پورا حصہ ملا ہے۔ (یعنی نبی کریم بھی اپنے یاد کرنے والے کے ہم نشین ہیں۔)

فائدہ: حضرت شیخ محدث دہلوی کی اس تصریح کے بعد حاضر و ناظر کے مسئلے میں کوئی تردد باقی نہیں رہتا۔ محدث دہلوی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر و ناظر سمجھتے ہیں جو قرآن و حدیث سے واقفیت رکھتے ہیں، مگر زمانہ حال کے منکرین اس مسئلے کو شرک و کفر قرار دیتے ہیں۔ حالاں کہ ان کا علم و عمل اور تقویٰ ایسے حضرات کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں ہے، اس لیے اہل سنت اپنے اکابر کے مسئلے کے پابند ہیں اور ایسے منکرین سے سروکار نہیں رکھتے۔

محدث دہلوی کی آخری وصیت

اب میں مسلمانوں کے زیادہ اطمینان کی خاطر حضرت شیخ محدث دہلوی کی آخری وصیت پیش کرتا ہوں کہ جس سے اہل ایمان کے ایمان اور زیادہ مستحکم ہوں گے، وہ لکھتے ہیں:

وصیت می کنم ترا اے برادر بدوام ملاحظہ صورت و معنی او اگرچہ باشی تو متکلف و مستحضر پس نزدیک است کہ الفت گیرد روح تو باوے۔ پس حاضر آید ترا اوے صلی اللہ علیہ وسلم عیاناً یابی او را و حدیث کنی باوے و جواب دہد ترا اوے و حدیث گوید با تو و خطاب کند ترا۔ (مدارج، ج:۲، صفحہ:789)

یعنی اے بھائی! میں تجھے وصیت کرتا ہوں کہ تو ہمیشہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت و معنی کا تصور کرتا رہے، اگرچہ اس تصور میں تجھے تکلف بھی کرنا پڑے۔ اگر ایسا ہوا تو بہت جلد تیری روح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مانوس ہو جائے گی اور نبی کریم تمہارے سامنے حاضر ہوں گے اور تو نبی کریم کو صاف طور پر دیکھو گے اور اُن سے باتیں کرو گے۔ نبی کریم بھی تجھے جواب دیں گے، تمہارے ساتھ باتیں کریں گے اور تجھ سے خطاب فرمائیں گے۔

حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کی تشریح

اب منکرین کے پیر و مرشد حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کی تصریح پیش کی جاتی ہے، تاکہ معلوم ہو جائے کہ منکرین کے پیشوا بھی اس مسئلے میں ہمارے ساتھ ہیں۔ تعجب ہے کہ منکرین نے اپنے پیشوا کے مسئلے کا بھی انکار کر دیا ہے۔ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی بیان فرماتے ہیں:

"البتہ وقت قیام کے اعتقاد تولد کا نہ کرنا چاہیے، اگر احتمال تشریف آوری کا کیا جائے، مضائقہ نہیں کیوں کہ عالم مقید بزمان و مکان ہے لیکن عالم امر دونوں سے پاک ہے۔ پس قدم رنجہ فرمانا ذات بابرکات کا بعید نہیں۔" (شمائم امدادیہ، صفحہ:93، مطبوعہ لکھنؤ)

ایک دوسری تشریح

مزید حاجی امداد اللہ مہاجر مکی فرماتے ہیں کہ میں نے دہلی میں ایک ابدال کو دیکھا تھا جو ایک آن میں مختلف مقامات پر دیکھا جاتا تھا۔ (شمائم امدادیہ، ص:137)

فائدہ: جب شہنشاہ دو عالم سرکار ابد قرار صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک اُمتی آن واحد میں مختلف مقاموں میں حاضر و موجود ہو سکتا ہے، تو خود والیٔ دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم بطریق اولیٰ آن واحد میں ہر جگہ حاضر و موجود ہو سکتے ہیں، جیسا کہ حاجی امداد اللہ نے واضح فرما دیا ہے۔

رشید احمد گنگوہی کی تشریح

دیوبندیوں کے قطب عالم رشید احمد گنگوہی لکھتے ہیں: ہم مرید یقین داند کہ روح شیخ مقید بیک مکان نیست، پس ہر جا کہ مرید باشد قریب یا بعید اگر چہ از جسد شیخ دور است اما روحانیت او دور نیست۔ چوں ایں امر محکم دارد ہر وقت شیخ را بیاد دارد و ربط قلب پیدا آید و ہر دم مستفید بود مرید در حال واقعہ محتاج شیخ بود۔ شیخ را بقلب حاضر آوردہ بلسان حال سوال کند البتہ روح شیخ باذن اللہ تعالیٰ القا خواہد کرد۔ مگر ربط تام شرط است۔ (امداد السلوک، صفحہ:10)

یعنی مرید یقین سے جان لے کہ شیخ کی روح ایک جگہ میں قید نہیں ہے۔ مرید جہاں بھی ہو، دور یا نزدیک، اگر چہ پیر کے جسم سے دور ہے، لیکن پیر کی روحانیت سے دور نہیں۔ جب یہ بات پختہ ہوگئی تو ہر وقت پیر کو یاد رکھے اور دلی تعلق اس سے ظاہر کرے اور ہر وقت اس سے فائدہ لیتا رہے۔ مرید واقعے کی حالت میں پیر کا محتاج ہوتا ہے۔ شیخ کو اپنے دل میں حاضر کر کے زبان حال سے اس سے مانگے تو ضرور پیر کی روح بحکم الٰہی القا کرے گی، مگر تعلق تام شرط ہے۔

فائدہ: اس وقت ہر جگہ ''امداد السلوک'' کا اردو ترجمہ شائع ہو چکا ہے۔ اس کے صفحہ: 24 پر یہ عبارت موجود ہے۔ رشید احمد گنگوہی کی عبارت سے مندرجہ ذیل مسئلے معلوم ہوئے:

۱۔ پیر کا مریدوں کے پاس حاضر و ناظر ہونا۔
۲۔ مرید کا تصور شیخ میں رہنا۔
۳۔ حاجت روا ہونا۔
۴۔ مرید اللہ کو چھوڑ کر اپنے پیر سے مانگے۔
۵۔ پیر مرید کو القا کرتا ہے۔
۶۔ پیر مرید کا دل جاری کر دیتا ہے۔

حضرات! جب پیر میں یہ طاقتیں ہیں، تو پیروں کے پیر جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں بالضرور یہ سب طاقتیں موجود ہیں۔ اس عبارت نے منکرین ومخالفین کے سارے مذہب پر پانی پھیر دیا ہے۔

☆☆☆

پینتیسواں وعظ:6

منکرین کے اعتراضات وجوابات کا بیان

محترم حضرات! قرآن وحدیث اور بزرگوں کے اقوال کی روشنی میں یہ ثابت ہو چکا ہے کہ ہمارے آقا و مولیٰ جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں۔ یہ جان کر ایمان دار تو اس مسئلے پر ایمان لے آتا ہے، مگر منکرین ومعاندین ایک تو مانتے نہیں، دوسرے صرف انکار ہی نہیں کرتے، بلکہ حاضر وناظر کے مسئلے پر بہت سے اعتراض بھی کرتے ہیں جو اُن کی باطنی دشمنی کی علامت ہے۔ اب میں اُن کے بڑے بڑے اعتراضوں کو ذکر کر کے اُن کے جوابات جو اہل سنت نے دیے ہیں ان کو ذکر کرتا ہوں۔

پہلا اعتراض: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اجساد مثالیہ ثابت کرنا کہ آپ مختلف مقامات میں اپنے اجساد مثالیہ کے ساتھ موجود ہوتے ہیں، یہ اہل سنت کے عقیدے کے مخالف ہے، اس لیے کہ اجساد مثالیہ نبی کریم کے مثل ہوں گے اور اہل سنت نبی کریم کو بے مثل مانتے ہیں۔ اس تقدیر پر نبی کریم کے لیے امثال کثیرہ کا اثبات لازم آئے گا اور اہل سنت کے عقیدے کے مطابق نبی کریم بے مثل نہ رہیں گے۔

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ مثل کے لیے مغایرت شرط ہے، لہٰذا جو چیز کسی کی مثل ہوگی ضروری ہے کہ وہ اس کا غیر بھی ہو۔ لیکن اجساد مثالیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غیر نہیں، اس لیے ان کو مثل کہنا بھی غلط ہے۔ قرآن کے متعلق ہمارا ایمان ہے کہ وہ بے مثل کتاب ہے جیسا کہ قرآن پاک نے خود دعویٰ کیا ہے: فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّن مِّثْلِهِ. اب اگر کوئی قرآن پاک کا منکر سے کہے کہ تم کوئی سورت پڑھو میں اس کا مثل پیش کرتا ہوں۔ تم نے سورۂ کوثر پڑھی، پھر منکر نے بھی سورۂ کوثر تمہارے سامنے پڑھ دیا اور یہ دعویٰ کیا کہ میں نے جو کچھ پڑھا ہے وہ

تمہاری قرأت کے بعد پڑھا ہے، اگر میری پڑھی ہوئی سورت بعینہ وہی ہے جو تم نے پڑھی تھی تو لازم آئے گا کہ ایک شے اپنی ذات سے مؤخر ہوجائے اور یہ محال ہے، لہٰذا ماننا پڑے گا کہ میں نے جو سورت پڑھی ہے وہ تمہاری پڑھی ہوئی سورت نہیں ہے، لہٰذا قرآن کا مثل ثابت ہوگیا، تو کیا اب منکرین کے اس مفروضے کو صحیح تسلیم کریں گے؟ اگر یہ معارضہ صحیح نہیں اور یقیناً صحیح نہیں، تو ثابت ہوا کہ جس طرح قرآن کی ایک سورت لاتعداد ولاتحصٰی قرأتوں میں ظاہر ہونے سے ایک دوسرے کی غیر اور اس کی مثل نہیں بن جاتی، اسی طرح متعدد اور بے شمار اجساد مثالیہ میں ذات مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور فرمانے سے کوئی جسد مثالی آپ کا غیر نہیں ہوسکتا اور پھر قرآن کریم متعدد صحیفوں کی شکل میں پایا جاتا ہے لیکن اس کے باوجود وہ ایک ہی ہے۔ یہ نہیں کہ وہ متعدد قرآن کریم آپس میں ایک دوسرے کا غیر بن کر سب قرآن منزل من اللہ کے امثال بن جائیں اور قرآن کی بے مثلی کا دعویٰ باطل ہوجائے، بلکہ وہ تمام قرآن مجید، خواہ کتنے ہی ہوں، عین قرآن منزل من اللہ ہیں اور اُن کو کثیر یا متعدد کہنا محض ظاہر کے اعتبار سے ہے، جب کہ حقیقتاً قرآن ایک ہے۔ اسی طرح کثیر اجساد مثالیہ ذات مصطفیٰ کے امثال نہیں۔

دوسرا اعتراض: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وفات کے بعد عالم بیداری میں تشریف لانا اور متعدد مقامات پر تشریف فرما ہونا ممکن ہے، یہ بات غلط ہے کہ اگر یہ ممکن ہوتا تو اہم ترین مواقع اور شدید ترین اختلافات اُمت کے وقت ظاہر ہوتے اور اُمت محمدیہ کی رہنمائی فرماتے، لیکن ساری دنیا جانتی ہے کہ صحابۂ کرام کے زمانے میں کثیر اور شدید اختلافات رونما ہوئے۔ حتیٰ کہ زبردست خون ریزی ہوئی لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ظاہر ہوکر اُس کا انسداد نہ فرمایا، اسی طرح مسائل شرعیہ میں بکثرت علمائے اُمت خصوصاً حضرات مجتہدین کرام کے اختلافات ہوئے، لیکن کسی موقع پر بھی حضور علیہ السلام نے تشریف لاکر اظہار حق نہ فرمایا۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بعد از وفات مواقع متعددہ میں تشریف نہیں لاسکتے اور وہ حاضر وناظر نہیں۔

جواب: اس اعتراض کا جواب صاحب تفسیر روح المعانی نے یہ دیا ہے: وَالْحَاصِلُ أَنَّهُ لَمْ يَبْلُغْنَا ظُهُوْرُهُ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ لِأَحَدٍ مِّنْ أَصْحَابِهٖ وَأَهْلِ بَيْتِهٖ وَهُمْ مَعَ

اِحْتِيَاجِهِمِ الشَّدِيْدِ لِذٰلِكَ وَظُهُوْرُهٗ عِنْدَ بَابِ مَسْجِدِ قُبَا كَمَا يَحْكِيْهِ بَعْضُ الشِّيْعَةِ افْتِرَاءٌ مَحْضٌ وَبُهْتٌ وَبِالْجُمْلَةِ عَدَمُ ظُهُوْرِهٖ لِأُولٰئِكَ الْكِرَامِ وَظُهُوْرُهٗ لِمَنْ بَعْدَهُمْ مِمَّا يَحْتَاجُ إِلٰى تَوْجِيْهٍ يَقْنَعُ بِهٖ ذُوْ الْأَفْهَامِ وَلَا يَحْسُنُ مِنِّيْ أَنْ أَقُوْلَ كُلُّ مَا يُحْكٰى عَنِ الصُّوْفِيَّةِ مِنْ ذٰلِكَ كِذْبٌ لَا أَصْلَ لَهٗ لِكَثْرَةِ حَاكِيْهِ وَجَلَالَةِ مُدَّعِيْهِ وَكَذَا لَا يَحْسُنُ مِنِّيْ أَنْ أَقُوْلَ أَنَّهُمْ إِنَّمَا رَأَوُا النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنَامًا فَظَنُّوْا ذٰلِكَ لِخِفَّةِ النَّوْمِ وَقِلَّةِ الْوَقْتِ يَقْظَةً فَقَالُوْا رَأَيْنَا يَقْظَةً لِمَا فِيْهِ مِنَ الْبُعْدِ وَلَعَلَّ فِيْ كَلَامِهِمْ مَا يَأْبَاهُ وَغَايَةُ مَا أَقُوْلُ أَنَّ تِلْكَ الرِّوَايَةَ مِنْ خَوَارِقِ الْعَادَةِ كَسَائِرِ كَرَامَاتِ الْأَوْلِيَاءِ وَمُعْجِزَاتِ الْأَنْبِيَاءِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ. كَانَتِ الْخَوَارِقُ فِي الصَّدْرِ الْأَوَّلِ لِقُرْبِ الْعَهْدِ بِشَمْسِ الرِّسَالَةِ قَلِيْلَةً جِدًّا وَأَنّٰى يُرَى النَّجْمُ تَحْتَ الشُّعَاعِ أَوِ الْبِقَاعِ فَيُمْكِنُ أَنْ يَّكُوْنَ قَدْ وَقَعَ ذٰلِكَ لِبَعْضِهِمْ عَلٰى سَبِيْلِ النُّدْرَةِ وَلَمْ تَقْتَضِ الْمَصْلَحَةُ إِفْشَاءَهٗ وَيُمْكِنُ أَنْ يُّقَالَ أَنَّهٗ لَمْ يَقَعْ لِحِكْمَةِ الْإِبْتِلَاءِ أَوْ لِخَوْفِ الْفِتْنَةِ لِأَنَّ فِي الْقَوْمِ مَنْ هُوَ كَالْمِرْآةِ لَهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوْ لِيَهْرَعَ النَّاسُ إِلٰى كِتَابِ اللّٰهِ وَسُنَّةِ رَسُوْلِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْمَا يُهِمُّهُمْ فَيَتَّسِعَ بَابُ الْاِجْتِهَادِ وَتَنْتَشِرَ الشَّرِيْعَةُ وَتَعْظُمَ الْحُجَّةُ الَّتِيْ يُمْكِنُ أَنْ يَّعْقِلَهَا كُلُّ أَحَدٍ أَوْ لِنَحْوِ ذٰلِكَ وَرُبَّمَا يُدَّعٰى أَنَّهٗ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ ظَهَرَ وَلٰكِنْ كَانَ مُسْتَتِرًا فِيْ ظُهُوْرِهٖ كَمَا رُوِيَ أَنَّ بَعْضَ الصَّحَابَةِ أَحَبَّ أَنْ رَّأٰى رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَاءَ إِلٰى مَيْمُوْنَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا فَأَخْرَجَتْ لَهٗ مِرْآتَهٗ فَنَظَرَ فِيْهَا فَرَأٰى صُوْرَةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَمْ يَرَ صُوْرَةَ نَفْسِهٖ فَهٰذَا كَالظُّهُوْرِ الَّذِيْ يَدَّعِيْهِ الصُّوْفِيَّةُ إِلَّا أَنَّهٗ بِحِجَابِ الْمِرْآةِ وَلَيْسَ مِنْ بَابِ التَّخَيُّلِ۔ (تفسیر روح المعانی، پارہ:22، صفحہ:37)

یعنی حاصل کلام یہ ہے کہ ہمیں آج تک کسی صحابی اور کسی اہل بیت کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور فرمانے کی خبر نہیں پہنچی، حالاں کہ وہ اہل بیت اور صحابہ تھے اور انھیں حضور کے ظہور فرمانے کی حاجت بھی نہایت شدید تھی اور بعض شیعوں نے جو مسجد قبا کے دروازے کے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہر ہونے کو نقل کیا ہے، خالص بہتان اور افترا محض ہے۔ خلاصہ یہ کہ صحابہ اور اہل بیت جیسے بزرگوں کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ظاہر نہ ہونا اور ان

کے بعد والوں کے لیے ظہور فرمانا اس قبیل سے ہے۔ اس کی ایسی توجیہ ضروری ہے جس سے اہل فہم حضرات کو قناعت خالص ہو اور مجھے یہ بات کسی طرح زیب نہیں دیتی کہ میں یہ کہہ دوں کہ وہ تمام واقعات جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہر و باہر تشریف لانے کے متعلق صوفیائے کرام سے منقول ہیں وہ سب جھوٹ ہیں اور اُن کی کوئی اصل نہیں، کیوں کہ ان کی حکایت کرنے والے بہت ہیں اور ان کے دعویٰ کرنے والے جلیل القدر ہیں اور مجھے یہ بات بھی گوارہ نہیں کہ میں یہ کہہ دوں کہ جن حضرات نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ظاہر و باہر دیکھا شاید انھوں نے حضور کو خواب میں دیکھا اور وقت کی قلت اور نیند کی خفت کی وجہ سے یہ گمان کرلیا کہ ہم نے بیداری میں حضور کی زیارت کی، کیوں کہ یہ بات بہت ہی بعید ہے اور غالباً ان حضرات کا کلام بھی اس تاویل سے انکار کرتا ہے۔ میری غایت گفتگو یہ ہے کہ رویت خوارق عادت سے ہیں۔ جیسا کہ اولیا کی کرامات اور انبیا علیہم السلام کے معجزات، اور خوارق عادات کا ظہور صحابہ کے زمانے میں آفتاب رسالت کے قرب زمانہ کی وجہ سے بہت ہی قلیل تھا۔ کیوں کہ آفتاب کی شعاعوں میں ستارے کب نظر آتے ہیں، یا جب آفتاب کی شعاعیں میدانوں میں پھیلی ہوئی ہوں تو ستارہ کیسے ظاہر ہوسکتا ہے۔ ممکن ہے کہ آپ کا ظہور بعض صحابہ کے لیے نادر طور پر واقع ہوا ہو اور مصلحت اس کے لیے افشا کو نہ چاہتی ہو، اور یہ بھی ممکن ہے کہ کہا جائے کہ صحابہ کرام کی آزمائش کی حکمت یا خوف فتنہ کی وجہ سے آپ کا ظہور واقع نہ ہوا ہو، یا اس لیے کہ اس وقت قوم میں ایسے لوگ موجود تھے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آئینے کی طرح تھے۔ جس سے انوار نبوت کی شعاعیں چمکتی تھیں یا اس لیے کہ لوگ اپنے مہمات کو حل کرنے کے لیے کتاب وسنت کی طرف متوجہ رہیں، اور اجتہاد کا دروازہ فراخ ہوجائے اور شریعت مطہرہ پھیل جائے اور اس حجت شرعیہ کی عظمت قائم ہوجائے جسے ہر عقلمند سمجھ سکتا ہے یا اس کی مثل کوئی حکمت ہو اور بسا اوقات دعویٰ کیا جاتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کے زمانے میں ظہور فرمایا ہے۔ لیکن کچھ حکمتوں کی بنا پر اپنے ظہور میں بھی ایک گونہ پردہ پوشی کی شان میں رہے۔ جیسا کہ مروی ہے کہ کسی صحابی کے دل میں شوق پیدا ہوا کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جمال جہاں آرا دیکھوں، وہ ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس گئے، حضرت میمونہ نے انھیں ایک آئینہ دیا، جس میں اس صحابی نے رسول اکرم صلی اللہ

علیہ وسلم کی مبارک صورت کو دیکھا اور اپنی صورت کو نہ دیکھا، یہ رویت اسی ظہور کی طرح ہے جس کا صوفیائے کرام دعویٰ کرتے ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ صوفیائے کرام کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور بالکل بے حجاب ہے، یہ ظہور آئینے کے پردے میں ہے اور یہ محض خیالی صورت نہیں۔

فائدہ: حاصل جواب یہ ہوا کہ اگر اول زمانے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر موقع پر ظاہر ہو کر تمام امور میں خود ہی رہنمائی فرماتے رہتے تو اُمت مسلمہ کتاب وسنت کی طرف بالکل متوجہ نہ ہوتی اور شریعت مطہرہ ہرگز نہ پھیلتی اور کتاب وسنت میں اجتہاد کی ضرورت نہ رہتی، حالاں کہ اس اُمت محمدیہ کے لیے اجتہاد ایک بڑی فضیلت ہے۔

☆☆☆

چھتیسواں وعظ: 7

منکرین کے اعتراضات وجوابات

تیسرا اعتراض: منکرین کہتے ہیں کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام ذرات کائنات پر حاضر وناظر مانا جائے تو ہر ناپاک، نجس، گندی، خبیث، بری اور حرام چیزوں پر بھی حضور حاضر وناظر ہوں گے اور حقیقت محمدیہ کے جلوے ان میں بھی پائے جائیں گے تو اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین ہے۔ لوگ پیشاب پاخانہ کرتے ہیں، جنسی تقاضے پورے کرتے ہیں، ایسے شرمناک مواقع پر بھی حضور حاضر وناظر ہوں گے، نیز طبقات جہنم، کفار ومشرکین، شیاطین وغیرہ پر بھی حاضر وناظر ہوں گے، تو ایسا اعتقاد آپ کی تعظیم کے مخالف ہے۔

جواب: یہ تمام قباحتیں اس وقت لازم آتی ہیں جب ہم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو بشریت مطہرہ کے ساتھ حاضر وناظر تسلیم کریں، جب کہ ہم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو بشریت مقدسہ کے ساتھ ہرگز ہرگز حاضر وناظر تسلیم نہیں کرتے، بلکہ حضور کی نورانیت وروحانیت اور حقیقت مبارکہ کے ساتھ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر وناظر مانتے ہیں۔ معترض نے بشریت اور حقیقت ونورایت کو ایک سمجھ لیا ہے، یہ اس کی ایک بنیادی غلطی ہے۔ قاعدہ یہ ہے کہ عالم شہادت، مادیات اور جسمانیات کے ضمن میں نجاست وخباثت، معصیت وقباحت وغیرہ کے خبیث وناپاک اثرات نورانی حقیقتوں پر اثر انداز نہیں ہوسکتے۔ جیسے آفتاب وماہتاب کی شعاعیں بول وبراز اور ناپاک اشیا پر پڑتی ہیں مگر نہ آفتاب وماہتاب نجس وناپاک ہوتا ہے اور نہ ہی اس کی شعاع۔ خود معترض کی نظر ناپاک چیزوں پر پڑتی ہے اور معترض کی آنکھ ناپاک نہیں ہوتی۔ پھر جب آنکھوں کے نور اور آفتاب وماہتاب کی نوری شعاعوں کو یہ نجاستیں ناپاک نہیں کرسکتیں تو انوار محمدی کی شعاعوں کو یہ مادی نجاستیں کیوں کر ناپاک کرسکتی ہیں۔ نیز قدرت خدا کے جلوے ہر فرد عالم اور ذرہ ذرہ کائنات میں پائے جاتے ہیں، چیز اچھی ہو یا بری، پاک ہو، یا

ناپاک، دنیا کی ہو یا آخرت کی ہر چیز میں اللہ تعالی کی صنعت اور خالقیت اور اس کی قدرت کے جلوے چمک رہے ہیں۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے: إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنفَعُ النَّاسَ وَمَا أَنزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَاءِ مِن مَّاءٍ فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيهَا مِن كُلِّ دَابَّةٍ وَتَصْرِيفِ الرِّيَاحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ۔ (سورۂ بقرہ، آیت:164)

ترجمہ: بے شک آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں اور رات دن کی آمدورفت میں اور ان کشتیوں میں جو لوگوں کے فائدہ کی چیزیں (مال تجارت) لے کر سمندر میں چلتی ہیں اور بارش میں جسے اللہ تعالی آسمانوں سے نازل کرتا ہے، پھر اس کے ساتھ مردہ زمین کو زندہ فرماتا ہے اور ہر قسم کے جانور جو اللہ تعالی نے زمین پر پھیلائے ہیں اور ہواؤں کے ادھر ادھر پھرنے میں اور ان بادلوں میں اللہ کے حکم سے زمین وآسمان کے درمیان گھرے رہتے ہیں ان سب چیزوں میں قدرت الٰہی کی بہت سی نشانیاں موجود ہیں۔

یہ قرآنی بیان اس دعویٰ پر شاہد ہے کہ ہر ذرۂ کائنات میں اللہ تعالی کی قدرت کی نشانیاں اور اس کی حکمت کے جلوے موجود ہیں۔ اب بتاؤ کہ کیا یہ اللہ تعالی کی قدرت کے جلوے اور قدرت کے نشانات پلید چیزوں پر پڑنے سے ناپاک ہوجاتے ہیں؟ اگر یہ ناپاک نہیں ہوتے، تو واضح ہے کہ جب اللہ کے جلووں کو یہ چیزیں پلید وناپاک نہیں کرسکتیں تو مظہر الٰہی حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کے جلووں کو کیوں کر ناپاک کرسکتی ہیں۔ اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے:

وَإِن مِّن شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ وَلَٰكِن لَّا تَفْقَهُونَ تَسْبِيحَهُمْ۔

(سورۂ بنی اسرائیل، آیت:64)

یعنی کوئی شئے ایسی نہیں ہے جو اللہ کی حمد وثنا نہ کرتی ہو، لیکن تم ان کی تسبیح کو نہیں سمجھتے۔

اس آیت سے روز روشن کی طرح ثابت ہوگیا کہ عالم کا ذرہ ذرہ خواہ پاک ہو یا ناپاک، خبیث ہو یا طیب تسبیح الٰہی میں مشغول ہے۔ اب بتاؤ کہ یہ تسبیح ناپاک اور خبیث چیزوں میں پائے جانے سے ناپاک ہوگئی ہے یا نہیں، اگر ناپاک نہیں ہوتی تو جلوہ ہائے محمد ان چیزوں میں پائے جانے سے کیوں ناپاک ہوجاتے ہیں؟

چوتھا اعتراض: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر و ناظر ماننا صحیح نہیں، کیوں کہ اگر آپ کو حاضر و ناظر مانا جائے تو کسی شخص کو بھی بلند آواز سے کلام کرنا کسی وقت بھی جائز نہیں ہو سکتا، کیوں کہ اللہ تعالیٰ قرآن ارشاد فرماتا ہے: لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ۔

یعنی تم اپنی آوازوں کو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز پر بلند نہ کرو۔

لہٰذا تم مجلس میں بلند آواز سے اشعار پڑھتے ہو یا اونچی آواز کرتے ہو یہ کسی وجہ سے جائز نہیں رہیں گے۔ تم یا تو حضور کو حاضر و ناظر نہیں سمجھتے یا جان بوجھ کر حکم الٰہی کی مخالفت کرتے ہو۔

جواب: آیت کریمہ لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ سے حاضر و ناظر کے مسئلے پر اعتراض کرنا عجیب مضحکہ خیز بات ہے۔ مسلمان کا ایک بچہ بھی اس حقیقت کو بخوبی سمجھ سکتا ہے کہ بلند آواز سے بولنے میں اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تکلیف پانے یا سرکار کی بے ادبی کا کوئی تصور نہ ہو سکتا ہو تو وہ رفع صوت اس نہی قرآن کے تحت نہیں آتا، قرآن پاک نے جس رفع صوت سے منع فرمایا ہے وہ رفع صوت وہ ہے جو شہنشاہ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف دینے یا بے ادبی کے تخیل کا موجب ہو، اگر رفع صوت بلا تخیل تاذی یا استہانت ہو تو وہ اس نہی قرآن کے تحت داخل نہیں، لہٰذا وہ جائز ہے۔ بخاری و مسلم میں ہے کہ جب یہ آیت لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ نازل ہوئی تو حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن کی آواز بہت بلند تھی گھر میں بیٹھ رہے، جب ان سے دریافت کیا گیا کہ آپ بارگاہ رسالت میں کیوں حاضر نہیں ہوتے؟ انھوں نے جواب دیا کہ تم جانتے ہو کہ میں سب سے زیادہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آواز پر بلند آواز کرنے والا ہوں، اس لیے آیت کریمہ کی رو سے اہل نار سے ہوں، تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حق میں ارشاد فرمایا: هُوَ مِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ۔ وہ اہل نار سے نہیں بلکہ اہل جنت سے ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ظاہری میں حضرت ثابت بن قیس کا رفع صوت ناجائز نہ ہوا، محض اس لیے کہ وہ تخیل تاذی و استہانت سے پاک تھا۔

اب بھی اگر مسئلہ سمجھ میں نہیں آیا تو روح المعانی کی یہ عبارت پڑھیں: ثُمَّ اِنَّ مِنَ الْجَهْرِ مَالَمْ يَتَنَاوَلْهُ النَّهْيُ بِالْاِتِّفَاقِ وَهُوَ كَانَ مِنْهُمْ فِيْ حَرْبٍ اَوْ فِيْ مُجَادَلَةِ مُعَانِدٍ اَوْ اِرْهَابِ عَدُوٍّ اَوْ مَا اَشْبَهَهٗ ذٰلِكَ مِمَّا لَا يَتَخَيَّلُ مِنْهُ تَاَذِّيْ اَوْ اِسْتِهَانَةٌ فَفِي الْحَدِيْثِ اَنَّهٗ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ

وَالسَّلَامُ قَالَ لِلْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ لَمَّا وَلَّى الْمُسْلِمُوْنَ يَوْمَ حُنَيْنٍ نَادِ اَصْحَابَ السَّمُرَةِ وَكَانَ رَجُلًا صَوْتًا يُرْوٰى اَنَّ غَارَةً اَتَتْهُمْ يَوْمًا فَصَاحَ الْعَبَّاسُ يَا صَبَاحَاهُ فَاَسْقَطَتِ الْحَوَامِلُ لِشِدَّةِ صَوْتِهٖ۔ (روح المعانی، پارہ:26، صفحہ:124)

یعنی بلند آوازی کی بعض وہ صورتیں ہیں جن کو نہی قرآن بالاتفاق شامل نہیں اور وہ صورتیں ہیں جن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف دینے یا حضور کی بے ادبی ہونے کا خیال تک پیدا نہ ہو سکے، مثلاً: لڑائی یا معاند کے ساتھ مجادلہ یا دشمن کے ڈرانے وغیرہ کے مواقع۔ حدیث شریف میں وارد ہے کہ جب غزوۂ حنین کے دن مسلمان میدان جہاد سے چلے گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس بن عبدالمطلب سے فرمایا کہ اصحاب سمرہ یعنی بیعت رضوان کو آواز دو تو حضرت عباس نے بڑی اونچی آواز سے فرمایا کہ کہاں ہیں اصحاب سمرہ؟ کیوں کہ حضرت عباس بڑے بلند آواز تھے۔ مروی ہے کہ ایک دن کچھ لٹیرے آپڑے تو حضرت عباس نے یا صباحاہ کہہ کر پکارا تو اُن کی شدتِ آواز کی وجہ سے حاملہ عورتوں کے حمل ساقط ہو گئے۔

فائدہ: اگر معترض سمجھدار ہے تو تسلی کے لیے اتنا ہی کافی ہے، ورنہ ایک دفتر بھی بیکار ہے۔

پانچواں اعتراض: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر و ناظر ماننا قرآن پاک کے ارشاد کے مخالف ہے، کیوں کہ بہت آیات میں حاضر و ناظر ہونے کی نفی صراحتاً موجود ہے۔ وہ آیات یہ ہیں:

۱۔ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ۔ (سورۂ آل عمران)

یعنی آپ ان کے پاس نہ تھے جب وہ لوگ اپنے قلم ڈال رہے تھے۔

۲۔ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ اَجْمَعُوْٓا اَمْرَهُمْ۔ (سورۂ یوسف)

یعنی آپ ان کے پاس نہ تھے جب انھوں نے اپنے معاملے پر اتفاق کیا۔

۳۔ وَمَا كُنْتَ ثَاوِيًا فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ تَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا۔ (سورۂ قصص)

یعنی آپ اہل مدین میں نازل نہ تھے کہ ان پر ہماری آیتیں تلاوت کرتے۔

۴۔ وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ اِذْ نَادَيْنَا۔ (سورۂ قصص)

یعنی آپ طور کی جانب نہیں تھے جب ہم نے آواز دی۔

۵۔ وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ اِذْ قَضَيْنَآ اِلٰى مُوْسَى الْاَمْرَ وَمَا كُنْتَ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ۔

یعنی آپ مغربی جانب نہ تھے جب ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی اور وہ شاہدین میں سے نہ تھے۔

چنانچہ ان آیتوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حاضر و ناظر ہونے کی نفی فرمائی گئی ہے۔

جواب: اصل بات یہ ہے کہ معترض نرا جاہل ہے، کیوں کہ وہ حاضر و ناظر کے مسئلے میں اہل حق کے مسلک کو نہیں سمجھ سکا۔ ان آیتوں میں کوئی ایسا لفظ نہیں ہے جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے حاضر و ناظر ہونے کے مسئلے کے خلاف ہو، کیوں کہ اہل سنت کا دعویٰ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی روحانیت و نورانیت کے ساتھ ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں اور ان آیتوں کا یہ معنی کہ آپ اپنی جسمانیت کے ساتھ ان مقامات پر موجود نہ تھے۔ بھلا جسمانی طور پر موجود نہ ہونا روحانی طور پر موجود نہ ہونے کو کب مستلزم ہے، لہٰذا آپ ان مقامات میں روحانی طور پر حاضر و ناظر ہوں اور جسمانی طور پر حاضر و ناظر نہ ہوں، یہ درست ہے اور یہی ان آیتوں کا مطلب ہے۔

علامہ صاوی سورۂ قصص کی آیات کے تحت لکھتے ہیں: هٰذَا بِالنَّظَرِ لِلْعَالَمِ الْجِسْمَانِي وَأَمَّا بِالنَّظَرِ لِلْعَالَمِ الرُّوْحَانِي فَهُوَ حَاضِرٌ رِسَالَةَ كُلِّ رَسُوْلٍ وَمَا وَقَعَ لَهُ مِنْ لَدُنْ اٰدَمَ إِلٰى أَنْ ظَهَرَ بِجِسْمِهِ الشَّرِيْفِ وَلٰكِنْ لَا يُخَاطَبُ بِهِ أَهْلُ الْعِنَادِ۔ (تفسیر صاوی، جلد سوم، صفحہ:182)

خلاصہ یہ ہے کہ ارسال رسل اور اُن کے زمانہ رسالت کے واقعات پر آپ کا حاضر و موجود نہ ہونا عالم جسمانی کے اعتبار سے ہے، مگر عالم روحانی کے اعتبار سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت آدم کے زمانے سے لے کر ہر رسول کی رسالت اور اُن کے تمام واقعات پر حاضر ہیں، یہاں تک کہ حضور نے اپنی جسمانیت مطہرہ کے ساتھ ظہور فرمایا۔ لیکن یہ ایسی باتیں ہیں جن کے ساتھ اہل عناد کو خطاب نہیں کیا جاسکتا۔

فائدہ: اس عبارت نے معترض کے استدلال کو دھواں دھواں کر دیا اور اس حقیقت کو واضح کر دیا کہ دلائل شرعیہ یا عبارات کتب معتبرہ میں جہاں بھی اس قسم کا مضمون وارد ہے، وہاں یہی مطلب ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جسمانی طور پر نہیں بلکہ روحانی طور پر ہر جگہ موجود ہیں۔

آنکھ والے تیرے جلوے کا تماشا دیکھیں — دیدۂ کور کو کیا آئے نظر کیا دیکھیں

سینتیسواں وعظ: 8

منکرین کے اعتراضات و جوابات

چھٹا اعتراض: اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم حاضر و ناظر ہیں تو اس حدیث کا کیا مطلب ہے؟ مَنْ زَارَ قَبْرِيْ وَجَبَتْ لَهٗ شَفَاعَتِيْ۔ جو میری قبر انور کی زیارت کرے گا اس کے لیے میری شفاعت واجب ہوگی۔

جب آپ ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں تو مدینہ جا کر روضۂ اطہر کی زیارت کی حاجت کیا ہے؟

جواب: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم قبر انور میں اپنی بشریت مطہرہ کے ساتھ رونق افروز ہیں اور ظاہر ہے کہ بشریت ایک محدود چیز ہے، اگرچہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت اور نورانیت تمام عالم میں موجود ہے۔ لیکن جب تک کسی شخص کو قرب روحانی حاصل نہ ہو، اس وقت تک وہ شخص آپ کی اس روحانیت مقدسہ کے حاضر و موجود ہونے سے فائدہ حاصل نہیں کر سکتا۔ البتہ جو حضرات اہل کمال ہیں اُن کو تو ہر وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا قرب نصیب ہے اور ہر ساعت آپ کی روحانیت و نورانیت کے حاضر و موجود ہونے سے فائدہ حاصل کرتے رہتے ہیں۔ لیکن وہ گنہگاران امت جو بشریت کی حدود سے متجاوز ہو کر عالم روحانیت تک نہیں پہنچے، ان کے لیے اگر قبر انور کا سہارا نہ ہو تو اُن کے لیے پناہ کی کون سی جگہ ہے؟ پس گنہگاروں کے لیے قبر انور میں آپ کی بشریت مطہرہ جائے پناہ ہے اور اہل کمال اور صاحب روحانیت کے لیے آپ کی روح کا حاضر و موجود ہونا ماویٰ و ملجا ہے۔ الغرض حدیث "من زار قبری" میں دور افتادوں اور گنہگاروں کے لیے مژدۂ شفاعت ہے اور یہ بتانا مقصود ہے کہ میں اپنی جسمانیت مقدسہ کے ساتھ قبر انور میں زندہ رونق افروز ہوں۔ جس طرح میری حیات ظاہری میں میری بارگاہ میں حاضر ہونے والا کبھی محروم نہیں ہوا، بالکل اسی طرح بعد وصال بھی قبر انور میں میرا فیض جاری ہے، آؤ اور فیض حاصل کرو۔ ذرا معترض یہ تو بتائے کہ اس

حدیث میں یہ کس لفظ کا ترجمہ ہے کہ میں حاضر وناظر نہیں، بھلا بشریت مقدسہ کے قبر انور میں رونق افروز ہونے سے حاضر وناظر کے مسئلے کا انکار کیسے کیا جاسکتا ہے؟ کیوں کہ جسمانیت مطہرہ حیات حقیقیہ کے ساتھ قبر انور میں جلوہ گر ہے اور آپ کی روحانیت ونورانیت تمام اکوان عالم اور اطراف عالم میں موجود وحاضر ہے۔ جس طرح سورج کے آسمان پر موجود ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کی زمین پر روشنی نہ ہو، اسی طرح آپ کے قبر انور میں اپنی جسمانیت مطہرہ کے ساتھ موجود ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ آفتاب رسالت کے انوار آفاق عالم میں موجود نہ ہوں۔ سورج آسمان پر ہی ہوتا ہے مگر اس کی شعاعیں ہر خطے کو روشن کرتی ہیں اسی طرح رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم قبہ خضرا ہی میں موجود ہیں لیکن اپنے انوار سے زمین وآسمان کو منور فرماتے رہیں گے۔

ساتواں اعتراض: حدیث معراج حاضر وناظر کے مسئلے کے انکار کے لیے کافی ہے کیوں کہ ہر شخص جانتا ہے کہ شب معراج حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ مکرمہ سے بیت المقدس کی طرف روانہ ہوئے تو آپ مکہ مکرمہ میں نہ رہے۔ پھر جب مسجد اقصیٰ سے پہلے آسمان پر پہنچے تو آپ مسجد اقصیٰ میں موجود نہ رہے۔ جب دوسرے آسمان پر پہنچے تو پہلے آسمان پر حاضر وموجود نہ رہے، اسی طرح ساتوں آسمانوں کی طرف چلے جایئے، جب آپ واپس تشریف لائے تو ساتوں آسمان آپ کے وجود سے خالی ہو گئے، اگر حاضر وناظر کا مسئلہ برحق ہو تو معراج باطل ہو جاتی ہے۔ کیوں کہ جانے اور آنے کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ جانے والا جانے سے پہلے اس مقام پر موجود نہیں ہوتا جہاں جانا چاہتا ہے اور آنے کے بعد اُس جگہ موجود نہیں رہتا، جہاں سے آیا ہے، لہٰذا حاضر وناظر کے عقیدے کے ساتھ معراج کا عقیدہ جمع نہیں ہو سکتا۔ معراج کے قائل ہیں تو حاضر وناظر کے مسئلے کا انکار کیجیے، اگر حاضر وناظر کے مسئلے کو صحیح مانتے ہو تو عقیدۂ معراج سے دست برداری کا اعلان کرو۔

جواب: معترض کا حدیث معراج سے حاضر وناظر کے مسئلے پر اعتراض کرنا ایک بہت بڑا مغالطہ ہے اور یہ مغالطہ بھی مذہب اہل حق کو نہ سمجھنے سے پیدا ہوا ہے۔ ہم نے بار بار بتایا ہے کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جسمانیت کے طور پر حاضر وناظر نہیں مانتے، بلکہ روحانیت اور نورانیت کے اعتبار سے مانتے ہیں۔ اب اعتراض کی کون سی گنجائش باقی رہ جاتی ہے؟ کیوں کہ معراج

جسمانی ہے تو آپ کا آنا جانا بھی جسم اقدس ہی سے متعلق ہوا، جہاں سے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم چلے وہاں سے سرکار کی جسمانیت منتقل ہوئی اور جہاں پہنچے وہاں جسمانیت پہنچی، جہاں سے آئے جسمانیت وہاں سے روانہ ہوئی۔ اس ضمن میں جو جگہ حضور سے خالی ہوئی وہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت اور نورانیت سے نہیں، بلکہ آپ کی بشریت وجسمانیت سے خالی ہوئی۔ پھر جب ہم جسمانیت اور بشریت کے ساتھ آپ کو حاضر وناظر ہونے کے قائل ہی نہیں تو حدیث معراج ہمارے دعویٰ کے کس طرح معارض ہو سکتی ہے؟

آٹھواں اعتراض: منکرین کی طرف سے حاضر وناظر کے مسئلے میں عموماً یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ ہر جگہ حاضر وناظر ہونا اللہ کی صفت ہے، جیسا کہ وہ خود فرماتا ہے: عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ شَهِیۡدٌ اور بِکُلِّ شَیۡءٍ مُّحِیۡطٌ ۔ اور اللہ کی صفت غیر اللہ کے لیے ثابت کرنا شرک ہے۔

جواب: مخالفین کا یہ اعتراض بہت پرانا اور بیحد فرسودہ ہے۔ صرف حاضر وناظر کا مسئلہ نہیں، بلکہ کمالات رسالت سے تعلق رکھنے والے تمام مسائل کا انکار اسی شرک کا سہارا لے کر کیا جاتا ہے۔ گویا الزام شرک کا یہ اعتراض مغالطہ عامۃ الورود ہے جو ہر مقام پر بلا کسی تامل کے وارد کر دیا جاتا ہے۔ اس کے متعلق صرف اتنی گزارش ہے کہ ہمارا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کوئی صفت کسی غیر کے لیے ثابت کرنا شرک ہے، لیکن اس کے ساتھ اس حقیقت کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ صفات الٰہی مستقل اور بالذات ہوتی ہیں۔ اللہ کی کوئی صفت عطائی اور غیر مستقل نہیں ہوتی، بندوں کے لیے کسی مستقل بالذات صفت کا حصول قطعاً ناممکن اور محال ہے۔ اب اس قاعدے کے تحت اللہ تعالیٰ کے حاضر وناظر ہونے والی صفت ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ثابت نہیں کرتے، بلکہ ہم کہتے ہیں کہ حاضر وناظر ہونے کی صفت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے عطائی، بالعرض اور حادث ومخلوق ہے، اب بتاؤ شرک کہاں رہا؟ جان لو کہ حیات، سمع، بصر وغیرہ اللہ تعالیٰ کی صفتیں ہیں اور اُس کے بندوں کی بھی ہیں، مگر شرک پھر بھی لازم نہیں آتا کیوں کہ اللہ تعالیٰ کے لیے یہ صفتیں مستقل اور بالذات ہیں اور بندوں کے لیے غیر مستقل، عطائی اور بالعرض ہیں۔

نواں اعتراض: فتاویٰ بزازیہ جو فقہ کی ایک معتبر کتاب ہے، اس میں یہ عبارت ہے: مَنْ قَالَ اِنَّ اَرْوَاحَ الْمَشَایِخِ حَاضِرَۃٌ تَعْلَمُ یَکْفُرُ۔ یعنی جو یہ کہے کہ مشائخ کی روحیں

حاضر ہیں اور وہ علم رکھتی ہیں تو وہ کافر ہوتا ہے۔ معلوم ہوا کہ حاضر و ناظر کا عقیدہ رکھنا کفر ہے۔

جواب: مخالفین و منکرین نے اعتراض تو کر دیا اور حکم کفر بھی جڑ دیا، مگر ہم اُن سے پوچھتے ہیں کہ یہ کفر صرف ہمارے ساتھ ہی خاص ہے یا عام ہے، اگر ہمارے ساتھ ہی خاص ہے تو ہم نے کون سا گناہ کیا ہے؟ اگر ہم حاضر و ناظر کا عقیدہ رکھتے ہیں تو کافر بن جاتے ہیں، اگر کوئی اور یہی عقیدہ رکھتا ہے تو کافر نہیں ہوتا، اب بتاؤ کیا کہتے ہو؟ اگر عام ہے کہ خواہ کوئی بھی ہو، حاضر و ناظر کا یہ عقیدہ رکھے گا تو کافر ہو جائے گا تو آپ کو چاہیے کہ حضرت امام غزالی اور عبدالحق محدث دہلوی وغیرہ جیسے ائمہ دین کو بھی کافر کہو، کیوں کہ یہ حضرات جو ائمہ دین ہیں، فرماتے ہیں کہ نمازی جب اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ کہے تو اپنے دل میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر سمجھ کر یہ سلام عرض کرے، جیسا کہ اشعۃ اللمعات واحیاء العلوم کی عبارتیں پیش کی جاچکی ہیں، اگر ایسے ائمہ دین کفر کی زد میں آتے ہیں تو مسلمان کون رہ جائیں گے؟ اصل بات یہ ہے کہ بزازیہ میں جس حاضر و ناظر ماننے کو کفر کہا گیا ہے وہ حاضر و ناظر ہے جو صفت الٰہی ہے، یعنی ذاتی، قدیم، مستقل ماننا، حالاں کہ ہم اس کے قائل نہیں بلکہ عطائی بالعرض کے قائل ہیں۔

دسواں اعتراض: فتاویٰ قاضی خان میں ہے کہ جو شخص نکاح کرے اور کہے کہ میں نے اس نکاح میں اللہ اور رسول کو گواہ بنایا ہے وہ کافر ہو جاتا ہے۔ ثابت ہوا کہ جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر و ناظر جانے وہ کافر ہے۔

جواب: اگرچہ اس کے جواب بہت ہیں مگر یہاں وہ جواب ذکر کیا جاتا ہے جس کو امام اجل علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''تنویر الملک'' میں ذکر کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ قاضی خاں کی عبارت کا یہ ہرگز مطلب نہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر و ناظر جان کر کافر ہوا ہے، بلکہ اس لیے کافر ہو جاتا ہے کہ وہ اس قوم کے ضمن میں ایک تواتر کا انکار کر رہا ہے اور حدیث متواتر کا منکر یقیناً کافر ہے۔ اور حدیث یہ ہے: لَا نِكَاحَ إِلَّا بِشُهُوْدٍ. لہٰذا کفر کی بنا انکار حدیث متواتر پر ہے، نہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حاضر و ناظر ماننے پر۔

☆☆☆

اڑتیسواں وعظ: 1

حضور کا علم غیب قرآن مجید کی روشنی میں

قَالَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى:

وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا (سورۂ نسا، آیت: 113)

یعنی اے محبوب! آپ کو سکھا دیا جو کچھ آپ نہ جانتے تھے اور آپ پر اللہ کا بڑا فضل ہے۔

حضرات! اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی رحمت اور فضل سے عرش سے فرش تک اور شرق سے غرب تک اور روز ازل سے روز آخر تک کے علوم عنایت فرمائے اور ما کان وما یکون کے علم سے سرفراز فرمایا۔ قرآن وحدیث، ائمہ دین اور علمائے معتمدین کے اقوال سے ثابت ہے، اور یہی اہل سنت وجماعت کا عقیدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا. یعنی یہ رسول تمہارے اوپر گواہ ہیں۔

فائدہ: اس آیت سے معلوم ہوا کہ قیامت کے دن جب آپ کی اُمت امم سابقہ کے کفر وانکار پر گواہی دیں گے اور صفائی کی گواہی اس وقت متصور ہو سکتی ہے کہ گواہ ان کے حالات پر مطلع ہوں، ورنہ گواہی کا کیا مطلب؟ لہٰذا ضروری ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر دیندار کے دینی مرتبے کو پہچانیں اور اُن کے اچھے برے اعمال کو اور اُن کے اخلاص ونفاق کو جانیں۔

ثابت ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے ایسا علم غیب عطا فرمایا ہے جس سے مسلمانوں کے دینی مرتبے اور اُن کے اچھے برے اعمال کو، اُن کے اخلاص ونفاق کو جانتے ہیں۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

رسول علیہ السلام مطلع است بنور نبوت بر دین ہر متدین بدین خود کہ کدام درجہ از دین من رسیدہ و حقیقت ایمان او چیست و حجابے کہ بداں از ترقی محجوب ماندہ است کدام است پس اوی

شناسد گناہان شمارا در جانب ایمانِ شمارا و اعمالِ بد و نیک شمارا و اخلاص و نفاق شمارا لہٰذا شہادت او در دنیا و آخرت بحکم شرع در حق امت مقبول و واجب العمل است۔ (تفسیر عزیزی، صفحہ:518)

یعنی حضور علیہ السلام اپنے نورِ نبوت کی وجہ سے ہر دیندار کے دین کو جانتے ہیں کہ وہ دین کے کس درجے کو پہنچا ہے اور اُس کے ایمان کی حقیقت کیا ہے اور کون سا حجاب اس کی ترقی سے مانع ہے۔ تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تمہارے گناہوں کو، تمہارے ایمانی درجات کو، تمہارے نیک و بد اعمال کو اور تمہارے اخلاص و نفاق کو پہچانتے ہیں، اس لیے ان کی گواہی دنیا و آخرت میں بحکم شرع امت کے حق میں مقبول اور واجب العمل ہے۔

فائدہ: اس تفسیر سے روزِ روشن کی طرح ثابت ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام مسلمانوں کے ظاہری اور باطنی سب احوال جانتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو اتنا وسیع علم غیب عطا فرمایا ہے کہ آپ پر کسی مسلمان کا کوئی حال پوشیدہ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَمَا کَانَ اللّٰہُ لِیُطْلِعَکُمْ عَلَی الْغَیْبِ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ یَجْتَبِیْ مِنْ رُّسُلِہٖ مَنْ یَّشَآءُ۔ (سورہ: آل عمران، رکوع:10)

یعنی اے لوگو! اللہ کی شان یہ نہیں ہے کہ تمھیں غیب کا علم دے، البتہ! اللہ چن لیتا ہے اپنے رسولوں سے جسے چاہے۔

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنے برگزیدہ رسولوں کو علم غیب عطا فرماتا ہے اور سید الانبیاء نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رسولوں میں سب سے افضل اور اعلیٰ ہیں تو بالیقین آپ کو بھی اللہ تعالیٰ نے بے شمار علم غیب عطا فرمایا ہے۔ تفسیر جلالین شریف میں ہے:

وَمَا کَانَ اللّٰہُ لِیُطْلِعَکُمْ عَلَی الْغَیْبِ فَتَعْرِفُوا الْمُنَافِقَ مِنْ غَیْرِہٖ قَبْلَ التَّمْیِیْزِ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ یَجْتَبِیْ یَخْتَارُ مِنْ رُّسُلِہٖ مَنْ یَّشَآءُ فَیُطْلِعُہٗ عَلٰی غَیْبِہٖ کَمَا اَطْلَعَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلٰی حَالِ الْمُنَافِقِیْنَ۔ (تفسیر جلالین، صفحہ:66)

یعنی اے لوگو! اللہ کی شان یہ نہیں کہ وہ تم کو غیب کی اطلاع دے، اس لیے پہچان لو کہ تم منافق کو اس کے بغیر تمیز سے پہلے۔ لیکن اللہ چن لیتا ہے اپنے رسولوں سے جسے چاہے۔ پھر اس کو اپنے غیب کی اطلاع دیتا ہے، جیسے نبی کریم کو منافقوں کے حال پر اطلاع دی۔

صاحب تفسیر حسینی اس آیت کا شان نزول بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وقتیکہ حضرت پیغمبر فرمود کہ امت مرا بصورت و حلیت بمن نمودند بہماں مشابہ کہ ذرات ذریات را بآدم صفی علیہ السلام نمودہ بودند و مرا بالہام الٰہی معلوم شد کہ کدام از ایشاں اسلام قبول کند و کدام در بادیہ ضلالت سرگرداں ماند۔ منافقاں با یک دیگری گفتند کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) چنیں دعوی بلند میکند و از حالات دل متزلزل ما غافل ست اگر راست میگوید یا ما بگوید کدام مخلص است و کدام منافق آیت آمد۔ (تفسیر حسینی، جلد اول، صفحہ:97)

یعنی جب حضرت رسولِ پاک نے فرمایا کہ مجھے اپنی امت اپنی شکل و صورت میں دکھائی گئی جیسا کہ تمام اولاد حضرت آدم کو دکھائی گئی تھی اور میں نے الہامِ الٰہی سے معلوم کر لیا کہ ان میں سے کون اسلام قبول کرے گا اور کون گمراہی کے جنگل میں سرگرداں رہے گا تو منافقوں نے ایک دوسرے سے کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ایسا بلند دعویٰ کرتا ہے اور ہمارے متزلزل دل کے حالات سے ناواقف ہے، اگر سچ کہتا ہے تو کہ ہمیں بتائے کہ کون مخلص ہے اور کون منافق ہے تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔

فائدہ: اس شانِ نزول سے دو مسئلے ثابت ہوئے: اول یہ کہ سردار کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب بتایا گیا جس کی وجہ سے آپ مومن اور منافق کو پہچانتے ہیں۔ دوسرا یہ کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کے بارے میں اعتراض کرنا منافقین کا شیوہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَعَلَّمَکَ مَا لَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ وَکَانَ فَضْلُ اللّٰہِ عَلَیْکَ عَظِیْمًا۔ (سورۂ نسا، آیت:113)

ترجمہ: محبوب تم کو سکھا دیا جو کچھ تم نہ جانتے تھے اور اللہ کا تم پر بڑا فضل ہے۔

فائدہ: اس آیت میں کلمہ مَا نکرہ ہے جو تحت نفی واقع ہو کر عمومیت محضہ کا فائدہ دیتا ہے، تو معنی یہ ہوگا کہ ہر وہ شئے جس کو آپ نہیں جانتے تھے، ہر اُس شئے کا علم آپ کو دیا گیا۔

ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام کائنات کے علوم عطا فرمائے اور کتاب و حکمت کے اسرار و دقائق پر مطلع کیا۔

منکرین علم غیب اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ اس سے احکام شرع مراد ہیں نہ کہ علم غیب، مگر تفسیروں کی روشنی میں منکرین کی یہ بات غلط ہے، بلکہ اس سے عام مراد ہے احکام شرع ہوں یا علم غیب ہو۔ تفسیر جلالین میں ہے:

وَعَلَّمَكَ مَالَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ مِنَ الْاَحْكَامِ وَالْغَيْبِ۔ (تفسیر جلالین، صفحہ:87)

یعنی آپ کو سکھا دیا احکام اور علم غیب سے جو کچھ آپ نہ جانتے تھے۔

فائدہ: اس تفسیر نے منکرین کے جواب پر پانی پھیر دیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو احکام بھی بتائے اور علم غیب بھی سکھایا۔ اب ذرا تفسیر حسینی کی بھی سنیے، تفسیر حسینی میں ہے: در بحر الحقائق می فرماید کہ آں علم ما کان وما یکون است کہ حق سبحانہ در شب اسرا بداں حضرت عطا فرمود چنانچہ در احادیث معراجیہ آمدہ است کہ در زیر عرش بودم قطرہ در حلق من ریختند فعلمت بہا ما کان وما یکون، پس دانستم آنچہ بود و آنچہ خواہد بود۔

(تفسیر حسینی، جلد اول، صفحہ:133)

یعنی بحر الحقائق میں ہے کہ وہ علم ما کان وما یکون ہے کہ حق تعالیٰ نے شب معراج حضور علیہ السلام کو عطا فرمایا، جب کہ معراج کی حدیث میں ہے کہ ہم عرش کے نیچے تھے کہ ایک قطرہ ہمارے حلق میں ڈالا گیا، پس ہم نے سارے گزشتہ اور آئندہ کے واقعات معلوم کر لیے۔

فائدہ: اس تفسیر سے روز روشن کی طرح ثابت ہوا کہ ہمارے آقا و مولیٰ حضرت محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم ما کان وما یکون کے علوم جانتے ہیں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے۔

اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتا ہے: مَافَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ۔ (پارہ:7)

یعنی ہم نے اس کتاب میں کچھ اٹھا نہ رکھا۔

فائدہ: یعنی اس کتاب میں کوئی ایسی شئے نہیں جس کا بیان نہ ہو، جملہ علوم اور تمام ما کان وما یکون کا اس میں بیان اور جمیع اشیا کا علم اس میں موجود ہے، خواہ کتاب سے مراد قرآن کریم ہو یا لوح محفوظ ہو، اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں قرآن مجید بھی ہے اور لوح محفوظ بھی ہے، تو ثابت ہوا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں ہر شئے ہے اور آپ ما کان و ما یکون کو جانتے ہیں۔ تفسیر صاوی میں ہے: فَحَيْثُ اُرِيْدَ بِالْكِتَابِ اللَّوْحُ الْمَحْفُوْظُ فَالْعُمُوْمُ ظَاهِرٌ فَاِنَّ فِيْهِ تِبْيَانَ كُلِّ شَيْءٍ مَاكَانَ وَمَايَكُوْنُ وَمَاهُوَ كَائِنٌ۔ (ج:۲، ص:13)

یعنی جب کتاب سے مراد لوح محفوظ ہے تو عموم ظاہر ہے، کیوں کہ اس میں ہر شئے ما کان و ما یکون اور کائن کا واضح بیان ہے۔

فائدہ: معلوم ہوا کہ لوح محفوظ میں ہر شئے کا علم ہے اور لوح محفوظ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں ہے، تو ثابت ہوا کہ آپ کو ہر شئے کا علم ہے۔

علامہ خازن رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: اِنَّ الْقُرْاٰنَ مُشْتَمِلٌ عَلٰى جَمِيْعِ الْاَحْوَالِ۔

یعنی قرآن کریم تمام حالات پر شامل ہے۔ (تفسیر خازن، جلد دوم، صفحہ:14)

فائدہ: اس سے بھی ثابت ہوا کہ قرآن پاک میں ہر چیز کا بیان ہے۔ کوئی ایسی شئے نہیں جو قرآن مجید میں موجود نہ ہو۔ کسی نے کیا خوب فرمایا: وَكُلُّ الْعِلْمِ فِي الْقُرْاٰنِ لٰكِنْ تَقَاصَرَ عَنْهُ اَفْهَامُ الرِّجَالِ۔ یعنی تمام علوم قرآن پاک میں موجود اور مسطور ہیں مگر لوگوں کی سمجھیں اس سے قاصر ہیں۔ (تفسیر عزیزی، پارہ آخری، صفحہ:363)

مطلب یہ کہ صرف عارف باللہ ہی قرآن پاک میں تمام علوم کو سمجھ سکتا ہے، جیسا کہ حضرت قطب ربانی امام شعرانی "طبقات کبریٰ" میں فرماتے ہیں کہ حضرت محمد ابراہیم سوتی فرماتے ہیں:

لَوْ فَتَحَ اللّٰهُ عَنْ قُلُوْبِكُمْ اَقْفَالَ السَّدِّ لَاَطَّلَعْتُمْ عَلٰى مَافِي الْقُرْاٰنِ مِنَ الْعُلُوْمِ وَاسْتَغْنَيْتُمْ عَنِ النَّظْرِ فِيْ سِوَاهُ فَاِنَّ فِيْهِ جَمِيْعَ مَارُسِمَ فِيْ صَفْحَاتِ الْوُجُوْدِ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى مَافَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ۔ (طبقات کبریٰ، جلد اول، صفحہ:149)

یعنی اگر اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں سے بند قفل کھول دے تو تم ان علموں پر مطلع ہو جاؤ گے جو قرآن مجید میں ہیں اور تم قرآن کے سوا دوسری چیزوں سے بے پرواہ ہو جاؤ گے، کیوں کہ قرآن میں وہ تمام چیزیں لکھی ہوئی ہیں جو وجود کے صفحوں میں ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے:

مَافَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ۔ یعنی قرآن میں ہر چیز کا بیان ہے۔

اس سے ثابت ہوا کہ قرآن پاک میں تمام احوال لکھے ہوئے ہیں جن کو عارف باللہ جانتا ہے اور قرآن پاک کے تمام علوم سردار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں ہیں، اس لیے آپ کو تمام احوال کا علم ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتَابٍ مُّبِيْنٍ۔

یعنی ہر تر اور خشک روشن کتاب میں لکھا ہوا ہے۔

اس آیت سے بھی ثابت ہوا کہ ہر شئے روشن کتاب یعنی لوح محفوظ میں لکھی ہوئی ہے۔

صاحب تفسیر حسینی نے زیر آیت لکھا ہے: گفتہ اند مراد از رطب و یابس ہمہ چیز ہا است۔

یعنی علما نے فرمایا ہے کہ رطب ویابس سے تمام چیزیں مراد ہیں۔

صاحب روح البیان نے زیر آیت لکھا ہے: هُوَ اللَّوْحُ الْمَحْفُوْظُ فَقَدْ ضَبَطَ اللّٰهُ فِيْهِ جَمِيْعَ الْمَقْدُوْرَاتِ الْكَوْنِيَّةِ لِفَوَائِدَ تَرْجِعُ إِلَى الْعِبَادِ يَعْرِفُهَا الْعُلَمَاءُ بِاللّٰهِ۔

یعنی وہ لوح محفوظ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں ساری ممکن چیزیں جمع فرمادیں، ان فائدوں کی وجہ سے جو کہ بندوں کی طرف لوٹتے ہیں ان کو علمائے ربانی جانتے ہیں۔

تفسیر خازن میں ہے: وَالثَّانِيْ أَنَّ الْمُرَادَ بِالْكِتَابِ الْمُبِيْنِ هُوَ اللَّوْحُ الْمَحْفُوْظُ لِأَنَّ اللّٰهَ كَتَبَ فِيْهِ عِلْمَ مَا كَانَ وَمَا يَكُوْنُ وَمَا قَدْ كَانَ قَبْلَ أَنْ يَخْلُقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ وَفَائِدَةُ إِحْصَاءِ الْأَشْيَاءِ كُلِّهَا فِيْ هٰذَا الْكِتَابِ لِتَقِفَ الْمَلٰئِكَةُ عَلٰى إِنْفَاذِ عِلْمِهٖ۔

(تفسیر خازن، صفحہ:21)

یعنی ثانی توجیہ یہ ہے کہ کتاب مبین سے مراد لوح محفوظ ہے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے ما کان و ما یکون کا علم آسمانوں اور زمینوں کے پیدا کرنے سے پہلے لکھ دیا ہے اور اُن تمام چیزوں کے اس کتاب میں لکھنے کا فائدہ یہ ہے کہ فرشتے اس کے علم کرنے پر واقف ہوجائیں۔

فائدہ: اس آیت اور ان تفسیروں سے ثابت ہوا کہ لوح محفوظ میں ہر چیز مندرج ہے اور لوح محفوظ کا علم فرشتوں اور اللہ کے خاص بندوں کو ہے۔ جب یہ حضرات جانتے ہیں تو اعلم الخلق محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لوح محفوظ کا علم ضرور ہوگا، لہٰذا آپ کو اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہر شئے کا علم حاصل ہے۔

☆☆☆

انتالیسواں وعظ:2

حضور کا علم غیب قرآن کی روشنی میں

اللہ تعالیٰ نے اپنے قرآن پاک میں صاف ارشاد فرمایا ہے:

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ۔

یعنی ہم نے آپ پر قرآن نازل کیا جس میں دین ودنیا کی ہر چیز کا روشن بیان ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ قرآن شریف میں ہر شئے کا واضح بیان ہے۔ تفسیر حسینی میں ہے: فرستادیم برتو قرآن بیان روشن برائے ہمہ از امور دین ودنیا بہ تفصیل واجمال۔

(تفسیر حسینی، جلد اول، صفحہ:378)

ہم نے آپ پر قرآن نازل جس میں دین ودنیا کی ہر چیز کا روشن بیان ہے تفصیلی واجمالی۔

حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے ایک روز فرمایا: مَا مِنْ شَيْءٍ فِي الْعَالَمِ إِلَّا فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ۔ جہان میں کوئی شئے ایسی نہیں جو کہ اللہ کی کتاب یعنی قرآن مجید میں نہ ہو، تو اُن میں سے کسی نے کہا: فَأَيْنَ ذِكْرُ الْخَانَاتِ۔ سراؤں کا ذکر کہاں ہے۔

فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے اس قول میں لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ مَسْكُوْنَةٍ فِيْهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ۔ (تفسیر اتقان، صفحہ:126)

یعنی تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم ان گھروں میں داخل ہو جن میں کوئی نہیں رہتا اور تمہارا وہاں سامان ہو۔ اس سے ثابت ہوا کہ قرآن پاک میں ہر قسم کا بیان ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کا ارشاد ہے: لَوْ تَكَلَّمْتُ لَكُمْ فِيْ تَفْسِيْرِ الْفَاتِحَةِ لَحَمَلْتُ لَكُمْ سَبْعِيْنَ بَعِيْرًا۔ (الیواقیت والجواہر، مؤلفہ عبدالوہاب شعرانی)

یعنی اگر میں تم سے تفسیر فاتحہ بیان کروں تو تمہارے لیے 70 اونٹ بھر دوں۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: مَنْ أَرَادَ الْعِلْمَ فَعَلَيْهِ بِالْقُرْآنِ فَإِنَّ فِيهِ خَبَرَ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ۔ (تفسیر اتقان، صفحہ:126)

یعنی جو علم سیکھنے کا ارادہ کرے وہ قرآن کو لازم پکڑے، کیوں کہ اس میں اولین وآخرین کی تمام خبریں ہیں۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں:

لَوْ ضَاعَ لِي عِقَالُ بَعِيرٍ لَوَجَدْتُهُ فِي كِتَابِ اللهِ۔ (اتقان، صفحہ:126)

یعنی اگر میرے اونٹ کی رسی گم ہوجائے تو میں اس کو بھی کتاب اللہ میں پاؤں گا۔

فائدہ: اس آیت اور ان تفسیروں اور روایتوں سے معلوم ہوا کہ قرآن کریم میں ہر شئے کا بیان ہے اور اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو سکھایا۔ الرَّحْمٰنُ۔ عَلَّمَ الْقُرْآنَ۔ اللہ نے اپنا رحمت والا قرآن اپنے رحمت والے حبیب کو سکھادیا، تو تمام چیزوں کا علم اس رحمت والے حبیب کو حاصل ہے اور آپ ہر شئے کو بہ عطائے الٰہی جانتے ہیں۔

الرَّحْمٰنُ۔ عَلَّمَ الْقُرْآنَ۔ خَلَقَ الْإِنْسَانَ۔ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ۔ (سورۂ رحمن)

یعنی رحمن نے اپنے محبوب کو قرآن سکھایا انسانیت کی جان محمد کو پیدا کیا اور ان کو ما کان و ما یکون کا بیان سکھادیا۔

فائدہ: اس آیت میں انسان سے مراد کامل انسان یعنی حضرت احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور بیان سے مراد علم ما کان وما یکون یعنی گزشتہ اور آئندہ کا علم، تو مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو گزشتہ اور آئندہ کے تمام علوم سکھادیے ہیں۔

صاحب خازن نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے: قِيلَ أَرَادَ بِالْإِنْسَانِ مُحَمَّدًا صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ يَعْنِي بَيَانَ مَا كَانَ وَمَا يَكُونُ لِأَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ نُبِّئَ عَنْ خَبَرِ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ وَعَنْ يَوْمِ الدِّينِ۔ (تفسیر خازن، جلد چہارم، صفحہ:108)

یعنی کہا گیا ہے کہ انسان سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، اللہ نے ان کو ما کان وما یکون کا بیان سکھادیا، یقیناً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اگلوں اور پچھلوں کی اور قیامت کے دن کی خبر دی گئی ہے۔

صاحب تفسیر حسینی اس آیت کے تحت لکھتے ہیں: یا بوجود آورد محمد صلی اللہ علیہ وسلم را بیاموزانید وے را بیان آنچہ بود وہست وباشد چنانچہ مضمون فَعَلِمْتُ عِلْمَ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ۔ ازیں معنی خبر می دہد۔ (تفسیر حسینی، جلد دوم، صفحہ:366)

یعنی یہ مراد ہے کہ حضور علیہ السلام کی ذات کو پیدا فرمایا اور اُن کو سکھایا جو ہو چکا ہے یا جو ہوگا، جیسا کہ آپ کا یہ ارشاد کہ مجھے اولین وآخرین کا علم سکھایا گیا ہے، اس کی خبر دیتا ہے۔

ان تفسیروں سے ثابت ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم باذن اللہ ما کان وما یکون کے عالم ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖ إِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ۔

یعنی عالم غیب اپنے غیب پر اپنے پسندیدہ رسولوں کے سوا کسی کو مسلط نہیں کرتا۔

فائدہ: اس آیت سے بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب رسولوں کو غیوب پر مسلط کرتا ہے۔ سید الرسول خاتم الانبیاء احمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم رسولوں میں سب سے زیادہ محبوب ہیں۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ آپ بطریق اولیٰ غیوب کے علوم سے سرفراز فرمائے گئے۔

علامہ خازن اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: إِلَّا مَنْ يَصْطَفِيهِ لِرِسَالَتِهِ وَنُبُوَّتِهِ فَيُظْهِرُ عَلٰى مَنْ يَشَاءُ مِنَ الْغَيْبِ حَتّٰى يَسْتَدِلَّ عَلٰى نُبُوَّتِهِ بِمَا يُخْبِرُ بِهِ مِنَ الْمُغَيَّبَاتِ فَيَكُونُ ذٰلِكَ مُعْجِزَةً لَهُ۔ (تفسیر خازن، جلد چہارم، صفحہ:219)

یعنی اس کے سوا جس کو اپنی نبوت ورسالت کے لیے چن لے، اس پر چاہتا ہے تو غیب ظاہر فرمادیتا ہے تاکہ ان کی نبوت پر ان غیب کی چیزوں سے دلیل دی جائے جس کی وہ خبر دیتے ہیں، یہی ان کا معجزہ ہوتا ہے۔

تفسیر روح البیان میں اس آیت کے تحت لکھا ہے: قَالَ ابْنُ الشَّيْخِ إِنَّهُ تَعَالٰى لَا يُطْلِعُ عَلَى الْغَيْبِ الَّذِي يَخْتَصُّ بِهِ عِلْمُهُ إِلَّا الْمُرْتَضٰى الَّذِي يَكُونُ رَسُولًا وَمَا لَا يَخْتَصُّ بِهِ يُطْلِعُ عَلَيْهِ غَيْرَ الرَّسُولِ۔ (تفسیر روح البیان بحوالہ حاشیہ جلالین، صفحہ:477)

یعنی ابن شیخ نے فرمایا ہے کہ رب تعالیٰ اس غیب پر جو کہ اس سے خاص ہے، برگزیدہ رسول کے سوا کسی کو مطلع نہیں فرماتا اور جو غیب کہ رب سے خاص نہیں ان پر غیر رسول کو بھی مطلع فرمادیتا ہے۔

اس آیت اور ان تفسیروں سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کو خصوصاً سید الرسل خاتم

الانبیاء حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کو غیوب کے علوم سے سرفراز فرماتا ہے اور آپ کے واسطے سے اولیائے کاملین کو بھی علم غیب عطا فرماتا ہے۔

اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے: فَأَوْحٰی إِلٰی عَبْدِهٖ مَآ أَوْحٰی ۔ (سورۂ نجم)

یعنی اللہ نے وحی فرمائی اپنے خاص بندے کو جو وحی فرمائی۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں: بتمامہ علوم و معارف و حقائق و بشارات و اشارات و اخبار و آثار کرامات و کمالات درحیطہ ایں ابہام داخل است و ہمہ را شامل و کثرت و عظمت اوست کہ مبہم آورد و بیان نہ کرد اشارات بآنکہ جز علام الغیوب و رسول محبوب بہ آں محیط نتواند شد مگر آنچہ آنحضرت بیان کردہ۔ (مدارج النبوۃ، جلد اول، صفحہ:205)

یعنی معراج میں رب نے حضور علیہ السلام پر جو سارے علوم، معرفت، بشارتیں، اشارے، خبریں، کرامتیں اور کمالات وحی فرمائے وہ اس ابہام میں داخل ہیں اور سب کو شامل ہیں۔ ان کی کثرت اور عظمت ہی کی وجہ سے ان چیزوں کو بطور ابہام ذکر کیا اور بیان نہ فرمایا۔ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ ان علوم غیبیہ کو رب تعالیٰ اور محبوب علیہ الصلوۃ والسلام کے سوا کوئی احاطہ نہیں کرسکتا۔ البتہ! جس قدر حضور نے بیان فرمایا وہ معلوم ہے۔

فائدہ: اس سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام اشیا کے علوم وحی فرمائے اور اللہ تعالیٰ کی عطا سے آپ ہر شئے کو جانتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ ۔ (پارہ:30)

یعنی وہ غیب بتانے میں بخیل نہیں۔

فائدہ: جب آپ غیب بتانے میں بخیل نہیں ہیں تو یہ یقین ہے کہ آپ کو علم غیب ہو اور لوگوں کو وہ غیب بتاتے ہیں۔ صاحب جمل لکھتے ہیں: أَيْ بَخِيْلٍ أَيْ فَلَا يَبْخَلُ بِهٖ عَلَيْكُمْ بَلْ يُخْبِرُكُمْ بِهٖ وَلَا يَكْتُمُهٗ ۔ (جمیل حاشیہ جلالین، صفحہ:412)

یعنی حضور غیب کے بتانے میں تم پر بخل نہیں کرتے، بلکہ تم کو غیب کی خبر دیتے ہیں اور اس کو چھپاتے نہیں۔

علامہ خازن اپنی تفسیر میں اس کے تحت لکھتے ہیں: إِنَّهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَأْتِيْهِ عِلْمُ الْغَيْبِ

فَلَا يَبْخَلُ بِهٖ عَلَيْكُمْ بَلْ يُعَلِّمُكُمْ ۔ (تفسیر خازن، جلد چہارم، صفحہ:257)

یعنی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس علم غیب آتا ہے تو تم پر اس میں بخل نہیں فرماتے، بلکہ تم کو سکھاتے ہیں۔

اس آیت اور اس کی تفسیروں سے ثابت ہوا کہ ہمارے آقائے رحمت صلی اللہ علیہ وسلم علم غیب جانتے ہیں اور لوگوں کو علم غیب بتاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۔ (سورۂ آل عمران، رکوع:10)

یعنی اے لوگو! اللہ کی یہ شان نہیں ہے کہ تم کو غیب کا علم دے لیکن اللہ تعالیٰ غیب کے لیے اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہے چن لیتا ہے۔

فائدہ: اس آیت سے ثابت ہوا کہ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم منتخب اور برگزیدہ رسولوں سے ہیں آپ کو اللہ تعالیٰ نے غیب پر مطلع فرمایا جس کی وجہ سے آپ علم غیب جانتے ہیں۔

تفسیر جلالین شریف میں ہے: وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَصْطَفِيْ وَيَخْتَارُ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ فَيُطْلِعُهٗ عَلٰى مَا يَشَآءُ مِنْ غَيْبِهٖ ۔ (تفسیر خازن، جلد اول، صفحہ:202)

یعنی اللہ تعالیٰ چن لیتا ہے اور پسند فرماتا ہے اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہتا ہے، تو اپنے غیب میں سے جو چاہتا ہے انھیں اس کی اطلاع دیتا ہے۔

اس آیت اور ان تفسیروں سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب پر مطلع فرماتا ہے اور آپ اللہ تعالیٰ کی اطلاع اور اذن سے علم غیب جانتے ہیں۔

اگرچہ علم غیب مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کے ثبوت پر اور آیات بھی ہیں مگر انھی چند آیات مبارکہ پر اکتفا کی جاتی ہے، کیوں کہ دانشور کے لیے فقط چند حرف کافی ہوتا ہے اور بے وقوف کے لیے دفتر بھی بیکار ہے۔

مواعظ رضویہ جلد ہذا اتمام شد